ISSN:2410-535X

شعبہ علوم اسلامیہ وعربی کے طلبہ کا ترجمان

گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی فیصل آباد

ہدایات برائے مقالہ نگاران

سہ ماہی ''جستجو'' کے لیے تحریر بھیجنے والے سکالرز درج ذیل ہدایات کی پابندی کریں۔

متن مقالہ:

۱۔ مضمون مکمل طور پر باحوالہ اور تحقیق کے اصولوں کے مطابق ہو، متنازع، جانبدارانہ یا فرقہ وارانہ نوعیت کا نہ ہو۔

۲۔ براہِ راست اقتباسات کم سے کم ہوں، حاصلِ مطالعہ کو اپنے لفظوں میں، لیکن درست مفہوم کے ساتھ بیان کرنے کی بھرپور مشق کریں۔

۳۔ حتی الوسع بنیادی مصادر سے ہی استفادہ کیا جائے، ثانوی ماخذ صرف انتہائی مجبوری (اصل کتاب نہ ملنے کی صورت) میں بروئے کار لایا جائے۔

۴۔ پہلا پیراگراف تعارف وتمہید کا سا انداز لیے ہوئے ہو اور آخری پیراگراف کا انداز 'خلاصہ اور بیانِ نتائج' کا ہو۔

۵۔ مضمون اردو، انگریزی، عربی یا فارسی زبان میں ہو، کسی دوسری زبان میں شائع شدہ اہم تحریر کا اردو ترجمہ بھی اشاعت کے لیے بھیجا جا سکتا ہے۔

۶۔ مضمون ارسال کرنے سے قبل املاء کی اغلاط کی اچھی طرح تصحیح کرنا مقالہ نگار کی اہم ذمہ داری ہوگی۔

کمپوزنگ:

۱۔ مضمون Inpage میں کمپوز کیا ہوا بھیجیں اور Soft Copy کی سی ڈی یا ای میل کرنے کے ساتھ ساتھ دو (2) عدد Hard Copies بھی جمع کرائیں۔

۲۔ مضمون کی ضخامت کمپوز کیے ہوئے 7x4 انچ سائز کے دس سے پندرہ صفحات ہو۔

۳۔ مضمون کے ہمراہ اس کا ملخص (Abstract) انگریزی زبان میں ارسال کیا جائے جو 100-70 الفاظ پر مشتمل ہو۔

۴۔ اردو اور فارسی مضامین کا فونٹ سائز 14pt، عربی کے لیے 16pt اور انگریزی مضامین کا فونٹ سائز 12pt ہو، عنوان 20pt اور ذیلی سرخیاں 16 فونٹ سائز میں ہوں۔

۵۔ اردو اور فارسی کے لیے فونٹ Noori Nastaliq، انگریزی کے لیے Times New Roman اور عربی کے لیے Trad Arabic فونٹ استعمال کریں۔

(بقیہ: انگلش ٹائٹل کی پشت پر)

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی کے طلبہ کا ترجمان

سہ ماہی

جستجو

ISSN:2410-535X

شمارہ: ۴ جولائی - ستمبر ۲۰۱۵ء

گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی،

فیصل آباد، پاکستان

سہ ماہی جستجو
ISSN:2410-535X

''جستجو'' طلبہء تحقیق کا تحقیقی و تربیتی مجلّہ ہے۔

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی
گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد، پاکستان
E-mail: justjoo.gcuf@yahoo.com
hafiz1192@yahoo.com
+ 92 300 7680468, + 92 346 7680468

فہرست

حصہ اردو:

حصہ عربی:

حصہ انگریزی:

اداریہ

الحمدللہ! سہ ماہی ''جستجو'' کا چوتھا شمارہ (جولائی۔ستمبر ۲۰۱۵ء) پیش خدمت ہے۔ یہ شمارہ دوحوالوں سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

پہلا حوالہ یہ ہے کہ اس شمارے کی اشاعت کے ساتھ ''جستجو'' اپنی اشاعت کا پہلا سال کامیابی سے مکمل کر چکا ہے۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل واحسان ہے، جس کے بغیر ہمیں کبھی یہ توفیق حاصل نہ ہوسکتی تھی۔

ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ اور شعبہ علوم اسلامیہ وعربی کے چیئرمین جناب پروفیسر ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس نے جب سے شعبہ کی باگ ڈور سنبھالی ہے، اسے ہمہ جہتی ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے دن رات کوشاں ہیں، اور اس کے نتیجے میں شعبہ ہٰذا تعلیم کے ساتھ ساتھ تحقیق کے میدان میں بھی نئی بلندیوں کو چھوتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی شعبہ کے طلبہ کے لیے ''جستجو'' کا اجراء بھی ہے۔ یہ مجلہ شروع کرنے کا مقصد ایک طرف طلبہ کی تخلیقی صلاحیتوں کو نکھارنا اور ان کے شوقِ تحقیق کو جلا بخشنا ہے، تو دوسری طرف طلبہ، خصوصاً ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی پروگرامز کے سکالرز کو اپنی تحقیقی اور تحریری صلاحیتوں کے اظہار کے لیے اپنے ہی ادارہ میں ایک پلیٹ فارم مہیا کرنا ہے۔ صدر شعبہ کی خواہش اور تحریک پر ایم۔فل (سیشن ۲۰۱۲ئ۔۲۰۱۴ئ) کے سکالرز نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا اور قریباً ایک سال قبل 'جستجو' کا پہلا شمارہ شائع کر کے شعبہ کے طلبہ کے لیے اس مفید سلسلے کا آغاز کیا۔ ۲۰۱۵ء کے آغاز میں نئی مجلس ادارت کا انتخاب کیا گیا جو اب تک محنت اور تن دہی سے اس کی اشاعت کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ ان شاء اللہ العزیز ''جستجو'' کی صورت میں یہ خوبصورت روایت طلبہ کی آئندہ نسلوں کو منتقل ہوتی ہوئی اسی طرح کامیابی سے آگے بڑھتی رہے گی اور طلبۂ تحقیق میں یہ 'جستجو' خوب سے خوب تر کی جستجو جگاتا رہے گا۔

اس تازہ شمارے کی خصوصی اہمیت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس میں شامل تمام اردو مضامین سیشن ۲۰۱۴ء-۲۰۱۷ء میں داخلہ لینے والے پی ایچ۔ڈی سکالرز کے ہیں۔

۲۰۱۴ء میں انرول ہونے والی پی ایچ۔ڈی کی یہ کلاس جب انتخابِ موضوع کے بعد خاکہ تحقیق (Synopsis) بنانے کے مراحل میں تھی تو ان کے لیے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ ہر سکالر اپنے خاکہ کو بورڈ آف سٹڈیز میں منظوری کے لیے پیش کرنے سے قبل اپنے موضوع پر ایک تحقیقی مضمون لکھ کر دے گا۔ کلاس کے تمام سکالرز نے اس پابندی کو خوش دلی سے قبول کیا اور اپنے اپنے موضوع پر اِس مرحلہ تک کا حاصلِ مطالعہ آرٹیکل کی صورت میں طباعت کے لیے دیا۔ یہ مضامین درحقیقت ان کے تھیسز کی ایک ابتدائی صورت ہے۔ آئندہ سے بھی تمام پی ایچ۔ڈی سکالرز کے لیے یہ لازم ہوگا کہ وہ اپنے خاکہ کی منظوری سے قبل اپنے موضوع پر ایک تحقیقی مضمون چھپنے کے لیے دیں گے۔ یقیناً یہ ایک عمدہ روایت ہے جس کی افادیت اہل علم پر ہرگز مخفی نہیں ہے۔

''جستجو'' خود انحصاری بنیادوں پر طبع ہونے والا تحقیقی و تربیتی مجلہ ہے، جس کے تمام تر ادارتی، مالی اور انتظامی امور شعبہ کے طلبہ ہی سرانجام دیتے ہیں۔ یقیناً اس میں بہت سی خامیاں بھی ہوں گی، مگر ہماری بھرپور کوشش ہے کہ اس کے معیار کو مزید بہتر کرتے ہوئے ملکی سطح پر منظور شدہ سطح تک لے جائیں۔ جن اہل علم تک یہ شمارہ پہنچے، ان سے گذارش ہے کہ ہم طلبہ کی اس کاوش کی حوصلہ افزائی بھی فرمائیں اور جہاں کوئی کمزوری دیکھیں اسے ہماری کوتاہی پر محمول کرتے ہوئے اسے دور کرنے کے لیے اپنی قیمتی اور مفید آراء سے بھی نوازیں۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

مدیر اعلیٰ

تفسیر قرآن کا موضوعی رجحان

نورین ناز

ABSTRACT:

This topic deals with the thematic interpretation of the Holy Quran. It complies the Qur'anic verses handling the same topic and interprets them as an integrated unit so as to solidify one another. This article includes the defination, origin, development, kinds and importance of the thematic interpretation, and turns up to discuss thematic unit of the Holy Qur'an, its defination, meanings and example thereon. Second the introduction this trend of tafseer which has developed into a distinguished trend regarding the science of Tafseer representing this trend. The title under consideratrion addresses the same trend, its further development and scope.

افراد و اقوام کی ترقی کا راز قرآنی آیات کی پیروی میں مضمر ہے۔قرآن حکیم بنی نوع انسان کی فلاح واصلاح کے جملہ اجزاء وعناصر پر مشتمل ہے۔قرآن حکیم جس رشد و ہدایت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور اس کا معجزانہ اسلوبِ بیان جن حکمتوں کا جامع ہے، جب تک ان سے آگاہی حاصل نہ کی جائے، تب تک اس کی پیروی کا کوئی امکان نہیں۔

قرآن حکیم ۲۳ سال کے عرصہ میں مختلف اجتماعی ضروریات، گوناگوں حوادث اور مختلف مراحل میں بالترتیب نازل ہوتا رہا اور اسلامی معاشرہ کے قدم بقدم آگے بڑھتا رہا پھر کمال یہ کہ وہ کسی زمانے اور خاص علاقے کے ساتھ مخصوص بھی نہیں۔ایک مرتبہ وہ سورتیں جو اوائل بعثت میں مکہ میں ۱۳

سال تک نازل ہوتی رہیں، ان کا محور مبدأ اور معاد کی بحث ہوتا پھر جہاد اور اندرونی و بیرونی دشمنوں اور منافقوں سے گرما گرم گفتگو پر مبنی بحث کا تذکرہ ہوتا۔ جب غزوہ احزاب پیش آیا تو سورہ احزاب کی ۱۷ آیات اس غزوہ کے سبق آموز حوادث، تربیتی مسائل اور اس کے نتائج پر مشتمل ہیں۔ جب صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا تو سورہ فتح نازل ہوئی اور اس کے بعد فتح مکہ کا واقعہ اور غزوہ حنین پیش آیا تو سورۃ النصر کی آیات اور کئی دوسری آیات نازل ہوئیں۔ الغرض اسلام کی پیش رفت اور اسلامی معاشرہ کے تحرک کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں، احکام دیتی رہیں اور صحیح معنی میں سلسلۂ ہدایت کو پایہ تکمیل تک پہنچاتی رہیں۔

اسی کے پیش نظر تفسیر موضوعی کا مقصد واضح ہو جاتا ہے کیونکہ تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں بشری استطاعت کی حد تک اس امر سے بحث کی جاتی ہے کہ الفاظِ قرآنی سے خدا تعالیٰ کی مراد کیا ہے؟ اس کے احکام اور اسرار و رموز سے بحث کی جاتی ہے۔ تفسیر کے اس مفہوم کی روشنی میں تفسیر موضوعی کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''هو تفسير يدرس القضايا بحسب دلا لة الآيات القرآنية فى القرآن كله او بحسب مقصد سورة منه'' (۱)

(تفسیر موضوعی ایسی تفسیر ہے جو آیات قرآنیہ کی دلالت کے اعتبار سے مکمل قرآن میں یا اُس کی کسی ایک سورت کے مقصد کے اعتبار سے قضایا کو بیان کرتی ہے۔)

'وهو جمع الآيات المتفرقة فى سورة القرآن الكريم المتعلقة بالموضوع الواحد لفظا او حكما و تفسيرها حسب المقاصد القرآنية'' (۲)

(تفسیر موضوعی وہ قرآن حکیم کی سورتوں میں متفرق آیات کو جمع کرنا ہے جو کہ لفظ یا حکم کے اعتبار سے کسی ایک موضوع کے ساتھ متعلق ہو اور اس کی تفسیر مقاصد قرآنیہ کے اعتبار سے ہو۔)

ڈاکٹر مصطفی مسلم تفسیر موضوعی کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”ھو علم یبحث فی قضایا القرآن الکریم، المتحدۃ معنی او غایۃ، عن طریق جمع أیاتھا المتفرقۃ، و النظر فیھا علی ھیئۃ مخصوصۃ، بشرط مخصوصۃ لبیان معناھا و استخراج عناصرھا، و ربطھا برباط جامع“(۳)

(تفسیر موضوعی ایسا علم ہے جس میں قرآن حکیم کے قضایا کے بارے میں بحث کی جاتی ہے جو کہ معنی یا غایت میں متحد ہوتے ہیں۔ اس کی متفرق آیات کو جمع کرنے کے اعتبار سے اور اس میں مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص صورت پر غور وفکر کرنا ہے تا کہ اُس کے معنی کو بیان کیا جائے اور اس کے عناصر کا استخراج کیا جا سکے، اُس کو جامع ربط کے ساتھ مربوط کیا جا سکے۔)

گویا تفسیر موضوعی میں ان قرآنی آیات کو جمع کیا جاتا ہے جن میں کسی ایک ایسے موضوع کے متعلق بیان کیا جاتا ہے جو کہ ہدف اور ترتیب میں نزول کے اعتبار سے مشترک ہوتا ہے۔ پھر اس کو مکمل شرح وتفصیل کے ساتھ، شارع کی شرع میں اور قوانین میں حکمت کے بیان کے ساتھ موضوع کے تمام جوانب کے مکمل احاطہ کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں ہم ایک موضوع کی تمام آیات کو جمع کرنے کے علاوہ اس اہم موضوع کے بارے میں قرآن کے ہمہ جانب نظریہ سے واقف ہو جائیں گے۔ ایک فائدہ یہ بھی کہ بسا اوقات کوئی آیت کسی خاص سبب سے ہمیں مبہم دکھائی دیتی ہے اور ہم زمانہ وحی سے دوری کی بناء پر اور اس زمانے کے اسلامی معاشرے میں کارفرما حالات و اضاع کے قرائن سے بے خبری کی وجہ سے اس آیت کے اصل ہدف اور مقصد سے دور ہوتے ہیں، لیکن آیات کا ایک جگہ جمع ہونا اور ان میں سے کچھ کا ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونا بہت سے ابہام دور کر دیتا ہے اور بہت سے احتمالات و اوہام کا سلسلہ ختم ہو کر اصل حقیقت کا چہرہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

جیسا کہ معرفت خداوندی کے بارے میں دلائل پر مبنی آیات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے۔ اسی طرح کچھ آیات ایسی ہیں جو جنت یا جہنم، صراط اور نامہء اعمال سے متعلق ہیں انہیں باہمی طور پر مربوط کر دیا جائے۔ یہ آیات چونکہ مختلف مناسبت کے مواقع پر نازل ہوتی رہیں لہذا ان میں سے ہر ایک حصے کو بطور جداگانہ اکٹھا کر کے پھر انہیں آپس میں مربوط کر کے ان کی تفسیر کی جائے۔

قرآن حکیم کی کچھ آیات میں کسی موضوع کی صرف ایک جہت کو ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً شفاعت کے سلسلہ میں بعض آیات میں صرف امکان شفاعت کے اصولوں کو بتایا گیا ہے۔ بعض دوسری آیات میں 'شفیع' (شفاعت کرنے والوں) کی شرائط کو بیان کیا گیا ہے۔ بعض آیات میں ان لوگوں کی شرائط کو بیان کیا گیا ہے جن کی شفاعت کی جائے گی۔ بعض آیات میں سوائے خدا کے دوسرے تمام لوگوں سے شفاعت کی نفی کی گئی ہے۔ اس موضوع پر تمام آیات کو یکجا کر کے ان کی ہر جہت کو سامنے رکھ کر تفسیر کی جاتی ہے، تا کہ حکم کا مقصد واضح ہو جائے۔

تفسیر کے موضوعی رجحان کا آغاز وارتقاء:

تفسیر موضوعی کا باقاعدہ آغاز چودھویں صدی میں ہوا لیکن اس کی بنیاد عہد رسالت میں ہی پڑ چکی تھی کیونکہ اس کی واضح نشان دہی خود قرآن مجید میں کر دی گئی ہے۔ جیسا کہ متشابہ آیات کی محکم آیات کے ذریعہ تفسیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو بذات خود ایک قسم کی تفسیر موضوعی ہے۔ عہد رسالت میں ہی جب قرآن حکیم کی کسی آیت کی تفسیر میں مشکل ہوتی تو صحابہ کرام رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوتے۔ رسول اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں بھی اس قسم کے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن کے تحت کسی موضوع سے متعلق آیات کو یکجا کر کے ان سے استفادہ کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

مثال کے طور پر صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"لما نزلت هذه الآية: "الذين أمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم ......' شق ذلک على الناس، فقالو: يا رسول الله و اينا لا يظلم نفسه؟ قال: انه ليس الذى تعنون، ألم تسمعوا ما قال العبد الصالح: "ان الشرک لظلم عظيم "انما هو الشرک" (۴)

(جب آیت نازل ہوئی۔"جولوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا......"لوگوں پر یہ شاق ہوا۔عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کون ہے جس نے خود پہ ظلم نہیں کیا؟ فرمایا: جو تم نے سمجھا وہ مراد نہیں ہے۔کیا تم نے سنا نہیں جو عبد صالح نے کہا"بے شک شرک ظلم عظیم ہے"۔ظلم سے مراد شرک ہے۔)

امام بخاری نے روایت کیا ہے:

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم فسر مفاتح الغيب فى قوله تعالىٰ "عنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو" فقال: مفاتح الغيب خمس: ان الله عنده علم الساعة و ينزل الغيث و يعلم ما فى الأرحام و ما تدرى نفس ماذا تكسب غدا و ما تدرى نفس باىّ ارض تموت ان الله عليم خبير" (۵)

(بے شک رسول اللہ ﷺ نے غیب کی چابیوں کی تفسیر بیان فرمائی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی روشنی میں: "اُسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جنہیں اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا" فرمایا: غیب کی پانچ چابیاں ہیں۔بے شک اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے۔بارش کے نزول کا علم اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور (اُس کے علاوہ) کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کس زمین پر موت آئے گی۔بے شک اللہ جاننے والا، باخبر ہے)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بغیر علم کے بات کرنے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جب تک تم کسی چیز کے متعلق اچھی طرح معلومات حاصل نہ کرلو، اُس وقت تک کوئی بات نہ کرو اور جب تک کوئی بات کانوں سے نہ سنو اور آنکھوں سے نہ دیکھو اس وقت تک کوئی کلمہ منہ سے نہ نکالو۔ یہ حکم متعدد آیاتِ قرآنی میں بھی آیا ہے:

"وَلا تقفُ مالیسَ لکَ بہٖ عِلم اِن السمعَ والبصرَ والفؤادَ کلُّ اولٰئک کانَ عنہُ مسئولًا" (۶)

جو تم نہیں جانتے اس کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ کان، آنکھ اور دل سب سے پوچھا جائے گا۔

"سَتُکتَبُ شَهَادَتُهُم ویُسئَلُون" (۷)

(عنقریب ان کی گواہی لکھی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا۔)

اسی طرح قرآن میں "**مَایَلفِظُ مِن قَولٍ اِلّا لَدَیهِ رَقِیبٌ عَتِیدٌ**" (۸) کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو قرآن کی کسی آیت کے حکم میں تعارض ہوتا تو وہ اس حکم سے متعلقہ قرآن کی آیات کو جمع کرتے۔ صحیح بخاری میں ہے:

"قال المنهال عن سعید بن جبیر قال: قال لابن عباس رضی اللہ عنهما انی لأجد فی القرآن اشیاء تختلف علیّ، قال: فلاانساب بینهم یومئذ ولا یتساءلون۔ واقبل بعضهم علی بعض یتساءلون۔ ولا یکتمون اللہ حدیثا۔ اللہ ربنا ما کنا مشرکین" (۹)

(منھال فرماتے ہیں کہ سعید بن جبیر سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں قرآن میں ایسی چیزیں پاتا ہوں جو

مجھ پر مختلف ہیں۔تو آپ نے جواب میں قرآن کی آیات فرمادیں۔)

ایک مقام پر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم میں لفظ 'کفر' کے معانی بیان فرماتے ہوئے اس سے متعلقہ آیات کو ایک جگہ جمع کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن میں کفر کی پانچ قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

کفر کی پہلی قسم کا نام 'انکار' ہے پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو خود خدا، بہشت اور قیامت کا انکار ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

"وَمَا یُھلِکُنا اِلَّا الدَّھر" (۱۰)

(ہمیں تو صرف عالمِ طبعی ہی مارتا ہے)

کفر کی دوسری قسم یقین اور معرفت کے باوجود انکار ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

"وَجَحَدُوا بِھَا وَاستَیقَنَتھَا۔(۱۱)

(انھوں نے انکار کیا جب کہ دل میں انھیں اچھی طرح یقین تھا۔)

کفر کی تیسری قسم کا نام معصیت اور ترک اطاعت ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے لوگوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

"اَفَتُو مِنُونَ بِبَعضِ الکِتَابِ وَتَکفُرُونَ بِبَعضٍ۔(۱۲)

(تم کتاب الٰہی کے کچھ حصہ پر عمل کرتے ہو اور کچھ کے کافر ہوتے ہو۔)

کفر کی چوتھی قسم کا نام براءت اور بیزاری ہے، جیسا کہ رب تعالیٰ نے بت پرستوں کے مقابلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کو بیان فرمایا ہے:

"کَفَرنَا بِکُم" (۱۳) (ہم تو اس سے بیزار ہیں۔)

نیز فرمایا: "یومَ القِیمَۃِ یَکفُرُ بَعضُکُم بِبَعضٍ" (۱۴)

(بروز قیامت تم میں سے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں سے بیزار ہوں گے۔)

کفر کی پانچویں قسم 'نعمت کی ناشکری' کے معنی میں ہے۔ ارشادالٰہی ہے:

''لَئِن شَکَرتُم لَأَزِیدَنَّکُم وَلَئِن کَفَرتُم اِنَّ عَذَابِی لَشَدِیدٌ'' (۱۵)

(اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم کفر کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کلام میں تفسیر موضوعی کا اہم ہونا ان مثالوں سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے اور یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ تفسیر کس حد تک فہم انسانی اور قرآن کی عمیق آیات کو سمجھنے کیلئے مؤثر اور کارگر ہے۔

علماء ومفسرین کے نزدیک تفسیر موضوعی:

علماء کرام نے انسانی عادات وضروریات کے پیش نظر اصول تفسیر میں اس فن کو باقاعدہ شامل کیا ہے کہ قرآن کا حکم جہاں ایک جگہ مجمل آیا ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل ہے اور جو مطلق حکم ہے تو دوسری جگہ اس کو مقید کر دیا گیا ہے۔ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں:

''ان اصح الطریق من ذلک أی فی تفسیر القرآن أن یفسر القرآن، فما أجمل فی مکانه فانه فسّر فی موضع آخر، وما اختصر فی مکان فقد بسط فی موضع آخر'' (۱۶)

(یعنی تفسیر قرآن میں سب سے صحیح طریقہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے پس جس جگہ حکم مجمل طور پر بیان ہوا ہے تو دوسری جگہ اس کی تفسیر کی گئی ہے، جو حکم ایک جگہ مختصراً بیان ہوا ہے تو دوسری جگہ پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔)

سورۃ النمل میں ارشادالٰہی ہے:

''وَعَلَی الّذِینَ هَادُوا حَرَّمنَا مَا قَصَصنَا عَلَیکَ مِن قَبلِ'' (۱۷)

یہود نے جو خود پر حرام کر رکھا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا تھا اس کی تفصیل

سورہ انعام میں ملتی ہے جو اس مجمل حکم کو تفصیل سے بیان کر کے اس کے ابہام کو دور کر دیتی ہے۔ ارشاد الہیٰ ہے:

"وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمنَا كُلَّ ذِى ظُفُرٍ وَ مِنَ البَقَرِ وَ الغَنَمِ حَرَّمنَا عَلَيهِم شُحُومَهُمَا اِلَّا مَا حَمَلَت ظُهُورُهَا أَوِ الحَوَايَا أَو مَا اختَلَطَ بِعَظمٍ ذٰلِکَ جَزَينَاهُم بِبَغيِهِم وَاِنَّا لَصَادِقُون" (۱۸)

تفسیر موضوعی کی اقسام:

علماء کرام نے اس فن کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

ڈاکٹر صالح الخالدی لکھتے ہیں:

"ألوان التفسير الموضوعی ثلا ثة: التفسير الموضوعی للمصطلح القرآنی، التفسير الموضوعی للموضوع القرآنی، التفسير الموضوعی للسور القرآنية" (۱۹)

(یعنی تفسیر موضوعی کی تین قسمیں ہیں: ایک قرآنی اصطلاحات کی موضوعی تفسیر، ایک قرآنی موضوعات کی تفسیر موضوعی اور ایک قرآنی سورتوں کی موضوعی تفسیر۔)

پہلی قسم میں آیت قرآنی کے کلمات میں موجود 'لفظ' پر بحث کی جاتی ہے۔ اس کا لغوی مادہ نکالا جاتا ہے اور پھر اس مادہ پر مشتمل جتنی قرآنی آیات ہیں ان کو جمع کیا جاتا ہے اور مختلف جہات سے اس کی تفسیر کی جاتی ہے۔

"يختص هذا اللون بالمصطلحات والمفردات القرآنية، حيث يختار الباحث من الفاظ القرآن ورد كثيرا فى السياق القرآنی" (۲۰)

(یہ قسم قرآن کی اصطلاحات اور مفردات کے ساتھ مختص ہے جہاں ان الفاظ قرآن پر بحث کی جاتی ہے جو قرآنی سیاق میں کثرت سے وارد ہیں۔)

قرآن پاک میں متعدد کلمات ایسے ہیں جومکرر ہیں، جیسا کہ **الخیر، أمة، الصدقة، الجهاد، الكتاب، اهل الكتاب** وغیرہا۔

مثال کے طور پر 'الخیر' کا مادہ 'خ ی ر' ہے(۲۱) اور یہ قرآن میں ان آٹھ وجوہ پر استعمال ہوتا ہے: **المال۔ الايمان۔ الاسلام۔ افضل۔ العافية۔ الأجر۔ الطعام۔ الظفر۔ الغنيمة۔**

پہلی وجہ: خیر بمعنی مال۔ ارشاد الٰہی ہے:

"اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ المَوتُ اِن تَرَكَ خَيرَا نِ الوَصِيَّة" (۲۲)

(جب تم میں سے کسی کو موت آجائے بشرطیکہ وہ مال چھوڑ کر جائے، وصیت کرے)

دوسری وجہ: خیر بمعنی ایمان۔ سورہ انفال میں ارشاد الٰہی ہے۔

"وَلَو عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِم خَيرًا لأَسمَعَهُم" (۲۳)

(اور اگر اللہ ان میں خیر کو دیکھتا تو ضرور ان کو سنا دیتا۔)

تیسری وجہ: خیر بمعنی اسلام۔ ارشاد الٰہی ہے:

"مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن اَهلِ الكِتَابِ وَلَا المُشرِكِينَ أَن يُنَزِّلَ عَلَيكُم مِن خَيرٍ مِن رَبِّكُم" (۲۴)

(نہیں چاہتے کافر، اہل کتاب اور مشرکین کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو۔)

تفسیر موضوعی کی دوسری قسم میں اسلام کے اصول وفروع، اجتماعی، اقتصادی، سیاسی اور اخلاقی مسائل ایسے مختلف موضوعات سے متعلق آیات قرآنی کو جمع کیا جاتا ہے اور ان کا مختلف جہتوں سے مطالعہ کیا جاتا ہے اور ان جہتوں کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ مثلاً جب ایمان، تقویٰ اور عمل صالح کے موضوعات کو تفسیر موضوعی میں علیحدہ علیحدہ صورتوں میں زیر بحث لا کر ان پر سیر حاصل تبصرہ کیا جاتا ہے اور ان مطالب کو قرآنی آیات کی روشنی میں اور ان کی طرف ہونے والے

قرآنی اشارات کے پرتو میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کیا جاتا ہے تو ان کا باہمی رابطہ واضح ہو جاتا ہے اور جب ان موضوعات کو آپس میں مربوط کریں گے تو کوئی نئے حقائق ہمارے سامنے آ جائیں گے۔تفسیر موضوعی کی اس قسم میں قدیم وجدید بہت سی تالیفات ہیں۔ان میں سرفہرست ''اعجاز القرآن، الناسخ والمنسوخ فی القرآن اور احکام القرآن'' وغیرہ ہیں۔اس قسم کے متعلق مروان ابوراس لکھتے ہیں:

''هو عبارة عن ترتيب الألفاظ الواردة فی القرآن حسب حروف الهجائ، وبعد تجريدها من الزوائد، والتعرض لأصل استخدامها، واستقراء اللفظ الواحد واستخداماته فی القرآن الكريم، وتوضيح تباينهامن موضع آخر'' (۲۵)

(یعنی یہ قسم عبارت ہے قرآن میں موجود الفاظ کی ترتیب کے بارے میں حروف ہجاء کے مطابق جس میں قرآن کے ایک موضوع پر مشتمل آیات قرآنیہ کو جمع کر کے اس کی تمام جہتوں کو دیکھا جاتا ہے۔)

چونکہ کائنات اور موجودات عالم کے مطالعہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم انھیں آپس کے باہمی رابطے کے تناظر میں دیکھیں سورج ہو یا چاند، زمین ہو یا آسمان، انسان اور انسانی معاشرہ ایک دوسرے سے جدا اور علیحدہ موضوعات نہیں ہیں اور مجموعی طور پر ایک ایسی اکائی کو تشکیل دیتے ہیں جس کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور صحیح طریقہ مطالعہ بھی یہ ہے کہ ہم ان سب کو ان کے باہمی رابطے کی صورت میں دیکھیں اور ان کی تحقیقات وتجزیہ وتبصرہ کریں۔

موضوعی تفسیر کی تیسری قسم میں سورۃ کے بنیادی ہدف کو لیا جاتا ہے اور سورۃ کے بنیادی موضوع کو پیش کرنے کی غرض سے اس کے سبب نزول پر بحث کی جاتی ہے پھر سورۃ کی ترتیب نزولی اور مکی ومدنی ہونے کا تعین کیا جاتا ہے، موضوع سورت اور آیات کی مناسبت کے لیے قرآنی

اسلوب کو سمجھا جاتا ہے۔اس بحث سے ہم ہر سورت کی مستقل حیثیت اوراس کے بنیادی اہداف پا لیتے ہیں۔اور یہ کہ مکی سورتیں بنیادی اسلامی عقائد پر مشتمل ہیں اور یہ الوہیت، رسالت اور موت کے بعد اٹھنے کے احکام پر مشتمل ہیں۔

عبداللہ دراز تفسیر موضوعی کی اس قسم پر لکھتے ہیں:

"هذا النوع اكثر انواع التناول الموضوعي تطورا و اضافة.........فهو بضيف الیٰ عناية بالوحدة الموضوعية لكل سورة البحث عن آفاق العلا قة بما يجاورها من سور، فينظر في فواتح السور وخواتيمها، و يربط بينها مجتمعة تارة، و متفرقة تارة اخرى......... اتصل كل مبتدا فيها بمختتنها"(٢٦)

(یعنی اس قسم میں قرآن کی ہر سورت کی موضوعی تفسیر کی جاتی ہے۔اس کے جملہ موضوعات کو دیکھا جاتا ہےاور ہر جہت سےاس کے موضوع سے متعلقہ آیات کو جمع کیا جاتا ہےاور سورت کے آغاز واختتام اوران کا آپس میں ربط اوراس کے مفاہیم ومقاصد کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔اوراس کی ابتداء سے اختتام تک مکمل احاطہ کیا جاتا ہے۔)

تفسیر موضوعی کی اس قسم پر قدیم علماء نے سورتوں کے بعض اہداف پر اشارہ کیا ہےاور خاص طور پر چھوٹی سورتوں کے، اسی طرح بعض سورتوں کی مناسبت کی وجہ کو بیان کیا ہے۔اسی طرح فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں، بقاعی نے نظم الدرر میں اورعبدالحمید فراہی نے اپنی کتاب نظام القرآن میں بیان کیا ہے۔

تفسیر موضوعی اور دیگر تفسیری رجحانات میں فرق:

تیسری صدی ہجری کے آغاز اورعلوم اسلامی میں پختگی اور ارتقاء پیدا ہونے پر تفسیر قرآن میں ایک خاص تبدیلی ہوئی۔قرآن کی آیات کی تحقیق ومطالعہ اور بحث وتمحیص کے دائرے

میں زیادہ وسعت پیدا ہوئی۔ ایک عرصے تک تفسیر قرآن پیغمبر اکرم ﷺ کی احادیث یا صحابہ اور تابعین اور بعض اوقات اہل کتاب کی آراء پر مشتمل ہوتی تھی۔ مگر بعد ازاں یہ آسمانی کتاب متعدد اور مختلف پہلوؤں سے زیر تحقیق و مطالعہ آئی۔ ہر شخص نے اسے اپنے مخصوص زاویہ نگاہ سے دیکھا اور ہر ماہر اور صاحب فن اپنے فن کے نکتہ نظر سے اس کے حقائق کو آشکار کرنے لگا۔

تفسیر مفرداتی:

عربی ادب میں مہارت رکھنے والے ماہرین مثلاً زجاج مؤلف ''اعراب القرآن'' اور واحدی مؤلف کتاب 'البسیط' اور ابو حیان مؤلف کتاب 'البحر و النھر' نے اپنے اپنے داخلی رجحانات کے مطابق قرآنی آیات پر ترکیب و اعراب، لغت اور اشتقاق و استنباط کے لحاظ سے تحقیق کی۔ اس سلسلے میں کئی ایک تفسیریں مرتب ہوئیں۔

علم معانی و بیان کے استاد زمخشری نے 'کشاف' میں فصاحت و بلاغت سے متعلق نکات بیان کرنے میں اپنی استعداد صرف کی اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کے وہ اسرار و رموز بیان کیے جن کا زمانہ جاہلیت کے عرب اپنی طبع اور صاف و شفاف فطرت سے ادراک رکھتے تھے، مگر اس کی علمی اصطلاحات کو نہیں جانتے تھے۔ اس طرح قرآنی اعجاز کا ایک پہلو آشکار ہو گیا۔ متکلمین، فلاسفہ اور عرفاء آیات کے اُس پہلو کے بارے میں زیادہ تر بحث و تمحیص و تحقیق کرتے رہے جو ان کے انداز فکر کے مطابق تھا۔ وہ لاشعوری طور پر اس کی طرف کھنچے چلے جاتے تھے۔ جیسے فخر رازیؒ نے کتاب 'مفاتیح الغیب' میں اور عبدالرزاق کاشی نے تفسیر 'تاویل الآیات' میں گفتگو کی۔

تفسیر ارتباطی:

تفسیر کا ایک رجحان 'تفسیر مسلسل یا تفسیر ارتباطی' ہے، جس میں قرآن کے مختلف موضوعات کو باہمی رابطے کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ان میں جصاص مؤلف کتاب 'احکام القرآن' فاضل مقداد مؤلف کتاب 'کنز العرفان' کا نام لیا جا سکتا ہے۔

ایک رجحان قرآن کے صرف قصص یا اسباب نزول کی تحقیق کرنے کا ہے۔ اسلام کے عالی مقام مفسرین میں وہ حضرات بھی ہیں جنھوں نے اس سے آگے قدم بڑھا کر بے انتہا زحمتیں اور مشقتیں اٹھا کر کوشش کی کہ قرآنی آیات کے تمام پہلوؤں پر تحقیق، بحث اور مطالعہ کیا جائے۔ اور آیت کے ہر قسم کے نکات کو مختصراً بیان کر دیا جائے۔ جیسا کہ شیخ طوسی کی 'تبیان' طبرسی کی 'مجمع البیان' نیشاپوری کی 'غرائب القرآن' اور آلوسی کی 'روح المعانی' اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں۔

تفسیر موضوعی:

ان تفسیری رجحانات میں ایک تفسیر موضوعی بھی ہے۔ جس کی طرف چودہ صدیوں پر محیط تفسیر قرآن کی طویل تاریخ میں بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ لیکن ایسا نہیں کہا جا سکتا کہ اس پر بالکل ہی توجہ نہیں دی گئی۔ تفسیر موضوعی ایسی تفسیر جس میں آیات کی جمع آوری کے ذریعہ ایک موضوع کی آیات کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ بنیادی طور پر اس قسم کی تفسیر کی تین جہتیں ہیں:

۱۔ تفسیر ترتیبی کے مواد میں کسی موضوع پر بحث کی جائے۔

اس انداز کی نمایاں کتبِ تفسیر درج ذیل ہیں۔

تفسیر المنار : سید رشید رضا

تفسیر المیزان : سید محمد حسین الطباطبائی

تفسیر الموضوعی لسور القرآن الکریم : ڈاکٹر مصطفی مسلم

۲۔ ایسی تفسیر جس میں علوم اسلامیہ کے کسی ایک موضوع پر آیات قرآنی کی روشنی میں بحث کی جائے۔

الادیان فی القرآن : محمود بن شریف

القرآن ومشکلات حیاتنا الحاضرۃ : محمد احمد خلف

۳۔ ایسی تفسیر جس میں آیات کی جمع آوری کے ذریعہ ایک موضوع کی آیات کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

اس اسلوب پر دو کتابیں اہم ہیں:

پیام مشرق : ناصر مکارم شیرازی

قرآن کا دائمی منشور : استاد جعفر سبحانی

موضوعی رجحان پر لکھی گئی کتب کا تعارف:

دور حاضر میں تفسیر قرآن کے حوالے سے عام طور پر انہی کتب کا تصور ذہن میں آتا ہے، جو عموماً صدر اول سے اب تک لکھی جا رہی ہیں جن میں سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کے مطابق تفسیر کی جاتی ہے۔ مگر تفسیر قرآن کے اس طریقے کے علاوہ 5 طریقے اور ہیں۔ جن میں تفسیر مفرداتی، تفسیر ترتیبی، تفسیر موضوعی، تفسیر ارتباطی اور تفسیر کلی۔

تفسیر کے پہلے دو طریقے عام طور پر متعارف ہیں اور بلاشبہ قرآن کا قدیمی طریقہ یہی رہا ہے۔ لیکن تفسیر قرآن کا نیا انداز جس میں کسی اصل فرع یا مضمون وعنوان سے تعلق رکھنے والی آیات قرآنی کو ایک مقام پر لا کر ان کی تفسیر کی گئی ہے۔ ان میں ایک کتاب 'پیام قرآن' ہے، اس میں ہر عنوان اور موضوع کی جملہ آیات اور ان کی تفسیر یکجا کر دی گئی ہے۔ اس کے مفسر آیت اللہ جعفر سبحانی اور آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی ہیں۔ اس کا ترجمہ علامہ سید صفدر حسین نجفی نے کیا ہے، اور مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور نے اسے ۱۲ جلدوں پر مشتمل ایک سلسلہ کی صورت میں شائع کیا ہے۔

تفسیر موضوعی کا طریقہ بھی دو قسم کا ہے۔

ایک وہ طریقہ کہ مفسرین نے اپنے کلام میں اعتقادی موضوعات مثلاً توحید اور معاد وغیرہ یا اخلاقی موضوعات کو پیش کیا پھر ان کی فلسفہ یا کلام کی روشنی میں تجزیہ وتحلیل کی، اخلاقی نقطہ نظر سے ان کا تجزیہ کیا بعد میں شاہد کے طور پر قرآنی آیات کا ذکر کیا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ایک موضوع سے متعلق سارے قرآن میں موجود تمام آیات کو جمع کیا جائے تمام آیات کی ایک ایک کر کے تفسیر کی جائے اور آپس میں رابطے کو پیش نظر رکھ کر ان سے نتیجہ اخذ کیا جائے۔

'پیام قرآن' میں دوسرے طریقے کو اپنایا گیا ہے۔ سب سے پہلے آیات کے تمام مطالب بیان کئے اور 'معجم القرآن' کو سامنے رکھ کر تفسیر لکھی گئی۔

دوسری کتاب 'قرآن کا دائمی منشور' تفسیر موضوعی کا بہترین نمونہ ہے۔ تفسیر موضوعی میں قرآن کی ہمہ گیر تعلیمات اور اسلام کے آفاقی ضوابط کو بہتر اور جامع طور پر سمجھنے سمجھانے کے علاوہ بالوقت استنباط احکام بھی کر سکتے ہیں۔ ایرانی عالم آیت اللہ جعفر سبحانی نے فارسی زبان میں یہ اولین تفسیر موضوعی ترتیب دی ہے۔ علامہ سید صفدر حسین نجفی نے اسے فارسی سے اردو میں منتقل کیا ہے۔ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور نے اسے شائع کیا ہے۔

مؤلف جو کہ عالم جوانی سے قرآن کے ساتھ ایک خاص انس رکھتے ہیں، نے چند ایک قرآنی موضوعات تفسیر موضوعی کی شکل میں لکھ کر دلچسپی رکھنے والوں کے سامنے پیش کر دیے ہیں۔ اس کتاب میں قرآن کے عقلی، اجتماعی اور اخلاقی مباحث میں سے تقریباً بیس موضوعات کو جو نسل جواں اور تشنہ عوام کی توجہ کا مرکز ہیں بیان کیے گئے ہیں اور واضح اور موضوعی شکل میں ان پر تحقیق کی گئی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عتر، نور الدین، ڈاکٹر، علوم القرآن الکریم، مطبعۃ الصباح، ۱۹۹۶ء، ص ۱۱۵

۲۔ عباس، عوض اللہ عباس، ڈاکٹر، محاضرات فی التفسیر الموضوعی، دمشق: دار الفکر، ۲۰۰۷ء، ص ۲۰

۳۔ مصطفی مسلم، ڈاکٹر، مباحث فی التفسیر الموضوعی، دمشق: دار القلم، ۲۰۰۷ئ ص ۱۶

۴۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۳۸۱ھ، کتاب التفسیر، رقم الحدیث ۱۷۳۷

۵۔ ایضاً، رقم الحدیث ۱۷۳۵

۶۔ بنی اسرائیل: ۳۶

۷۔ الزخرف: ۹۱

۸۔ قٓ: ۱۴

۹۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، رقم الحدیث ۱۷۴۷

۱۰۔ الجاثیہ: ۲۴

۱۱۔ النحل: ۱۴

۱۲۔ البقرۃ : ۸۵

۱۳۔ الممتحنہ : ۴

۱۴۔ العنکبوت: ۲۵

۱۵۔ ابراہیم: ۷

۱۶۔ ابن تیمیہ، شیخ احمد بن عبد الحلیم، مقدمۃ فی اصول التفسیر، تحقیق عدنان زرزور، دار القرآن، ص ۹۳

۱۷۔ النحل: ۱۱۸

۱۸۔ الانعام: ۱۴۶

۱۹۔ صلاح الخالدی، عبد الفتاح، التفسیر الموضوعی بین النظریۃ والتطبیق، دار النفائس، ص: ۵۹

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ الدامغانی، اصلاح الوجوہ والنظائر، دارالقلم للملا یین،ص ۱۶۷، ۱۶۸

۲۲۔ البقرۃ:۱۸۰

۲۳۔ الانفال : ۸۱

۲۴۔ البقرۃ : ۱۰۵

۲۵۔ مروان ابوراس، دراسۃ موضوعیۃ فی سورۃ الزمر، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔اے، کلیۃ الشریعۃ، الجامعۃ الاردنیۃ، ص ۵۳

۲۶۔ دراز، محمد عبداللہ، مدخل الی القرآن الکریم، کویت: دارالقلم، ص ۱۱۹

محمد زاہد الکوثری کی علوم الحدیث میں خدمات

قاسم علی

ABSTRACT:

Muhammad zahid bin Hasan Al-Kouthari Al-Halmi (1296-1371A.H.) a prominent Hanfi scholar and jurist, was the great leader for the Muslim clerics in the Ottoman Caliphate. He was the naib of the last Sheikh-ul-Islam of the Ottoman caliphate. After the fall of caliphate he first moved to Alexenderia (Egypt) then to Syria and then again to Cairo and stayed there till his death. Abdul-Fattah bin Abu Ghudda, Abdullah Al-Ghumari and Hasam-al-Din are amoung his pupils. Al-Kauthari contributed a lot to the different fields of Islamic sciences and philosophies i.e. Fiqh, Islamic polemics (Ilmul Kalam). However he is well known in the academic circles as a scholar of Hadeeth. He wrote, compiled and brought back into circulation many classed books of Fiqh, hadith and Usool. Abu Zuhra entitled him as a reviver (Mujaddid) of the fourteenth Islamic century.

قرآنِ کریم نوعِ انسان کے لیے پیامِ آخریں ہے۔ اِس کے بعد کوئی کتاب نازل ہونے والی نہیں ہے۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے اِس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود ہی اُٹھایا ہے تاکہ انسانوں کے پاس ہر وقت رشد و ہدایت کا یہ منبع موجود رہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ"(۱)

"ہم نے ہی اِس (ذکر (قرآنِ مجید کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اِس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

قرآن مجید کے الفاظ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ الفاظِ قرآن کے معانی و مدلولات کی حفاظت بھی ضروری تھی، ورنہ اقیمو الصلوٰۃ کے الفاظ کی حفاظت کا کیا مطلب اگر نماز قائم کرنے کا طریقہ معلوم نہ ہو۔ اِسی طرح دوسرے الفاظ کا معاملہ ہے۔ آپ ﷺ کے کلام کو وحی غیر متلو قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ مَایَنطِقُ عَنِ الھَوٰی۔ اِن ھُوَ اِلّا وَحیٌ یُوحٰی"(۲)

"اور وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اُتاری جاتی ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی تبیین وتوضیح کو آپ ﷺ کے فرائض منصبی میں شامل کیا۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَ اَنزَلنَا اِلَیکَ الذِّکرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیھِم وَ لَعَلَّھُم یَتَفَکَّرُونَ"(۳)

"اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف یہ ذکر (کتاب) اتارا ہے تاکہ آپ ﷺ اِسے کھول کھول کر بیان کردیں جو اُن لوگوں کی طرف نازل کیا گیا ہے شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔"

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی حفاظت کے ساتھ ساتھ حفاظتِ حدیث کے انتظامات بھی فرمائے، جس کے لیے عربوں کا ضرب المثل حافظہ، صحابہ کرام کا حصولِ علم کا شوق اور آپ ﷺ سے بے پناہ محبت جیسے عوامل کارفرما ہیں۔ صحابہ کرام نے حفظ، کتابت اور عمل کے ذریعے احادیث کو محفوظ کیا اور تابعین تک پہنچایا۔ تابعین نے تبع تابعین تک اور یوں یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اِسی سلسلے کی ایک کڑی علامہ محمد زاہد بن حسن بن علی الکوثری الحلمی ہیں، جنھوں نے علومِ حدیث پر تصنیفات، تالیفات، شروحات، تعلیقات اور مقدمات لکھے ہیں۔ آپ نے متعدد کتبِ حدیث پر تحقیق کی ہے اور علوم الحدیث پر مقالات لکھے ہیں۔

زاہدالکوثری کا تعارف:

آپ ۱۸۷۲ئ/۱۲۹۶ھ کو ترکی کے ایک شہر دوزجہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسلی تعلق ترکی کے قبیلہ جرکسی سے ہے۔ علوم اسلامیہ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد الحاج حسن آفندی سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ دوزجہ کے علماء کرام سے ملے اور اس دور کے مروجہ علوم صرف ونحو، تاریخ، ریاضیات، تقویم البلدان، فارسی زبان اور دیگر علوم شرعیہ حاصل کیے۔ اس کے بعد آپ ترکی کے علاقہ آستانہ منتقل ہو گئے اور مدرسۃ الحدیث میں اپنی علمی پیاس بجھائی اور مزید حصول علم کے لیے جامع الفاتح کا رخ کیا۔ وہاں شیخ علامہ ابراہیم حقی، متوفی ۱۳۱۱ھ، شیخ علامہ علی زین العابدین متوفی ۱۳۱۸ھ اور دیگر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

تیس سال کی عمر میں زاہدالکوثری نے عالمیہ کی ڈگری لینے کے بعد جامع الفاتح میں درس وتدریس کا منصب سنبھالا اور ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے درس وتدریس کی مجلس علمی کے ممبر بنے اور آخر کار خلافت عثمانیہ کے نائب شیخ الاسلام منتخب ہوئے۔ کمال اتاترک کے ہاتھوں سقوط خلافت کے بعد یہ عہدہ ختم کر دیا گیا۔

دین کی ترویج وسربلندی کے لیے آپ نے ترکی کو خیر باد کہتے ہوئے اسکندریہ (مصر) کا رخ کیا۔ پھر قاہرہ اور شام کا سفر اختیار کیا لیکن وہاں سے پھر قاہرہ تشریف لے آئے اور آخری ایام تک قاہرہ میں سکونت پذیر رہے۔ علمی دنیا کا یہ روشن ستارہ ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۳ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔

آپ اس علمی گروہ کے نمائندہ ہیں جس کی پیروی تقریباً نصف سے زیادہ امت مسلمہ کرتی ہے۔ آپ نے بیسویں صدی میں حصول علم کے ساتھ ساتھ قلمی کاوشیں بھی جاری رکھیں۔ آپ نے متقدمین علماء کی وکالت بھی کی اور دوسروں کی فکر کو ہدف تنقید بھی بنایا جس کے نتیجے میں ایک علمی خزانہ تیار ہوا جس کو اہل سنت کے حنفی مسلک میں پذیرائی ملی۔

ان کے متعلق مولانا احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں:

''آپ جامع العلوم والفنون تھے۔''(۴)

آپ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تحقیق میں بھی لگے رہے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے۔ یہ تصانیف اپنی افادیت کے لحاظ سے اہم مقام رکھتی ہیں۔ آپ نے اگرچہ تھوڑا لکھا لیکن بڑا جامع لکھا۔ علامہ زاہد الکوثری اگر کسی کتاب یا مخطوطہ پر تعلیق لکھتے تو تعلیق کی قدر و قیمت کتاب و مخطوطہ سے بڑھ جاتی۔

محمد زاہد الکوثری کی علم حدیث پر تالیفات:

i۔ التحریر الوجیز فیما یبتغیہ المستجیز:

اِس تالیف میں زاہد الکوثریؒ نے اپنے شیوخ کے حالاتِ زندگی قلمبند کیے ہیں اور سلسلۂ سند پر بحث کرتے ہیں۔ حدیث کے روایت کرنے کی شرائط بیان کرتے ہیں اور اہل علم کی آراء پیش کرتے ہیں۔(۵)

ii۔ الحاوی فی سیرۃ إمام ابی جعفر الطحاوی:

اِس کتاب میں محمد زاہد الکوثری نے تیسری صدی ہجری کے عظیم محدث اِمام ابوجعفر طحاویؒ کے حالاتِ زندگی قلمبند کیے ہیں۔ آپ ایک متبحر محدث اور حنفی فقیہ تھے۔ شرح معانی ال آثار اور شرح مشکل ال آثار آپ کی اہم تصانیف ہیں۔(۶)

iii۔ تانیب الخطیب علی ماساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب:

اِس کتاب میں محمد زاہد الکوثری نے خطیب بغدادی کا رد کیا ہے جو اُنھوں نے اِمام ابو حنیفہ پر کاذب ہونے کا الزام لگایا ہے۔ آپ کی یہ کتاب علم اسماء الرجال کے موضوع پر ہے۔ اِس کتاب سے آپ کا نقدِ رجال کا منہج و اسلوب سامنے آتا ہے۔(۷)

علامہ زاہد الکوثری بیسویں صدی کے آسمانِ علم حدیث کا وہ مہر تاباں ہیں جنہوں نے اس علم کو ایک اچھوتا انداز دیا اور علم روایت اور علمِ درایت کو جمع کر کے پیش کیا۔ مولانا یوسف بنوری اُن کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"رَجل جمع بین غایة سعة العلم والاستبحار المدهش ودقة النظر والحافلة الخارقة للعادة والاستحضار المحیر، والجمع بین علوم الروایة علیٰ اختلاف فروعها وشعبها، وعلوم الدرایة علی تفنن مرا میها ومقاصدها۔"(۸)

ابوزہرہ مصری فرماتے ہیں کہ علامہ زاہد الکوثری آپ ﷺ کے فرمان "العلماءوَرثة الانبیاءُ" کے مصداق ہیں اور آپ ایسے مجدد ہیں جنہوں نے کوئی نیا مذہب ایجاد نہیں کیا بلکہ آپ اکابر کے متبع تھے، مبتدع نہ تھے۔ آپ حقیقی معنیٰ میں مجدد العصر ووحید الدھر تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اِنّه کان من المجددین بالمعنی الحقیقی لکلمة التجدید لِاَنَّ التجدید لیس هو ما تعارفه الناس الیوم من خلع للربقة ورد لعهد النبوة الاولیٰ۔ انما التجدید هو ان یعاد الی الدین رونقَه ویزال عنه ما علق به من اوهام، ویبین للناس کجوهره نقیا کاصله وانه لمن التجدید ان تحیا السنّة وتموت البدعة ویقوم بین الناس عمود الدین ذالک هو التجدید حقا وصدقا ولقد قام الامام الکوثری باحیاء السنة النبویة۔"(۹)

تالیفات:

آپ کی تالیفات درج ذیل ہیں۔

i۔ بدأوجوہ التعدی فی کامل ابن عدی ii۔ نقد کتاب الضعفاء للعقیلی

iii۔ التعقب الحثیث لما ینفیه ابن تیمیه فی الحدیث

iv۔ البحوث لو فیه فی مفردات ابن تیمیه

v۔ رفع الریبة عن تخبطات ابن قتیبة

vi۔ صفعات البرهان علی صفحات العدوان

vii۔ الاشفاق علی احکام الطلاق viii۔ احقاق الحق بابطال الباطل

ix۔ اقوم المسالک فی بحث روایة مالک عن ابی حنیفة وروایة ابی حنیفة عن مالک

x۔ النکت الطریفة فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبة علی ابی حنیفة

xi۔ الترحیب بنقد التانیب xii۔ الافصاح عن حکم الاکراه فی الطلاق والنکاح

کتب احادیث پر تعلیقات ومقدمات:

محمد زاہد الکوثری نے متعدد کتبِ احادیث پر تعلیقات لکھی ہیں۔ آپ کا تعلیقات کا اندازمحققانہ ہے۔ آپ نے مندرجہ ذیل کتبِ احادیث پر تعلیقات لکھی ہیں۔

i۔ احادیث الموطا واتفاق الرواة عن مالک واختلافهم فیها زیادة ونقصاً

ii۔ کشف اسرار الباطنیة واخبار القرامطة

iii۔ رسالة ابی داود فی وصف سُننِه iv۔ ذیول طبقات الحفاظ

v۔ العالم والمتعلم روایة ابی مقاتل عن ابی حنیفة

مقدمات:

vi۔ شروط ائمة الستة vii۔ اختلاف الموطات للدارقطنی

viii۔ کشف المفطی من فضِ المؤطا لابن عساکر

ix۔ خصائص مسند احمد لابی موسی المدینی

x۔ المصعد الاحمد لابن الجزری xi۔ زغل العلم للذهبی

xii۔ فتح الملهم فی شرح صحیح مسلم xiii۔ ترتیب مسند الامام شافعی

xiv۔ فهارس البخاری: رضوان محمد رضوان

xv۔ منیۃ الالمعی فیمافات من تخریج احادیث الهدایۃ للزیلعی حافظ حاکم بن قطلو بغا

علم حدیث پر مقالات:

1۔ کعب احبار و اسرائیلیات 2۔ حول حدیثین فی مقالین عن رمضان

3۔ کلمۃ حول الاحادیث الضعیفۃ 4۔ حول حدیث الجمل (ابطل فیه حکایۃ اِلتجاء إلی رسول اللہ و تحریرۃ له

5۔ حدیث معاذ بن جبل۔ (اهمیۃ الاجتهاد و القیاس)

6۔ حدیث لا وصیۃ لِوَارثٍ

7۔ حدیث من تشبه بقوم فهو منهم۔

8۔ احادیث الاحکام و اهم الکتب المولفۃ فیها و تناء بالاقطار فی الاضطلاع باعباء علوم السنۃ

9۔ الموطا و رواته، کشف من خلالِهِ عن الدراسات الحدیثی التی خدمت الموطاء

10۔ فتح الملهم فی شرح صحیح مسلم

11۔ حدیث رمضان 12۔ حول حدیث التجدید

13۔ اسطورۃ الاوعال 14۔ حول التحاکم الی کتب الجرح و التعدیل

15۔ کلمۃ خالد بن ولید قتل مالک بن نویرۃ 16۔ لیلۃ النصف من شعبان

حوالہ جات

۱۔ الحجر:۹

۲۔ النجم:۳۔۴

۳۔ النحل:۴۴

۴۔ احمد رضا بجنوری، مقدمہ انوار الباری، ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۲/ ۳۶۳۴

۵۔ ڈاکٹر عماد جیدل، شیخ علماء الاسلام محمد زاہد الکوثری و آراءہ الاصلاحیۃ، الجزائر

۶۔ محمد زاہد الکوثری، الحاوی، قاہرہ: مکتبہ الازہریہ للتراث، ص ۳

۷۔ محمد زاہد الکوثری، تأنیب الخطیب علی ماساقۃ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب، قاہرہ: مکتبہ الازہریۃ للتراث، ۱۹۹۵ئ، ص ۵۲

۸۔ زاہد الکوثری، مقالات الکوثری، قاہرہ: المکتبۃ التوفیقیۃ، س ن، ص ۳

۹۔ تقریظ ابوزھرہ، البحوث السنیۃ، قاہرہ: المکتبۃ الازھریۃ للتراث، س ن، ص ۲

مستدرک حاکم کی روایاتِ سیرت: تحقیقی مطالعہ

فاروق علی

ABSTRACT:

The Life of Hazrat Muhammad ﷺ is as bright light which guides the human beings by all aspects. Organized aspects of human life can be ended but the series of guidance from his life can never be ended. The life of Holy Prophet ﷺ is a good example for us which is complete guidance for our endless problems. We seek all the guidance from his life. Good morals of the Holy Prophet ﷺ are the greatest windows of light for us. Splendid site of his life has been described in mustadrik hakim. A sufficient attempt has been made to describe all the brightening aspects of the holy prophet's life. Mustadrik Hakim relates that only a guidance of his splendid sight of light. So if we can want to get guidance in any sphere of life, we must follow the holly Sunnah of Hazrat Muhammad ﷺ.

اللہ تعالیٰ نے اپنے کریم نبی ﷺ کو حسن و زیبائی کے جو بے شمار کمالات عطا فرمائے ہیں ان میں نبی کریم ﷺ کے اخلاق و کردار کے حسن کی شان ہی نرالی ہے۔عرب کے سنگدل بدوؤں کا محبت و اخوت کا پیکر بن جانا، خون کے پیاسوں کا خدام اور جان نثاروں کی صف میں شامل ہو جانا اور خاندانی تعصب کے مریضوں کا امن عالم کا پیام بر بن جانا رسول کریم ﷺ کے اخلاق و کردار کی قوت اور حسن ہی کا کرشمہ ہے۔

حضور ﷺ کے پہلے مخاطب عرب تھے۔عرب اپنے آباء واجداد سے ورثہ میں ملے ہوئے جن افکار ونظریات پر یقین رکھتے تھے ان کے متعلق ان کا تعصب اتنا شدید تھا کہ نہ کوئی طاقت ان کو ان نظریات سے منحرف کرنے میں کامیاب ہوسکی تھی اور نہ کوئی لالچ ان کے سینوں میں ان افکار ونظریات کی محبت کو کم کرسکا تھا۔لیکن تاریخ شاہد ہے کہ تاجدار عرب ﷺ نے تئیس سال سے بھی کم عرصہ میں ان پتھروں سے تراشے ہوئے لاکھوں بتوں کے ساتھ ساتھ ان کی جاہلی عصبیت کے تمام بتوں کو بھی پاش پاش کردیا تھااور دنیا نے یہ عجیب منظر بھی دیکھا کہ کل تک جولوگ لاکھوں بتوں کے سامنے سرنیاز جھکارہے تھے آج وہ یک زبان ہوکر ''قل ھو اللہ احدٌ'' کا نعرہ لگارہے ہیں۔یہ ایک ایسا انقلاب ہے کہ دنیا کا کوئی انقلاب سرعت، ہمہ گیریت اور گہرائی میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔اس انقلاب کی پشت پر نہ تو اقتدار کی قوت تھی، نہ سیم وزر کی چمک تھی اور نہ ہی حیوانی جذبات کو بھڑکا کر انسانی اعصاب کو ماؤف کرنے کا کوئی حربہ۔اس انقلاب کی پشت پر یا تو قرآن حکیم کے نورانی اور معجزانہ بیانات تھے یا تاجدارعرب کی شفاف اور پاکیزہ سیرت تھی۔حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ''کان خلقه القرآن'' (آپ کے اخلاق قرآن حکیم کے احکامات کی عملی تعبیر تھی) فرما کر ان دونوں چیزوں کو یکجا کردیا ہے۔عرب قرآن حکیم کے معجزانہ بیانات کو سنتے اور پھر قرآن کی نورانی تعلیمات کو محمد رسول اللہ کے سراپے میں جلوہ گر دیکھتے تو ان کے جاہلی تعصب کی چٹان پاش پاش ہوجاتی اور وہ ماضی کے تمام اندھیروں کو جھٹک کر صبح نو کی آغوش میں پناہ لیتے تو اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتے۔

آج بھی رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطابق اگر اسلامی معاشرہ منظم کرلیا جائے تو یہ معاشرہ حسد وعناد، بغض وکینہ، حق تلفی واذیت رسانی اور ظلم وستم جیسی تمام قباحتوں سے پاک وصاف ہوجائے گا۔ہمارے معاشرے کا ہر فرد محبت واخوت، امانت ودیانت، خلوص وایثار اور خیر خواہی کے روح پرور اور ایمان افروز جذبات زکیہ سے معطر ہوجائے گا۔

عربوں نے نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ میں عفو و درگزر، عجز و انکساری، ایفائے عہد، عدل و انصاف، نرم دلی، صلہ رحمی، غریب پروری، مہمان نوازی، جانی دشمنوں سے حسن سلوک، اپنوں اور بیگانوں پر رحمت، حق گوئی و بے باکی اور حسن معاشرت کی انسانی خوبیوں کو اوج کمال پر دیکھا تو ان کو کسی قسم کا قومی یا دینی تعصب رسول خدا کی راہوں میں آنکھیں اور قدموں میں جان نچھاور کرنے سے نہ روک سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ اخلاق و کردار کی کوئی خوبی ایسی نہ تھی جو سیرت مصطفی ﷺ میں اپنے کمال پر نہ تھی۔ اس مقالہ میں نبی کریم ﷺ کے اخلاق و کردار کی ایک جھلک، مستدرک حاکم کی روایات کی روشنی میں دکھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

رسالت مآب کی ذات اقدس خود بھی اخلاق حسنہ کا خوبصورت مرقع تھی اور آپ نے اپنی امت کو بھی زیور اخلاق سے مزین کرنے کے لئے بھرپور کوشش فرمائی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی تعلیمات میں قدم قدم پر اخلاق حسنہ کو مدنظر رکھا ہے اور جو کام اخلاق حسنہ کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے بڑے خوبصورت انداز میں اپنے امتیوں کو ان پر کاربند ہونے کی ترغیب دی ہے۔ جو کام بداخلاقی کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں آپ نے اپنے امتیوں کو ان سے بچنے کی زبردست تاکید کی ہے۔ امتیوں کے دلوں میں اخلاق حسنہ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جسے امام حاکم نے اپنی کتاب کے شروع میں نقل کیا ہے، بلکہ اپنی کتاب **المستدرک علی الصحیحین** کی ابتدا ہی اس روایت سے کی ہے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَاناً اَحْسَنُھُمْ خُلُقاً (۱)

(حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کامل ترین مومن وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہیں۔)

قرآن مجید نے آپ کے اخلاق کو اخلاق عظیم کا نام دیا ہے، خود نبی رحمت ﷺ نے اپنی بعثت کا سبب تکمیل اخلاق کو قرار دیا ہے۔ امام حاکم نقل فرماتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ صَالِحَ الْاَخْلَاقِ (۲)

(حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: مجھے اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی امت کی راہنمائی کے لئے جو کتاب نازل فرمائی اس کی عملی صورت آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ امام حاکم نے اس سلسلے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان نقل کیا ہے:

عَنْ سَعِیْدِ بْنِ هِشَامٍ اَنَّه دَخَلَ مَعَ حَکِیْمِ بْنِ اَفْلَحَ عَلٰی عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا فَسَأَلَهَا ، فَقَالَ یَا اُمَّ الْمُؤمِنِیْنَ ، اَنْبِئِیْنِیْ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَتْ: اَلَیْسَ تَقْرَئُ الْقُرْآنَ، قَالَ بَلٰی، قَالَتْ فَاِنَّ خُلُقَ نَبِیِّ اللّٰهِ ﷺ الْقُرْآنُ۔ (۳)

(سعید بن ہشام سے روایت ہے کہ وہ حکیم بن افلح کے ہمراہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور ان سے عرض کی: اے ام المومنین: ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے متعلق کچھ بتایئے! آپ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نبی کا اخلاق قرآن ہی تو ہے۔)

نبی کریم ﷺ کی ساری سیرت طیبہ اخلاق عالیہ کے واقعات سے عبارت ہے۔ آپ ﷺ کے ان اخلاق کریمانہ پر سرسری نظر ڈالنے کے لئے امام حاکم کی مروی درج ذیل احادیث ملاحظہ ہوں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ: مَا لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مُسْلِماً مِنْ لَعْنَةٍ تُذْکَرُ، وَ لَا ضَرَبَ بِیَدِہٖ شَیْئًا قَطُّ اِلَّا اَنْ یَضْرِبَ بِھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا سُئِلَ عَنْ شَیْئٍ قَطُّ فَمَنَعَہٗ اِلَّا اَنْ یُسْئَلَ مَأْثَمًا کَانَ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنْہُ وَ لَا انْتَقَمَ لِنَفْسِہٖ مِنْ شَیْئٍ قَطُّ یُؤْتٰی اِلَیْہِ اِلَّا اَنْ تُنْتَھَکَ حُرُمَاتُ اللّٰہِ فَیَکُوْنَ لِلّٰہِ یَنْتَقِمُ، وَ لَا خُیِّرَ بَیْنَ اَمْرَیْنِ قَطُّ اِلَّا اخْتَارَ اَیْسَرَھُمَا، وَ کَانَ اِذَا اَحْدَثَ الْعَھْدَ بِجِبْرِیْلَ یُدَارِسُہٗ کَانَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَةِ۔(۴)

(ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی اور نہ اپنے ہاتھ سے کبھی کسی چیز کو مارا، البتہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہاتھ کے ساتھ مارا ہے اور آپ سے جب بھی کسی نے کچھ مانگا، آپ نے اس کو منع نہیں فرمایا۔ البتہ گناہ کا مطالبہ پورا نہیں کیا۔ کیونکہ آپ گناہ سے بہت دور رہنے والے تھے اور آپ نے اپنی کسی تکلیف پر کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا البتہ اگر حرمات اللہ کی توہین کی جاتی تو آپ اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے اور آپ کو جب بھی دو چیزوں میں سے کوئی ایک چیز پسند کرنے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے اس کو پسند کیا جو آسان تر ہو اور جب جبریل آپ کے ساتھ (قرآن کریم کا) دور کرنے آتے تھے تو آپ لوگوں پر تیز ہوا سے بھی زیادہ سخاوت کرتے تھے۔)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق حسنہ نے ہر خوبی و بھلائی کو احاطہ میں لے رکھا ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی اور نہ ہی کسی چیز کو مارا ہے کہ اس چیز کو تکلیف دی جائے اور آپ ﷺ کی سخاوت اور جود وکرم کا دریا ہر وقت ہر بہتا رہتا تھا کہ جب کسی نے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے اس کو منع نہیں فرمایا بلکہ عطا ہی فرمایا ہے۔

ایک اور روایت دیکھئے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی یَقُوْلُ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُکْثِرُ الذِّکْرَ، وَیَقِلُّ اللَّغْوَ، وَ یُطِیْلُ الصَّلَاۃَ، وَ یَقْصِرُ الْخُطْبَۃَ، وَ لَا یَسْتَنْکِفُ اَنْ یَّمْشِیَ مَعَ الْعَبْدِ وَ الْاَرْمَلَۃِ حَتّٰی یَفْرُغَ لَھُمْ مِنْ حَاجَتِھِمْ۔(۵)

(حضرت عبداللہ بن ابی اوفی فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کثرت سے ذکر کیا کرتے تھے، فضول گوئی نہیں کرتے تھے، نماز لمبی پڑھاتے تھے اور خطبہ مختصر دیتے تھے۔ آپ غلاموں اور مسکینوں کی حاجت روائی کے لئے ان کے ہمراہ چلنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ غریبوں، محتاجوں اور بے کسوں کے نبی ﷺ ان کی حاجت روائی کیلئے سرگرم عمل رہا کرتے تھے اور اس پر کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے بلکہ اس پر فخر فرمایا کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اعزاز بخشا ہے کہ آپ ان حاجت مندوں کی مدد فرمانے میں مصروف رہتے ہیں۔

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَکْتُوْبٌ فِی الْاِنْجِیْلِ: لَا فَظٌّ وَلَا غَلِیْظٌ وَلَا سَخَّابٌ بِالْاَسْوَاقِ وَلَا یَجْزِی بِالسَّیِّئَۃِ مِثْلَھَا بَلْ یَعْفُو وَ یَصْفَحُ۔(۶)

(ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: انجیل میں رسول اللہ ﷺ کی صفات یوں لکھی ہوئی تھیں۔ آپ تند خو اور بدمزاج نہیں، نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں اور نہ آپ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے ہیں بلکہ معاف فرما دینے والے ہیں اور درگزر سے کام لینے والے ہیں۔)

نبی کریم ﷺ کی صفات میں سے اہم ترین صفت جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ عفو و درگزر سے کام لینے والے تھے اگر کوئی برائی کرتا تو اس کے بدلے برائی کرنے کی بجائے آپ ﷺ اسے معاف فرما دیتے اور عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔

حضور نبی رحمت ﷺ خود تو اخلاق حسنہ کے پیکر تھے ہی آپ کی یہ پوری کوشش تھی کہ آپ کی امت کا ہر فرد ایسے عظیم اخلاق کا مرقع بنے۔ اس لئے آپ ﷺ نے اپنی امت کو اخلاقی تعلیمات سے خوب نوازا۔ کتب سیرت واحادیث میں ایسی روایات کثیر تعداد میں ہیں۔ امام حاکم کی مستدرک میں سے چند احادیث پیش خدمت ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ : خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ : اِیَّاکُمْ وَ الظُّلْمَ، فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاِیَّاکُمْ وَ الْفُحْشَ وَ التَّفَحُّشَ، وَاِیَّاکَ وَ الشُّحَّ فَاِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِالشُّحِّ، اَمَرَهُمْ بِالْقَطِیْعَۃِ فَقَطَعُوْا، وَ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوْا، وَ بِالْفُجُوْرِ فَفَجَرُوْا فَقَامَ رَجُلٌ ، فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ، اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ اَنْ یَسْلَمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِکَ وَ یَدِکَ فَقَالَ ذٰلِکَ الرَّجُلُ اَوْ غَیْرُہٗ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، اَیُّ الْهِجْرَۃِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَنْ تَهْجُرَ مَا کَرِہَ رَبُّکَ، قَالَ: وَ الْهِجْرَۃُ هِجْرَتَانِ: هِجْرَۃُ الْحَاضِرِ، وَهِجْرَۃُ الْبَادِیْ، فَهِجْرَۃُ الْبَادِیْ: اَنْ یُجِیْبَ اِذَا دُعِیَ، وَ یُطِیْعَ اِذَا اُمِرَ، وَ هِجْرَۃُ الْحَاضِرِ اَعْظَمُهُمَا بَلِیَّۃً وَ اَفْضَلُهُمَا اَجْرًا۔(۷)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے روز ظلم تاریکیوں کا باعث ہوگا اور بے حیائی سے بچو، لالچ اور بخل سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں بخل اور لالچ کی وجہ سے ہلاک ہوئیں، انہیں قطع تعلقی سے بچنے کا حکم دیا گیا لیکن وہ قطع تعلقی کرتے رہے، انہیں بخل سے بچنے کا حکم دیا گیا لیکن وہ بخل کرتے رہے، انہیں گناہوں سے بچنے کا حکم دیا گیا لیکن وہ گناہ کرتے رہے۔ ایک شخص کھڑا ہوا کہنے لگا: یارسول اللہ کون سا عمل اسلام میں سب سے اچھا ہے؟ آپ ﷺ نے جوابا ارشاد فرمایا: اسلام کا سب سے اچھا عمل یہ ہے کہ مسلمانوں کو تیری زبان اور ہاتھ سے کوئی تکلیف نہ پہنچے (حضرت عبداللہ کہتے ہیں) اسی

شخص نے یا (شاید) کسی دوسرے شخص نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ سب سے اچھی ہجرت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا (سب سے بہترین ہجرت یہ ہے) کہ تم ان چیزوں کو چھوڑ دو جو تمہارے رب کو ناپسند ہیں (پھر) آپ ﷺ نے فرمایا: ہجرتیں دو ہیں: ۱۔شہری کی ہجرت، ۲۔دیہاتی کی ہجرت۔دیہاتی کی ہجرت یہ ہے کہ جب اسے بلایا جائے تو وہ آ جائے اور جو حکم دیا جائے اس پر وہ عمل کرے اور شہری کی ہجرت میں آزمائش بھی زیادہ ہے اور اس کا اجر بھی زیادہ ہے۔)

عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ فِی حِجَّۃِ الْوَدَاعِ: اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِالْمُومِنِ ؟ مَنْ اَمِنَہُ النَّاسُ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ وَ اَمْوَالِھِمْ ، وَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَ یَدِہٖ ، وَ الْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ فِی طَاعَۃِ وَ الْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ الْخَطَایَا وَ الذُّنُوْب (۸)

(حضرت فضالہ بن عبید بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: کیا میں تمہیں مومن کے بارے میں بتاؤں (کامل مومن وہ ہے) جس سے لوگوں کے جان و مال محفوظ ہوں (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے اور مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے اور مہاجر وہ ہے جو گناہوں اور برائیوں کو چھوڑ دے۔)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ الْمُوْمِنُ مَنْ اَمِنَہُ النَّاسُ وَ الْمُسْلِمُ مِنْ لِّسَانِہٖ وَ یَدِہٖ وَ الْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ السُّوْءَ وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ عَبْدٌ لَّا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ۔(۹)

(حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: (حقیقی) مومن وہ ہے جو لوگوں کے لئے ضرر رساں نہ ہو اور مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے اور مہاجر وہ ہے جو گناہوں کو چھوڑ دے اور اس ذات کی قسم

جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جس کی شرارتوں سے اس کے ہمسائے تکلیف میں ہوں۔)

گزشتہ احادیث طیبہ جو مستدرک حاکم کے حوالے سے بیان کی گئی ہیں ان میں نبی کریم ﷺ کی ایسی تعلیمات کا ذکر ہے جو مسلمانوں کو اچھے اخلاق اپنانے پر ابھارتی ہیں۔ ترغیب وترہیب کی ان احادیث طیبہ کے علاوہ مستدرک حاکم میں اور بھی ایسی احادیث طیبہ موجود ہیں جو اچھے اخلاق کی تعلیم وتربیت کے لئے ضروری ہیں۔ان میں سے چند پیش ہیں:

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ الْبَاھِلِیِّ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ اَلْحَیَاءُ وَ الْعِیُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِیْمَانِ وَ الْبَذَاءُ وَ الْبَیَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ۔(۱۰)

(حضرت ابوامامہ باہلی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا حیا اور خاموشی ایمان کی دوشاخیں ہیں، بےحیائی اور یاوہ گوئی نفاق کی دوشاخیں ہیں۔)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَ لَا اللَّعَّانِ وَ لَا الْفَاحِشِ وَ لَا الْبَذِیِٔ۔(۱۱)

(حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: مومن لعن طعن کرنے والا، فحش گو اور بےحیا نہیں ہوتا۔)

عَنِ الْمِقْدَامِ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ ھَانِی اَنَّہٗ لَمَّا وَفَدَ عَلٰی رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ یَارَسُولَ اللّٰہِ اَیُّ شَیْءٍ یُوجِبُ الْجَنَّۃَ؟ قَالَ عَلَیْکَ بِحُسْنِ الْکَلَامِ وَ بَذْلِ الطَّعَامِ (۱۲)

(حضرت ہانی بیان کرتے ہیں جب وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو دریافت کیا۔ یارسول اللہ ﷺ وہ کون سا عمل ہے جو جنت میں جانے کا باعث بنتا ہے؟ فرمایا: اچھی گفتگو اور کھانا کھلانا۔)

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے شرم وحیاء کا درس دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اقوال وافعال میں کسی ایسی چیز کا سراغ نہیں ملتا جس

سے جبین حیاء پر پسینے کے قطرے نمودار ہوں۔ نبی کریم ﷺ کی قوتِ حیاء نے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو اتنی پاکیزگی عطا کردی کہ قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو فحاشی اور بے حیائی سے دور رہنے کا ارشاد فرمایا ہے اور اچھی گفتگو کرنے کی تعلیم دی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ الْمُومِنَ یَاْلَفُ، وَلَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَّا یَاْلَفُ وَلَا یُوْلَفُ (۱۳)

(حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: مومن محبت کرنے والا ہوتا ہے اور وہ شخص اچھا نہیں ہے جو خود محبت کرتا ہو نہ اس سے کوئی محبت کرتا ہو۔)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: وَاللّٰهِ لَا یُومِنُ، وَاللّٰهِ لَا یُومِنُ، وَاللّٰهِ لَا یُومِنُ، قَالُوا وَمَا ذَاکَ یَا رَسُولِ اللّٰهِ قَالَ جَارٌ لَّا یَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ، قَالُوْا وَمَا بَوَائِقُهٗ قَالَ شَرُّهٗ (۱۴)

(حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خدا کی قسم مومن نہیں ہے، خدا کی قسم مومن نہیں ہے، خدا کی قسم مومن نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ کون؟ فرمایا: وہ شخص جس کا پڑوسی اس کے "بوائق" سے محفوظ نہ ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: (یارسول اللہ) بوائق کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا شر۔)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَیَدِهٖ وَالْمُومِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ۔ (۱۵)

(حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے اور کامل مومن وہ ہے جو لوگوں کی جان اور مال کو نقصان نہ پہنچائے۔)

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ عُمَرَ خَرَجَ اِلَی الْمَسْجِدِ یَوْمًا فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَل عِنْدَ قَبْرِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ یَبْکِی، فَقَالَ مَا یُبْکِیْکَ یَا مُعَاذُ؟ قَالَ یُبْکِیْنِیْ حَدِیْثٌ

سَمِعْتُہٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اَلْیَسِیْرُ مِنَ الرِّیَاءِ شِرْکٌ (۱۶)

(حضرت زید بن اسلم اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک دن مسجد نبوی میں آئے تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل آپ کے روضہ اقدس کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، حضرت عمر نے فرمایا اے معاذ کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سن رکھی ہے (اسے یاد کر کے) رو رہا ہوں (وہ حدیث یہ ہے) آپ نے فرمایا: ذرا سی ریاکاری بھی شرک ہے۔)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَوْ اَنَّ رَجُلَیْنِ دَخَلَا فِی الْاِسْلَامِ فَاھْتَجَرَا کَانَ اَحَدُھُمَا خَارِجًا مِنَ الْاِسْلَامِ حَتّٰی یَرْجِعَ الظَّالِمُ (۱۷)

(حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر دو آدمی داخل اسلام ہوں اور وہ آپس میں قطع تعلق کر لیں تو ان میں سے ایک اسلام سے خارج ہو گا جب تک کہ جس کی جانب سے زیادتی ہے وہ اپنی غلطی سے رجوع نہ کر لے۔)

رسالت مآب ﷺ کی اسی اخلاق حسنہ کا ثمرہ تھا کہ عرب کے بادیہ نشین اپنی تمام ہٹ دھرمیوں اور نخوتوں کے بتوں کو توڑ کر رسول رحمت ﷺ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوتے گئے اور اپنی دنیا اور آخرت کو سنوارتے گئے اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں بھی بیان فرمایا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آپ ﷺ ان مسلمانوں کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ ﷺ تند مزاج، سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ ﷺ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے، تو آپ ﷺ ان سے درگزر فرمایئے اور ان کے لئے بخشش طلب کیجئے اور ان سے ان کے کاموں میں صلاح مشورہ کیجئے۔ (۱۸) ہزاروں سلام ہوں اس رحمت اللعالمین رسول ﷺ پر جس کو رب کریم نے اپنے غلاموں کے لئے کامل اسوہ حسنہ بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حاکم، محمد بن عبداللہ نیشاپوری، **المستدرک علی الصحیحین**، بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۱

۲۔ ایضاً، رقم الحدیث ۴۲۲۱

۳۔ ایضاً، رقم الحدیث ۴۲۲۲

۴۔ ایضاً، رقم الحدیث ۴۲۲۳

۵۔ ایضاً، رقم الحدیث ۴۲۲۵

۶۔ ایضاً، رقم الحدیث ۴۲۲۴

۷۔ ایضاً، رقم الحدیث ۲۶

۸۔ ایضاً، رقم الحدیث ۲۴

۹ ایضاً، رقم الحدیث ۲۵

۱۰۔ ایضاً، رقم الحدیث ۱۷

۱۱۔ ایضاً، رقم الحدیث ۳۰

۱۲۔ ایضاً، رقم الحدیث ۶۱

۱۳۔ ایضاً، رقم الحدیث ۵۹

۱۴۔ ایضاً، رقم الحدیث ۲۱

۱۵۔ ایضاً، رقم الحدیث ۲۲

۱۶۔ ایضاً، رقم الحدیث ۹

۱۷۔ ایضاً، رقم الحدیث ۵۵

۱۸۔ آل عمران ۳:۱۵۹

پاکستان میں کتبِ دلائلِ نبوت کا تعارفی جائزہ

اسماء عزیز

ABSTRACT:

Dalail un Nabwwah is one of the important and significant chapter of Seerah of Muhammad (SAW). It means the Evidences of the Prophecy of the Hazrat Muhammad (SAW); which deals with the Prophet's immaculate behavior, character, his perfect composition, his strong distinctions & characteristics, news from previous revealed books, moajzat & news of unseen and future etc. This is a favorite subject of Seerah Biographers, so many books were written on Dalail un Nabwwah. Likewise other countries and languages, number of books were written in Pakistan and in urdu language. This research article describes the introduction and the review of those books which were written and also the urdu translation of Arabic and English books in urdu on this subject in Pakistan.

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ایسا بابرکت، ایمان افروز اور پاکیزہ موضوع ہے کہ اس کا جتنا بھی مطالعہ کیا جائے کم ہے۔ ہر مسلمان کی یہ عزیز ترین متاعِ حیات ہے۔ یہ ہماری فکری، اعتقادی اور عملی زندگی میں رہنمائی مہیا کرتی ہے۔ مردہ دلوں کو زندہ وشاداب کرتی ہے اور بنی نوع انسان کے قلوب و اذہان کو منور اور روشن کرتی ہے۔ یہ حضرتِ انسان کے صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کا ایک نہایت اہم ذریعہ ہے۔ ہر شخص جو اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان لاتا ہے وہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو کو جاننا چاہتا ہے خواہ وہ آپ ﷺ کی ذات سے متعلق ہو، اخلاق و کردار

سے، خانگی زندگی سے، معاشرتی زندگی سے یا سیاسی زندگی سے ہو۔ سیرت نبوی ﷺ کا یہ مطالعہ آپ ﷺ سے تعلق کو مضبوط کرتا ہے اور ایک مسلمان کو ایک اچھا انسان اور راسخ العقیدہ مسلمان بناتا ہے۔

سیرت نبوی ﷺ کے مطالعہ کا ایک اہم پہلو آپ ﷺ کے دلائل نبوت بھی ہیں، جس کا مطالعہ ایمان و ایقان کو مزید جلا بخشتا ہے اور آپ ﷺ کے مقام نبوت کے فہم و ادراک میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ جس سے آپ ﷺ سے محبت مزید بڑھتی ہے۔ اس سے قبل کہ کتب دلائل نبوۃ پر بات کی جائے یہ جاننا نہایت اہم ہے کہ دلائل نبوت کیا ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ہی ان کا انتخاب فرماتا ہے اور ایک خاص انداز میں ان کی تربیت فرماتا ہے اور پھر ایک مقررہ مدت گزر جانے کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے اپنا پیغام یعنی وحی الٰہی پہنچاتا ہے۔ پھر یہ حکم صادر فرماتا ہے کہ ہر نبی اور رسول انسانوں کو ایک اللہ کی عبادت کا پیغام پہنچائیں۔ ہر نبی سے اس کی قوم نے یہ پیغام پہنچانے پر دلیل کا بھی مطالبہ کیا کہ اپنی سچائی و حقانیت پر کوئی دلیل قائم کریں جو آپ کی سچائی کو ثابت کرے۔

نبوت اور دلائل نبوت کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ یہ دلائل مختلف نوعیت کے حامل رہے ہیں اور ہر نبی کی نبوت کی پہچان کا فطری و لازمی حوالہ یہی دلائل و براہین تھے۔ معجزات، دلائل نبوت کی مخصوص قسم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر نبی علیہ السلام کو معجزات بھی عطا فرمائے بعض اقوام نے انبیاء سے ایسے مطالبات بھی کئے جن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے کچھ واقعات کا ظہور فرمایا جنہیں معجزات کہا گیا۔ قرآن مجید میں دلائل نبوت و معجزات کے لئے اٰیَةٌ (نشانی)، بُرْهَانٌ (دلیل)، مُبْصِرَةٌ (آنکھیں کھول دینے والی چیز)، فُرْقَان (حق و باطل میں فرق کرنے والا) اور سُلْطٰنٌ (غلبہ) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

قرآن میں لفظ ایۃ کو خارق عادت واقعہ کے لئے کئی مقامات پر استعمال کیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ "وَقَالَ الَّذِیْنَ لاَیَعْلَمُونَ لَوْ لاَیُکَلِّمُنَا اللّٰہُ أَوْ تَأْتِیْنَا آیَۃٌ" (۱)

(اور جو لوگ بے علم ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود کلام کیوں نہیں فرماتا یا ہمارے پاس (براہِ راست) کوئی نشانی کیوں نہیں آتی)۔

۲۔ "فَذَانِکَ بُرْھَانَانِ مِن رَّبِّکَ إِلَی فِرْعَوْنَ وَمَلَائِہِ إِنَّھُمْ کَانُوا قَوْماً فَاسِقِیْنَ" (۲)

(پس یہ دونوں دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے لئے ہیں بے شک وہ بہت نافرمان لوگ ہیں۔)

۳۔ "وَآتَیْنَا ثَمُودَ النَّاقَۃَ مُبْصِرَۃً" (۳)

(اور ہم نے قومِ ثمود کو اونٹنی والی روشن نشانی دی۔)

۴۔ "وَإِذْ آتَیْنَا مُوسَی الْکِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُونَ" (۴)

(اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور حق و باطل میں فرق کرنے والا (معجزہ) عطا فرمایا تاکہ تم راہ ہدایت پاؤ۔)

۵۔ "وَفِیْ مُوسَی إِذْ أَرْسَلْنَاہُ إِلَی فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِیْنٍ" (۵)

(موسیٰ (کے واقعہ) میں بھی نشانیاں ہیں جب ہم نے انہیں فرعون کی طرف غالب دلیل دے کر بھیجا)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بطور دلیلِ نبوت انبیاء کرام علیہم السلام کو کتابیں بھی عطا کیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات، حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی۔ اس کے علاوہ بھی مختلف انبیاء کو صحیفے عطا کئے اور سب سے آخر میں حضرت محمد ﷺ جن

پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوا قرآن مجید فرقان حمید عطا کیا جو کہ آپ ﷺ کا معجزہ عظیم اور نبوت کی سب سے قوی دلیل ہے جو کہ قیامت تک قائم و دائم رہے گا۔ آپ ﷺ چونکہ انبیاء علیہم السلام کے سردار ہیں، سید الاولین والآخرین خاتم النبیین ہیں آپ ﷺ نبوت کے اعلیٰ درجات اور اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔اس لئے آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل بھی بکثرت ہیں۔

آپ ﷺ کے دلائل نبوت وہ تمام آیات، براہین، نشانیاں جو آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہیں ان میں آپ ﷺ کی سچائی وصداقت، اخلاقِ کریمانہ، کتب سماویہ میں موجود بشارتیں، پیشین گوئیاں، خصائص، معجزات اور آپ ﷺ کی دعائیں جو فوراً قبول ہوئیں وغیرہ شامل ہیں۔

سیرت نگاران ومحدثین نے آپ ﷺ کے دلائل نبوۃ ومعجزات پر خاص توجہ دی ہے اور آپ ﷺ کی اثباتِ نبوت کے حوالے سے تمام آیات اور دلائل کو اکٹھا کر کے تحریری شکل میں لے کر آئے ہیں اور انہیں کہیں زمانی، تو کہیں واقعاتی اور کہیں موضوعاتی انداز میں تحریر کیا ہے۔

ان تحریری مجموعوں کو ''اعلام النبوۃ''، ''دلائل النبوۃ''، ''خصائص النبوۃ'' اور ''معجزات النبی ﷺ'' کے نام دیئے گئے۔ان کتب میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی دلائل نبوۃ اور جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی خصائص الکبریٰ زیادہ معروف ہیں۔

سیرت طیبہ پر تصنیف وتالیف کا سلسلہ عہد اسلام کی تاریخ جتنا قدیم ہے اور یہ ایسا موضوع ہے جس کی رعنائی وزیبائی دنیا کی ہر زبان میں دیکھی اور محسوس کی جاسکتی ہے اور شاید ہی دنیا کی کوئی ایسی زبان ہو جو سیرت النبی ﷺ کے پاکیزہ ادب کی لطافتوں اور رعنائیوں سے محروم ہو۔ دیگر ممالک وزبانوں کی طرح پاکستان میں بھی دلائل نبوت پر اردو زبان میں کتب لکھی گئیں۔جن کا اجمالی ومختصر تعارفی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

پاکستان میں اس موضوع پر تین طرح سے کام ہوا ہے جن میں معروف کتب دلائل نبوت کے اردو تراجم کئے گئے، دوسرا ان پر باقاعدہ کتب تصنیف کی گئیں جو کہ مختلف مناہج و

اسالیب کے تحت ضبطِ تحریر میں آئیں، جن میں زمانی، موضوعاتی، تجزیاتی، توضیحی، مناہج اختیار کئے گئے۔ تیسرا اردو کتب سیرت میں دلائل نبوت و معجزات پر علیحدہ باب قائم کئے گئے اور مدلل انداز سے دلائل نقلیہ و عقلیہ کے ساتھ مصنفین نے ان پر بحث کی ہے۔

اس موضوع کے تحت اردو زبان اور بالخصوص پاکستان میں بہت سی عربی و انگریزی کتب کے اردو میں تراجم کئے ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی فضائل النبی ﷺ و شمائلہ کا ترجمہ مولانا خالد محمود اور مولانا محمد انس چترالی نے کیا۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی الخصائص الکبریٰ کے ترجمہ مولانا مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا جسے بعد میں تخریج کے ساتھ مولانا محمد عبدالاحد قادری نے پیش کیا۔ اس کتاب کا ایک اور ترجمہ فاضل دارالعلوم محمد یہ غوثیہ علامہ مقبول احمد قادری نے بھی کیا جو سلیس اور بامحاورہ ہے۔ اسی طرح محمد اسماعیل الجاوری نے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی دلائل النبوۃ کا ترجمہ کیا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مدارج النبوت کا ترجمہ علامہ غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی دلائل نبوت کا ترجمہ مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب نے کیا، جسے ضیاء القرآن پبلی کیشنز نے چھاپا ہے۔ مترجم نے ترجمہ کے ساتھ ساتھ تشریح طلب اور مشکل مقامات پر حواشی بھی دیے ہیں۔

''معجزات سید الکونین'' جس کے مؤلف حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس کی تخریج، تحقیق و ترجمہ مولانا مفتی محمد رضوان نے کیا جو فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان ہیں۔ یہ ترجمہ ۸۰ صفحات کے ایک مفصل مقدمہ پر مشتمل ہے جس میں مترجم نے دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے ساتھ معجزہ پر بحث کی ہے۔

''حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین'' جس کے مصنف علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں انہوں نے اس میں دلائل و معجزات نبوت کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے کہ اس کی موجودگی میں دیگر کتب دلائل کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ کتاب کئی بار طبع ہو کر عالم اسلام میں اپنی

عظمت کو منوا چکی ہے۔ پاکستان میں اس کی طباعت کا شرف مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد کو حاصل ہوا اور اس کا ترجمہ پروفیسر اعجاز جنجوعہ نے کیا اور ترجمہ کا حق ادا کیا ہے۔

سعید نورسی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ترکی کے بہت بڑے مفکر و مبلغِ اسلام ہیں ان کی کتاب "Prophet Muhammad and his Miracle" کا پاکستان میں اردو ترجمہ حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب سعید نورسی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالۂ نور میں سے ان کے انیسویں خط جو کہ نبی کریم ﷺ کے معجزات کے متعلق ہے، سے ترتیب دی گئی ہے۔

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور نبی کریم ﷺ کا علمی اور دائمی معجزہ ہے دیگر انبیاء کے معجزات ان کی نبوت کے ساتھ ختم ہو گئے۔ قرآن مجید بحیثیت دائمی معجزہ نبی کریم ﷺ کی نبوت ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جنوبی افریقہ کے مبلغ اسلام احمد دیدات نے "The Quran, the Utimate Miracle" کے نام سے سائنسی توجیہات پر مبنی تالیف کی جس میں معجزات کے سلسلے میں ریاضیاتی نقطۂ نظر سے قرآن شریف کو الہامی کتاب اور حق پر مبنی ایک محیر العقل کارنامہ قرار دیا ہے۔ اس کا ترجمہ نظام الدین خان نے کیا ہے جو کراچی سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔

ڈاکٹر رضوان بن فضل الرحمن، جن کا تعلق مدینہ منورہ سے ہے، نے ''اسراء و معراج'' کے نام سے معراج النبی ﷺ پر بڑی مدلل کتاب لکھی جس کا پاکستان میں اردو ترجمہ مولانا افتخار احمد قادری نے کیا جو کہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور انڈیا سے فارغ التحصیل ہیں۔ آپ نے ترجمہ کے شروع میں ایک نہایت جامع مقدمہ بھی پیش کیا جو شانِ امتیازِ نبوی ﷺ پر مشتمل ہے۔

اردو تراجم کے علاوہ دلائل نبوت و معجزات پر پاکستان میں علماء کرام نے مستقل کتب بھی تحریر کی ہیں جن کا مختصراً تذکرہ درج ذیل ہے۔

ڈاکٹر طاہر القادری صاحب جن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے لئے حکومت کی طرف سے یہ نوٹیفیکیشن جاری کیا گیا کہ ان کی کتب تعلیمی اداروں کی لائبریریوں میں رکھی جا سکتی ہیں انہوں نے دلائل نبوت کے موضوع پر ''خصائص مصطفی ﷺ''، ''برکات مصطفی ﷺ''، ''شمائل

مصطفیٰ ﷺ'' اور فلسفہ معراج النبی ﷺ پر جامع، علمی، محققانہ تصانیف پیش کی ہیں۔ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کا ایک منفرد انداز تحریر ہے۔موضوع کے تحت دلائل نقلیہ وعقلیہ کے ساتھ سیر حاصل بحث کرتے ہیں جو ان کتب میں نظر آتی ہے۔

علامہ محمد فیض احمد اویسی صاحب نے بھی دلائل نبوت کے مختلف پہلوؤں پر چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی صورت میں تصانیف کی ہیں، جیسے برکاتِ زلف عنبریں، یک صد (۱۰۰) خصائص مصطفیٰ ﷺ ''خوشبوئے رسول ﷺ'' ''معجزہ ناف بریدہ کی تحقیق'' ''فضلاتِ رسول ﷺ پاک ہیں''، ''تحقیق شقق القمر''، ''جامع الصفات النبی ﷺ'' اور ''رد الشمس''۔

محمد شہزاد قادری نے ''بے مثل رسول ﷺ کے بے مثل واقعات'' لکھی جس میں حضور ﷺ کے ۱۸۴ بے مثل واقعات، اعضاء نبوی ﷺ اور حلیہ مبارک قرآن و حدیث کی روشنی میں روایات کو سند کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔اسے ۲۰۱۳ء میں والضحیٰ پبلی کیشنز لاہور سے شائع کیا گیا۔

محترم عبدالقیوم حقانی ''خصائل نبی ﷺ کا دِلآویز منظر'' تالیف کی جس میں حضور اقدس ﷺ کے ستر مبارک، تواضع و انکساری، اخلاق و عادات اور حیاء سے متعلق واقعات و روایات کو جمع کیا اور ساتھ ساتھ محققانہ، سلیس اور عام فہم تشریح بھی کی ہے۔

علامہ عبدالرحیم قادری نے ''معجزاتِ رسول کریم'' کے نام سے کتاب لکھی۔اس کے کئی ایڈیشن کانپور، ہندوستان سے بھی ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۸ء شائع ہوتے رہے ہیں۔اس کتاب میں مؤلف نے قرآن سے متعلق معجزات، پیشین گوئیاں اور دیگر واقعات و روایات کو جمع کر دیا ہے۔ روایات کو بیان کرتے ہوئے مؤلف نے اپنی توضیحات بھی بیان کی ہیں۔

''معجزات خیر الانام'' جناب شبیر حسن چشتی نظامی کی ایک خوبصورت کاوش ہے اس میں مؤلف نے بڑے حسین، دلکش اور بصیرت افروز انداز میں حضور ﷺ کے معجزات کو ترتیب دیا ہے۔

حیدر آباد سے مولانا غلام نبی شاہ نے ''معجزاتِ رسول اللہ ﷺ'' کے نام سے مختصر کتاب تحریر کی ہے جس میں آپ نے سند کے ساتھ روایات کو جمع کیا ہے۔

''رسول اللہ ﷺ کے تین سو معجزات'' جسے مولانا احمد سعیدؒ نے تحریر کیا ہے۔ اسے مؤلف نے مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کے رسالہ ''الکلام المبین فی آیت رحمۃ للعالمین'' کو زیر نظر رکھ کر اس کتاب کو ترتیب دیا ہے جس کا اعتراف مؤلف نے خود کتاب کے مقدمہ میں کیا ہے۔ اس رسالہ میں کہیں کہیں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی خصائص کبریٰ اور نسیم الریاض کی شرح قاضی ریاض سے بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

ابو مسعود عبد الجبار نے ''سرورِ دو عالم ﷺ کی نبوت کے دلائل'' کے نام سے کتاب تحریر کی جس میں مؤلف نے حضرت محمد ﷺ کی لاثانی سیرت کو نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے جس کا مشاہدہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا اور اسلام لائے، ان کے اسلام لانے والے واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ مصنف نے سابقہ الہامی کتب کی بشارتیں، معجزہ قرآن، استجابات، آپ ﷺ کے وعدے جو آپ ﷺ نے ایفا کئے اور پیشین گوئیوں پر مشتمل روایات کو جمع کیا ہے۔ اور ان پر مدلل بحث کی ہے۔

علامہ مفتی محمد امین صاحب کی کتاب ''البرہان'' ۱۹۹۴ء میں لکھی گئی۔ زیر نظر کتاب ''البرہان'' بھی نبی کریم ﷺ کے دلائل نبوت و معجزات کے ایسے واقعات و روایات پر مشتمل ہے جو آپ ﷺ کی نبوت کی قطعی دلیلیں ہیں۔ جس سے فاضل مؤلف کے کتاب کے نام کی وجہ انتخاب سمجھ آتی ہے۔

کتاب ''البرہان'' نبی کریم ﷺ کے معجزات کا خزانہ ہے۔ کتاب اس قدر مدلل اور مستند ہے کہ معترضین کے اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ دلچسپ اس قدر ہے کہ ایک واقعہ پڑھنے کے بعد قاری کا فوراً دوسرا واقعہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ ہر معجزہ عام فہم انداز میں اس خوش اسلوبی سے بیان کیا گیا ہے کہ جس سے کتاب کی دلچسپی، پڑھنے والے کے لئے شروع سے آخر

تک برقرار رہتی ہے۔مصنف نے اس کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ کروا کر اس کی افادیت کا دائرہ وسیع کر دیا ہے۔اس کتاب میں مصنف نے سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی خصائص کبریٰ اور علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کی حجۃ اللہ علی العالمین کو پیش نظر رکھا ہے اور دیگر حوالہ جات تفاسیر، کتب احادیث وسیرت سے اکھٹے کئے ہیں۔

''معجزات رسول ﷺ'' کے نام سے ڈاکٹر تصدق حسین صاحب نے ایک سو تیرہ معروف معجزات، سادہ وآسان اور عام فہم زبان میں تحریر کئے ہیں۔مصنف نے کتاب کا اسلوب نہایت سادہ اور عام فہم رکھا ہے۔مصنف کے اسلوب میں سادگی اختیار کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بچے بھی اس کتاب سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔

ڈاکٹر محمد اختر نواز قادری، ایک معروف شخصیت ہیں جو کئی قومی و بین الاقوامی سیرت ایوارڈز سے نوازے گئے ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے ''رسول اللہ ﷺ کے دو ہزار معجزات'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب تصنیف کی جس میں آپ نے نبی کریم ﷺ کے دو ہزار معجزات کو جمع کر دیا ہے۔یہ اپنی نوعیت کی اردو زبان میں اس موضوع پر ایک منفرد جامع کتاب ہے۔

پروفیسر محمد اکرم مدنی نے ''معجزات مصطفی ﷺ'' کے نام کتاب لکھی ہے اس کتاب کی اساس قرآن، حدیث اور بزرگانِ دین کی تشریحات ہیں۔زیادہ حصہ صحاح ستہ، خصائص کبریٰ اور مستند کتب سیرت سے ماخوذ ہے جس کی فہرست کتاب کے آخر میں مؤلف نے پیش کر دی ہے۔

''معجزات خاتم المرسلین ﷺ'' جسے تحسین حسین اور محمد عمران نے تصنیف کیا جو ۲۰۱۳ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔جس میں مصنفین نے معجزات کی بنیادی تقسیم کے بغیر موضوع کے ساتھ سادہ عنوانات کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے معجزات کے حوالے سے انسائیکلوپیڈیا کے نام سے بھی کتب تصنیف کی گئیں ہیں جیسے سرفراز احمد راہی کی ''معجزات محمد ﷺ کا خوبصورت انسائیکلوپیڈیا''، مفتی مسعود کا ''محمد ﷺ کے معجزات کا مکمل انسائیکلوپیڈیا'' اور معروف صحافی منصور احمد بٹ کی ایک دینی کاوش ''معجزاتِ رسول ﷺ کا انسائیکلوپیڈیا'' بھی ہیں۔

خصائص بھی دلائل نبوت کی ایک قسم ہیں۔ خصائص سے مراد وہ اوصاف و کمالات اور امور و معاملات ہیں جو کسی کی ذات کے ساتھ خاص ہوں اور کسی میں نہ پائے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کے لئے انبیاء کرام کو مبعوث کیا اور ان کو بے شمار صفات اور کمالات سے متصف فرما کر دیگر انسانوں سے ممتاز کر دیا۔ یہ ان کے خصائص کہلائے اور نبی کریم ﷺ کو ان انبیاء کرام علیہم السلام کے جمیع خصائص سے بھی ممتاز بنا دیا کیونکہ مقصودِ خداوندی یہ تھا کہ آپ ﷺ کا کوئی ثانی و ہم سر نہیں۔ آپ ﷺ کے خصائص بے شمار ہیں ان تمام کا احاطہ ممکن نہیں۔

مولانا محمد ہارون معاویہ صاحب نے ''خصوصیات مصطفیٰ ﷺ'' تحریر کی جو کہ چار جلدوں پر مبنی ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو تین سو سے زائد کتب سے استفادہ کرتے ہوئے روضۂ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر تصنیف کیا اور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین کی سیرت کے عظیم گوشے سے چیدہ چیدہ سو امتیازی خصوصیات و کمالات کو جامع، مفصل اور قابل قدر انداز میں جمع کر دیا ہے۔ واقعہ معراج ایک ربّانی واقعہ اور رسول ﷺ کا ایک امتیازی اور عظیم الشان معجزہ ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے مکی دور میں ہجرت سے قبل، اعلانِ نبوت کے بارہویں سال بیداری میں مسجد الحرام سے بیت المقدس تک پھر مسجد اقصیٰ سے فضائی و خلائی کرّوں کو طے کر کے ساتوں آسمانوں تک پھر ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک پھر حجاباتِ عظمت سے گزر کر عرش معلیٰ تک پھر لا مکاں تک سفر کیا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

''سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الأَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہُ لِنُرِیَہُ مِنْ آیَاتِنَا إِنَّہُ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ''(۲)

(پاکی اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی ہے۔ ہم نے اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔)

معراج النبی ﷺ پر بے شمار کتب لکھی گئیں۔ ان میں مولانا مودودی صاحب نے ''معراج کا سفر نامہ'' کے نام سے مختصر کتابچہ تحریر کیا ہے جس کی پہلی اشاعت ۱۹۷۲ء میں ہوئی۔ اس کتابچہ میں واقعہ کی تفصیل میں ۲۸ ہم عصر راویوں کی روایات کے ذریعے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے ایک سفر نامہ کی شکل دی ہے اور اس سفر نامہ سے زیادہ دلچسپ اور نظر افروز سفر نامہ انسانی لٹریچر کی پوری تاریخ میں نہیں ملتا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے ۱۹۸۲ء میں معراج النبی ﷺ پر ایک جامع خطاب کیا جس کو دو سال بعد جمیل الرحمن نے ترتیب دیا۔ پہلی مرتبہ یہ مارچ ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر اسرار کا یہ خطاب اس سے قبل ماہانہ ''میثاق'' میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ اپنے اس خطاب میں ڈاکٹر اسرار احمد نے اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جسد اقدس کے ساتھ ہی معراج کی سعادت عطا ہوئی ہے۔

مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے ''انوار السراج فی ذکر الاسراء والمعراج'' المعروف بہ ''معراج کی باتیں'' تحریر کی جسے ادارۃ المعارف، کراچی سے شائع کیا گیا۔ اس میں مصنف نے حدیث و تفسیر اور سیرت کی کتابوں سے معراج شریف کے واقعہ کی تفصیل لکھی ہے۔ آخر میں ملحدین و منکرین کے اشکالات کا جواب دیا ہے۔

علامہ نسیم احمد صدیقی نے ''معراج سیر گاہ مصطفی ﷺ کہاں سے؟ کہاں تک'' کے عنوان سے معراج النبی ﷺ پر کتاب لکھی ہے جس میں مصنف نے موضوع پر دلائل نقلیہ و عقلیہ سے استدلال کرتے ہوئے مدلل انداز میں بحث کی ہے۔

مفتی محمد خان قادری نے ''معراج حبیب خدا'' لکھی جس کی پہلی اشاعت ۲۰۰۴ء میں لاہور سے ہوئی۔ یہ ایک قابل قدر علمی و تحقیقی کاوش ہے۔ جس میں مصنف نے قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ سے معراج النبی ﷺ کے تذکار کو محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث سے استنباط کرتے ہوئے حضور ﷺ کے سدرۃ المنتہیٰ سے آگے تشریف لے جانے اور

دیدارِ الٰہی سے مشرف ہونے کے حوالے سے علم و تحقیق کی روشنی میں دلائل جمع کئے ہیں اور خاص طور پر حدیثِ شریف پر اعتراضات کا علمی و تحقیقی جواب بھی دیا ہے۔

عبدالہادی عبدالخالق مدنی نے ''معراج رسول ﷺ'' کے عنوان سے ایک مختصر کتاب تحریر کی۔ جس میں مصنف نے مقدمہ میں واضح کیا ہے کہ معراج النبی ﷺ سے متعلق صرف صحیح و مستند روایات نیز مقبول و معتبر احادیث و آثار کو جمع کیا ہے اور اس کے لئے مصنف نے ناصر الدین البانی کی کتاب ''الاسراء والمعراج'' سے استفادہ کیا ہے۔

آپ ﷺ نے مستقبل کی پیشین گوئیاں بھی کیں جو دلائل نبوت کی ایک قسم ہیں۔ یہ آپ ﷺ کے کائنات کے بارے میں وسیع مطالعہ اور علم پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

''عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلَی غَیْبِهِ أَحَدًا ○ إِلَّا مَنِ ارْتَضَی مِن رَّسُولٍ'' (۷)

(غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔)

دلائل نبوت کی اس قسم پر بھی کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی نے ''رسول ﷺ بحیثیت مبشر'' پر ایک مختصر کتابچہ لکھا جس میں بلا تبصرہ آپ ﷺ کی چند بشارتوں کو سند کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔

محمد انور قمر شرقپوری نے ''حضور رسالت مآب ﷺ کا علم غیب'' لکھی جسے ضیاء القرآن پبلی کیشنز نے ۱۹۹۸ء میں شائع کیا۔ کتاب میں واقعات کو مکی اور مدنی زندگی کے لحاظ سے ابواب میں تقسیم کیا ہے اور آخر میں نبی کریم ﷺ کے علم غیب کے حوالے سے اعتراضات کا تذکرہ کرتے ہوئے مدلل انداز میں ان کے جوابات دیئے ہیں۔ واقعاتِ سیرت مصطفیٰ ﷺ سے ایسے نکتے ڈھونڈ لائے ہیں جن کی روشنی میں حضور ﷺ کے علم غیب سے انکار کی جرات نہیں ہوتی۔

اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے سایہ نہ ہونے پر دلائل اور ان کے اعتراضات کے جوابات میں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب تحریر کی ہے جس کا نام ''مسئلہ ظلِ نبی کریم ﷺ پر تحقیقی نظر اور دلائل نفی اثبات کا جائزہ'' ہے۔

آپ ﷺ کا لعاب مبارک بھی ایک مستقل معجزہ تھا اور اس کے حیرت انگیز اثرات کا مشاہدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دن رات کیا کرتے تھے۔ مفتی محمد سعید خان نے نبی کریم ﷺ کے لعاب مبارک کی برکات کے بیان میں کتاب ''حدیث وفا، لعاب نبی ﷺ کی برکات'' لکھی۔ اس میں آپ نے مختصراً معجزات پر بحث کی ہے اور عربی زبان میں تھوک کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کی تشریح بیان کرتے ہوئے تیئیس (۲۳) ایسے واقعات بیان کئے ہیں جن میں جناب رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک کا بیان بھی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف و تاریخ بھی ہے۔

ان کے علاوہ بھی پاکستان میں دلائل نبوت پر بے شمار کتب لکھی گئیں ہیں۔ ان کتب کے مناہج و اسالیب کا جائزہ لینا تحقیق طلب ہے۔ اس کے علاوہ ان کتب کے ماخذ پر بھی تحقیق کی جاسکتی ہے جن سے استفادہ کر کے ان اردو کتب کو ترتیب دیا گیا ہے۔ المختصر فی زمانہ حضور ﷺ کے معجزات کا مطالعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اس سے صرف ایمان و ایقان کو جلا ہی نہیں ملتی بلکہ آپ ﷺ کی عظمت و رفعت کے مختلف پہلوؤں سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ سے محبت وعشق میں نئی تازگی آتی ہے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع میں مزید پختگی پیدا ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کا میلان بڑھتا ہے اور سیرت کے مطالعہ کا شوق اجاگر ہوتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔البقرہ، ۲:۱۱۸

۲۔القصص، ۲۸:۳۲

۳۔بنی اسرائیل، ۱۷:۵۹

۴۔بقرہ، ۲:۵۳

۵۔الذٰریٰت، ۵۱:۳۸

۶۔بنی اسرائیل، ۱۷:۱

۷۔الجن، ۷۱:۲۶، ۲۷

خلفائے راشدین کے عہد میں ریاست کا داخلی استحکام

ارشاد حسین

ABSTRACT:

As the Islamic state of Madina was established formally. Ten-year-old prophecy of prophet in the Islamic state was fairly wide area. After years and age Mustafa Abu Bakkar became the first Caliphs of islam ryastky. But the Islamic world which suffered very symsybtun Abu Bakkar succeeded. Then the Faruqi, came the time of the Ottoman and the mrtzuy. Thirty years long reign of the Islamic state, which had suffered various external and internal problems, the Caliphs, the Caliphs were dealing well optimized. Research thesis under the Caliphs being reviewed internal stability. This will be an excellent addition to Islamic literature and urdu.

کسی بھی ریاست کے داخلی استحکام یا عدمِ استحکام کا دارومدار بہت سے عناصر پر ہوتا ہے، ان میں رقبہ، آبادی، حکومت، اقتدارِ اعلیٰ، حکومتی پالیسیاں، ریاست، مقننہ، عدلیہ، انتظامیہ، قانون ساز ادارے، سیاسی استحکام کے عناصر، زرعی اصلاح کے عناصر، شہری آبادی کی تنظیم و تمدن، سیاسی استحکام کے عناصر، معاشی استحکام، معاشرتی استحکام، مذہبی و تعلیمی استحکام، عسکری استحکام کے اسباب و ذرائع شامل ہیں۔ خلفاءراشدین کے عہد میں حکومت کو پیش آمدہ مسائل میں مرتدین، منکرین زکوۃ، اندرونی سازشیں، منافقین کا فتنہ و بغاوت اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔

نبی ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے قدیم رفیق اور اسلام کے سب سے پرانے جاںثار حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ ﷺ کے جانشین منتخب ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے جب اسلام کی دعوت دی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سب سے پہلے تصدیق کی اور ایمان لے آئے۔ قبول اسلام کے بعد آپؓ نبی ﷺ کے دست راست بن گئے اور راہ خدا میں جان، مال اورعزت آبرو سب نثار کردی۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ نے آپؓ کو حضور نبی کریم ﷺ کا جانشین اوراپنا خلیفہ منتخب کرلیا۔ دوسرے دن مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ربیع الاول میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔

عہد صدیقی کی ابتداء فتنہ ارتداد کی شدید بحرانی حالت میں ہوئی، جس میں بہت سے عرب خصوصاً مشرقی سواحل اور صحراؤں کے قبائل اسلام سے منحرف ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نہایت جرأت اور بہادری سے کام لیتے ہوئے مرتدین پر فوج کشی کی اور اس فتنہ عظیم کا کلیتاً استیصال فرمایا۔ خلافت صدیقیؓ کا بیشتر زمانہ فتنۂ ارتداد کی سرکوبی میں صرف ہوا۔(۱)

ان نازک حالات میں محض حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روشن ضمیری اوراستقلال نے اسلام کی ڈوبتی کشتی کو بھنور سے نکالا جبکہ حضرت عمرؓ جیسے بزرگ بھی منکرین زکوۃ پر تلوار اٹھانے کے خلاف تھے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کے استقلال نے بزور بازوان سے زکوۃ وصول کرکے انہیں اسلام پر دوبارہ قائم کیا۔

آنحضرت ﷺ نے آخری وقت ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی تھی اس لیے حضرت ابوبکرؓ ان کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ عہد رسالت مین ان کے حقوق متعین ہو چکے تھے۔ آپ نے ان کی تجدید وتوثیق فرمائی اور نئے ذمیوں کو بھی وہی حقوق عطا فرمائے۔

عہد صدیقی میں جو ممالک فتح ہوئے وہاں کی اقلیت رعایا کو وہی حقوق دیے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔اگر عہد صدیقی کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں تمام قبائل نے داخلی استحکام میں آپؓ کی اطاعت کر لی تھی۔کچھ لوگوں نے مجبوری میں اور کچھ قبائل نے خوشی سے لیکن نبی ﷺ کے وصال کے بعد جو قبائل مسلمان نہیں ہوئے تھے یا جس کے دل میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا ان کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اب ہر کسی کو آزادی ہے کوئی پوچھنے والا نہیں اور یوں مرتدین اور کذاب آپؓ کے سامنے آ گئے۔اس طرح کچھ قبائل نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا جو حضرت ابوبکرؓ کے لئے ریاستی استحکام کے لئے بہت بڑا مسئلہ تھا۔انتشار اتنا پھیلا کہ پختہ ایمان والے صحابہ بھی ڈرنے لگے کہ اب دین اسلام کا وجود ختم ہو جائیگا کیونکہ عرب میں خانہ جنگی کی کیفیت ہے اور مکمل عرب کا علاقہ تلوار اٹھائے ہوئے ہے۔یہ تھے وہ حالات جن کا مقابلہ حضرت ابوبکرؓ نے کیا اور ریاست کے داخلی استحکام کے لئے پیدا ہونے والے اندرونی و بیرونی مسائل کو کلی طور پر ختم کر دیا۔یہی وجہ ہے کہ عہد صدیقیؓ ریاست مدینہ کے داخلی استحکام میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر بن خطابؓ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو امت مسلمہ کے دوسرے خلیفہ منتخب ہوئے۔آپؓ کا نام عمر، لقب فاروق تھا۔نسبی تعلق قریش کی شاخ بنی عدی سے تھا۔قریش کے نظام میں سفارت اور فیصل مقدمات کا عہدہ آپؓ ہی کے خاندان میں تھا۔(۳)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اکابر صحابہؓ سے مشورہ کے بعد ان کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا۔(۴) وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کو عنان حکومت کا وسیع تجربہ تھا۔عہد صدیقیؓ میں محکمہ انصاف کے امیر اور مشیر اول تھے۔سالہا سال کے تجربات نے ان کے مزاج میں حکومت کی بہترین استعداد اور اعتدال پیدا کر دیا تھا۔آنحضرت ﷺ کا حکم تھا کہ میرے بعد ابوبکرؓ کی پیروی کی

جائے اور ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ کی۔(۵) اگر حضرت ابوبکرؓ کے دور کے داخلی استحکام کا جائزہ لیا جائے تو حضرت عمرؓ نے نظام عہد صدیقی کو جدید طریقوں پر استوار کیا، داخلی استحکام کے لئے پولیس کا محکمہ عمل میں لایا گیا۔ اسلامی ریاست کو نظم ونسق کے اعتبار سے صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مختلف محکمہ جات، جیسا کہ محکمہ احتساب، محکمہ مال، قضا کی حکومت سے علیحدگی، جیل خانہ جات وغیرہ ایسے اقدامات داخلی استحکام کے لئے بہت اہم تھے۔ عہد فاروقیؓ اسلامی ریاست کے داخلی استحکام کے لئے نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

عہد خلفاء راشدین میں تیسرا دور حضرت عثمانؓ کا ہے۔ آپؓ کا نام عمرو اور کنیت ابو عبداللہ اور لقب ذوالنورین ہے۔ آپؓ کا نسبی تعلق قریش کی مشہور شاخ بنوامیہ سے تھا۔ پانچویں پشت میں آپؓ کا سلسلہ نسب نبی ﷺ سے جا ملتا ہے۔ نبی ﷺ کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے نکاح آپؓ سے ہوا، اسی سبب سے آپؓ کو ذوالنورین کہتے ہیں۔(۶) حضرت عمرؓ نے اپنے جانشین کے انتخاب کے لئے پانچ ممتاز مسلمانوں، حضرت عثمان بن عفانؓ، عبدالرحمنؓ بن عوفؓ، طلحہ بن عبداللہؓ، زبیر بن عوامؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ پر مشتمل ایک مجلس قائم کی تھی۔ ان لوگوں کی نگاہ انتخاب حضرت عثمانؓ پر پڑی جو خاندان بنوامیہ میں سے تھے چنانچہ حضرت عثمانؓ امت کے اتفاق رائے سے مسند نشین خلافت ہوئے۔(۷)

جب امت میں قرآن مجید کی قراءت میں اختلاف سامنے آیا اور ریاست کے داخلی استحکام کو خطرہ درپیش ہوا تو حضرت عثمانؓ نے قرآن مجید کی ایک قراءت پر امت کو جمع کر کے اختلاف کا سدباب کر دیا۔(۸)

نظام حکومت میں آپؓ نے سادگی اور عمومیت کو ترقی دی۔ بیت المال کے معاملہ میں بہت انصاف پسند اور اپنے اخراجات کے معاملہ میں بہت محتاط اور صاف رویہ رکھتے تھے۔ حکومت کے کام کو امانت سمجھ کر انجام دیتے اور معاہدوں کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔(۹)

آپ کے عہد حکومت میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ بہت بڑھ گیا۔آپؓ کے عہد خلافت میں دو قسم کی فتوحات ہوئیں:

اول: بعض ممالک جو حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں مفتوح ہو چکے تھے اور بعد میں باغی ہو گئے آپؓ کے عہد میں دوبارہ وہ ممالک فتح ہوئے۔

دوم: نئے علاقوں میں جہاد ہوئے اور وہ مقامات اسلام کے قبضے میں آئے۔(۱۰)

خلافت عثمانیؓ کا ایک نہایت اہم کارنامہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں جن عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ شروع کیا حضرت عثمانؓ نے نہ صرف ان فتوحات کو جاری رکھا بلکہ ان میں توسیع بھی کی اور جو فتوحات نامکمل رہ گئیں تھیں انہیں مکمل کیا۔حضرت عثمانؓ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے سمندر میں لڑائی کا آغاز کیا۔(۱۱)

حضرت عثمانؓ جب خلیفہ بنے تو ریاست کے لئے کسی قسم کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔حضرت عمرؓ نے ریاست کے نظم و نسق کو اس نہج پر چلایا کہ ریاست کا کوئی شعبہ اصلاحات سے خالی نہیں تھا۔خلیفہ مقرر کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے ایک کمیٹی بنا دی تھی۔فوج پولیس عدلیہ وغیرہ سب کے سب شعبہ جات صحیح حالت میں کام کر رہے تھے۔داخلی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو حضرت عثمانؓ کو کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔

لیکن اس کے برعکس حضرت عثمانؓ کے آخری دور کو دیکھا جائے تو اس وقت بڑے بڑے مسائل سامنے آئے۔ان میں سب سے بڑا مسئلہ بغاوت کا تھا۔اصل میں حضرت عثمانؓ مسلمانوں میں قتال کو پسند نہیں کرتے تھے۔باغیوں نے اموی گورنرز کے تقرر کا بہانہ بنا کر بغاوت شروع کر دی۔یوں حضرت عثمانؓ کا آخری دور داخلی استحکام کے نکتۂ نظر سے بہت تاریک ہے کیونکہ اس دور میں باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔

شہادت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ خلیفۃ المسلمین بنے۔ آپؓ ۵۹۸ء کو مکہ میں پیدا ہوئے۔ نام علی کنیت ابوالحسن اور لقب ابوالتراب اور حیدر تھا۔ عہد خلافت ثلاثہ میں اپنے مشوروں سے نوازتے رہے۔ (۱۲)

شہادت عثمانؓ کے بعد مسند خلافت تین دن تک خالی رہی۔ اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علیؓ سے اس منصب کو قبول کرنے کی درخواست کی، پہلے تو آپ نے انکار کر دیا لیکن انصار ومہاجرین کے اصرار پر حامی بھر لی۔ آپؓ ۳۵ھ میں خلیفۃ المسلمین بنے۔

آپؓ کو سب سے پہلے قاتلین حضرت عثمانؓ کا پتہ چلا کر انھیں سزا دینا تھی۔ یہ وہ اداس فضا تھی جس میں خلافت مرتضوی کا آغاز ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ نے مقررہ وظیفوں میں کچھ اضافہ نہیں کیا اور نہ مال غنیمت سے کچھ دیا۔ آپؓ نے یہ ارادہ کیا کہ عمرؓ کا راستہ جہاں سے چھوٹ گیا ہے۔ وہاں سے پھر چلنا شروع ہوجائے (۱۳)۔ خلافت کے بعد حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ نے حضرت علیؓ سے مطالبہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا جب تک لوگ راہ راست پر نہیں آجاتے اور تمام امور منظم نہیں ہوجاتے میں اس وقت تک تمہاری رائے پر عمل نہیں کرسکتا۔ مجھ میں ایسی طاقت نہیں حالانکہ مجھے حقوق عثمانؓ اور مقام کی فکر ہے۔ اس جواب پر لوگوں میں سرگوشیاں شروع ہوگئیں۔ مروان اور دوسرے اموی شام کی جانب روانہ ہوگئے۔ حضرت علیؓ نے عربوں کو مدینہ سے واپسی کا حکم دیا۔ انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت علیؓ کے عہد خلافت کی ابتدا ہی میں فتنوں نے سر اٹھالیا۔ اس لیے ان کا کام دوسرے خلفاء سے مختلف نوعیت کا تھا۔

حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں ایک نہایت پریشان کن مسئلہ عثمانی عمال تھے۔ حضرت علیؓ کے عہد میں شام میں بنوامیہ امیر معاویہ کے زیر سیادت خلافت راشدہ کو اپنی سلطنت میں تبدیل کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ان کے لیے اس سے زیادہ بہتر موقع کیا ہوسکتا تھا۔

چنانچہ امیر معاویہؓ نے بغیر کسی تامل کے ہر ممکن طریقہ سے شام میں حضرت عثمانؓ کے قتل کا انتقام لینے کے لیے ایک عظیم الشان قوت پیدا کر لی۔(۱۴) حضرت علیؓ انتظام مملکت میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ملکی نظم ونسق کے مسئلے میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے۔حضرت علیؓ نے اس کا خاص اہتمام رکھا۔ وہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تھے تو اس کو نہایت مفید اور گراں بہا نصیحتیں کرتے تھے۔وقتاً فوقتاً عمال وحکام کے طرز عمل کی تحقیقات کرتے تھے۔امام ابو یوسف لکھتے ہیں:

اخرج فی طائفته من اصحابک حتی تمر بارض السوا فتسائلهم عن عمالهم ونتظر فی سیرتهم۔(۱۵)

حضرت علیؓ کی خلافت شدید مشکلات کا شکار رہی۔عہد صدیقیؓ، عہد فاروقیؓ اور عہد عثمانیؓ کے جو لوگ آپؓ کے حامی اور معاون تھے وہ سب بدل گئے۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑ گئی۔حضرت علیؓ کے اکثر حامی آپؓ کو شام کی سرحد پر چھوڑ کر واپس آنے لگے تو اس وقت رومی یہ آرزو کرنے لگے کہ ان کے جن مقامات پر مسلمانوں نے قبضہ کیا ہوا ہے ان سے واپس لے لیں اور اگر حضرت امیر معاویہؓ کو کچھ دے کر ان سے مصالحت خرید نہ لیتے تو وہ شام پر حملہ کا ارادہ ہی کر چکے تھے۔(۱۶)

اگر خلافت راشدہ کے عہد زریں کا مطالعہ کیا جائے تو داخلی وخارجی اعتبار سے سب سے زیادہ مسائل یا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تھے یا پھر حضرت علیؓ کے مسائل تھے۔داخلی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو حضرت علیؓ کے لئے بڑے مسائل میں حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص، بیعت عامہ کا حصول، فتنہ خوارج اور اموی گورنرز کی معزولی شامل ہیں۔حضرت علیؓ نے فتنہ خوارج کو تو کچل دیا لیکن اموی گورنرز کو ہٹانے میں بامراد نہ ہوئے۔داخلی مسائل کے وجہ سے حضرت علیؓ نے اسلامی ریاست کا دارالخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کر دیا لیکن اس کے باوجود خلافت

مرتضوی کو کامل استحکام نصیب نہ ہوسکا۔ جو ریاست اپنے اندرونی اور بیرونی مسائل پر قابو پا لیتی ہے وہ کامیاب ریاست کہلاتی ہے۔

بلاشبہ عہد خلفاء راشدین اسلام کا اک روشن باب ہے۔ داخلی اعتبار سے مجموعی طور پر لوگ خوشحال تھے۔ ریاست لوگوں کی ہر طرح کی ضروریات کا خیال رکھتی تھی۔ اسلام کا سیاسی نظام خلفاء راشدین کے عہد تک مکمل ہو گیا تھا۔ لہٰذا خلفاء راشدین کا دور امت مسلمہ کے لیے نمونہ ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور کو دیکھیں تو پھر عہد خلفاء راشدین کے سیاسی نظام کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے کہ کس طرح انہوں نے بخوبی اپنے ادوار میں اپنی اپنی ریاست کو استحکامِ خلافت سے مزین فرمایا۔ داخلی اعتبار سے استحکام پر یقین ہی تھا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر نیل کے کنارے ایک کتے کا بچہ پیاس سے مر جائے تو اس کے متعلق بھی عمرؓ سے پوچھا جائے گا۔ (۱۷)

آج ہر وہ خطہ جہاں مسلمان ہیں، بدامنی کا شکار ہے۔ عرب ممالک ہوں یا افریقی یا ایشیا کا علاقہ، مغربی طاغوتی طاقتیں مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے ہیں جس کی وجہ سے مسلم ریاستیں عدم استحکام کا شکار ہیں۔ ان ریاستوں کے استحکام کے لئے ضروری ہے کہ ریاست کے والیان سمیت سب کو عہد خلفاء راشدین کے سنہری اصولوں پر عمل کرنا چاہئے۔ خلفاء راشدین داخلی استحکام کے لئے اس قدر محنت کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ سخت گرمی میں بیت المال کے اونٹ تلاش کر رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے دیکھا تو متعجب ہوئے کہ اتنی گرمی میں یہ کون آ رہا ہے جو یوں پھر رہا ہے۔ قریب آئے تو پتہ چلا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ ہیں۔ دیکھ کر حیران رہ گئے اور اس حیرانی میں اس وقت اور اضافہ ہوتا ہے جب یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ بیت المال کے اونٹ تلاش کر رہے ہیں۔ (۱۸)

خلافت راشدہ میں انسان کے خون اور جان کی بڑی عزت تھی۔ عوام کے جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری حکومت پر تھی۔ سماجی انصاف و عدل کا حصول ہر شخص کے لئے یکساں طور پر

آسان تھا۔داخلی استحکام کے اداروں کا احتساب صاف وشفاف تھا۔حکومتی اداروں کے سربراہان کی تقرری میرٹ پر ہوتی تھی۔اقربا پروری اور سفارش کا کلچر نہیں تھا۔عوام کی فلاح و بہبود حکومت کی ذمہ داری تھی۔اسی لیے خلفاء راشدین کے دور کا مستحکم داخلی نظام آج ہمارے لیے نمونہ ہے اور آج اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ غازی، حماد انصاری، اسلام کا نظام حکومت، لاہور: مکتبہ حسن، ص ۱۰۰

۲۔ قاضی، اطہر مبارک، خلافت راشدہ اور ہندوستان، لاہور: ص ۶۸

۳۔ ندوی، معین الدین، تاریخ اسلام، لاہور: ادارہ اسلامیات، ج ا ص ۱۵۴

۴۔ ایضاً، سیر الصحابہ، لاہور: ادارہ اسلامیات، ج ا، ص ۱۱۴

۵۔ الشیبانی، علی ابن ابی الکرم، اسعد الغابہ، تہران: ج ۳، ص ۲۲

۶۔ الہیثمی، نور الدین، علی بن ابوبکر، جمع الزوائد، بیروت: دار العلمیہ، ۱۹۶۷ء، ج ۹، ص ۶۲

۷۔ نشتر، عبد الحکیم خان، تاریخ اسلام، لاہور: شیخ نیاز پبلشرز، ج ۲، ص ۱۸۵

۸۔ امیر علی، سید، روح اسلام، مترجم: محمد عادل حسین، لاہور: ادارہ ثقافت، ص ۲۲۸

۹۔ غازی، حامد انصاری، اسلام کی حکومت، ص ۱۱۵

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۱۸

۱۱۔ لکھنوی، عبد الشکور فاروقی، خلفائے راشدین، کراچی: دار الاشاعت، ص ۱۸۱

۱۲۔ اکبرآبادی، سعید احمد، عثمان ذی النورین، فیصل آباد: الفیصل اکیڈمی، ص ۱۰۲

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۴

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۲۴

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۲۵

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۲۶

۱۷۔ رحمانی، عبد الرؤف، ایام خلافت راشدہ، لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ص ۲۲

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۴

عبداللہ بن مبارکؒ کی فقہی خدمات اوران کے اثرات

ابوبکرعزیز

ABSTRACT:

Hazrat Abdullah Bin Mubark R.A. was an Imam, Faqih, Muhaddis, Sufi and Mujahid. He is one of those saints of our Ummah whose name as a vurrent of affection and deference runs through our hearts. He was probably born in the beginning of the second century Hijri. That is, he belonged to the period when about one hundred years had passed since the sad demise of the Holy Prophet PBUH. He is senior and more reverent than the compilers of the six books of Hadith known as Sihah Sittah, from sacred Imam Bukhari to Imam Ibn Majah. He lived in a period when the islamic world was glittering with prominent personalities of knowledge and science. In those days peerless personalities were present almost in every corner of the Islamic world.

عبداللہ بن مبارکؒ محدث، فقیہ، شاعر اور زہد وتقویٰ میں اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں۔ آج بھی عبداللہ بن مبارکؒ کے بغیر حدیث اور علوم فقہ نامکمل ہیں۔ عبداللہ بن مبارک کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام بخاریؒ کی الجامع الصحیح کی اکثر روایات کے مشائخ میں آپ کا نام ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے بارے میں عام تصور یہی ہے کہ وہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ جب آپ کو محدث کا لقب دیا جاتا ہے تو اس سے یہ ذہن میں آتا ہے کہ آپ صرف

محدث ہیں لیکن آپ کی شخصیت کا اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ فقہ کے میدان میں بہت بڑے فقیہ، ادب کے میدان میں بہت بڑے شاعر، زہد وتقویٰ کے میدان میں بہت بڑے زاہد نظر آتے ہیں۔

نام عبداللہ، کنیت ابوعبدالرحمٰن، والد کا نام مبارک اور دادا کا نام واضح الحنظلی ہے۔ مرو کے رہنے والے ہیں اسی وجہ سے ان کو مروزی کہتے ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۱۸ یا ۱۱۹ھ میں ہوئی یہ زمانہ ہشام بن عبدالما لک کی خلافت کا تھا۔ والد ماجد ترکی النسل اور والدہ خوارزمی تھیں، مرو جہاں ان کی ولادت ہوئی مسلمانوں کا قدیم شہر ہے۔ افسوس یہ اس وقت روس کے قبضے میں ہے۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ کے والد مبارکؒ ایک شخص کے غلام تھے۔ مبارکؒ نہایت دین دار اور محتاط شخص تھے۔ آقا ان کے سپرد جو کام کرتا اس کو وہ نہایت دیانت داری اور اطاعت شعاری کے ساتھ سرانجام دیتے تھے۔

حضرت امام عبداللہؒ کی ابتدائی تعلیم وتربیت کے متعلق بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ ابتداء عمر ہی سے طلب علم کے لیے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے لگے تھے۔ مرو خراسان کا ایک مشہور شہر ہے۔ اس کو اچھی خاصی مرکزیت حاصل تھی۔ اس لیے وہاں اہل علم کی کیا کمی ہوسکتی تھی۔ غالباً ابتدائی تعلیم وتربیت وہاں ہوئی۔ اس کے بعد اس زمانے کے اطوار کے مطابق علم حدیث کی طرف توجہ کی۔ اس کے لیے انہوں نے شام، حجاز، یمن ومصر اور کوفہ وبصرہ کے مختلف شہروں اور قصبوں کا سفر کیا اور جہاں جو جواہر ملے انہیں اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ طلب علم کے لیے عبداللہ بن مبارکؒ سے زیادہ سفر کرنے والا ان کے زمانے میں کوئی دوسرا موجود نہیں تھا۔

مارأیت رجلا اطلب العلم فی الآفاق من ابن المبارک۔ (۱)

انہوں نے دور دراز شہروں کا سفر کیا تھا مثلاً یمن، مصر، شام، کوفہ اور بصرہ وغیرہ۔

آپ نے بہت سے تابعین کو پایا، یہ وہ مبارک زمانہ تھا جس میں اسلام اور اہل اسلام کو فروغ حاصل تھا، جہاد فی سبیل اللہ کے پھریرے فضائے آسمانی میں لہرا رہے تھے، سنتیں رائج و سر بلند اور بدعات سرنگوں تھیں، آواز حق بلند کرنے والے اور عبادت میں زندگی گزارنے والے کثیر تعداد میں موجود تھے، امن وامان کا دور دورہ تھا اور جیوش محمد یہ دور دور تک پہنچ چکے تھے۔ اس وقت صالحین وعارفین میں سے ابراہیم بن ادہمؒ، داؤد طائیؒ، سفیان ثوریؒ اور فقہاء مجتہدین میں سے امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ جیسے اکابر امت موجود تھے۔

تصانیف عبداللہ بن مبارکؒ:

کتاب الزہد کے علاوہ آپ کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں۔ امام ذہبی نے لکھا ہے:

دون العلوم فی الابواب والفقه (۲)

عبداللہ بن مبارکؒ نے فقہ میں علوم کو کئی ابواب میں مدون کیا ہے۔

عبداللہ بن مبارکؒ کی کتابیں بہت سے علوم وفنون کے بارے میں ہیں۔ آپ نے فقہ، حدیث، تفسیر، زہد اور غزوات کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں۔ تاریخ بغداد میں ہے کہ امام بخاریؒ نے حدیث کی طلب کے لیے نکلنے سے پہلے ابن مبارکؒ کی کتابیں یاد کیں۔ اس وقت امام بخاریؒ کی عمر ۱۶ سال تھی۔

کتاب الاربعین حدیثاً:

ابن مبارکؒ نے اربعین کی طرز پر چالیس احادیثوں کو جمع کیا ہے۔ یہ کتاب موجود اور مطبوعہ ہے۔ عبداللہ بن مبارکؒ کی پیروی میں بعد میں آنے والے محدثین نے اس طرز پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔

کتاب الاستئذان:

طبقات کی کتابوں میں اس کتاب کا نام ملتا ہے لیکن یہ محفوظ نہیں ہے۔

کتاب البر والصلۃ:

اس کتاب کا مخطوطہ مکتبہ الظاہریہ میں نمبر 328 کے تحت محفوظ ہے اور یہ کتاب مطبوعہ بھی ہے۔

کتاب التاریخ:

مؤرخین نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔لیکن یہ مطبوعہ نہیں ہے۔

کتاب التفسیر بالقرآن:

یہ کتاب بھی معدوم ہے۔

کتاب الجہاد:

عبداللہ بن مبارکؒ وہ اولین شخص ہیں جنہوں نے جہاد کے عنوان پر کتاب لکھی اور اس میں 262 حدیثیں جمع کیں۔استاد حماد کی تحقیق کے ساتھ یہ بیروت سے شائع ہوچکی ہے۔

کتاب الدقائق فی الرقائق و کتاب الرقاء والفتاویٰ:

یہ دونوں کتابیں بھی معدوم ہیں۔

کتاب الزہد والرقائق:

ابن مبارکؒ نے زہد وتقویٰ کے متعلق یہ کتاب لکھی۔یہ کئی ابواب پر مشتمل ہے اور یہ ہندوستان سمیت عرب ممالک سے کئی بار شائع ہوچکی ہے۔

کتاب السنن والفقہ:

یہ کتاب بھی معدوم ہے۔

کتاب المسند:

اس کتاب کا مکتبہ الزہریہ میں مخطوطہ پایا گیا ہے اور یہ بیروت سے شائع بھی ہوچکی ہے۔

دیوان ابن مبارکؒ:

عبداللہ بن مبارکؒ نے شاعری بھی کی۔آپ کا دیوان چھپ چکا ہے۔

عبداللہ بن مبارکؒ کا فقہی منہج واسلوب:

عبداللہ بن مبارکؒ نہ صرف محدث تھے بلکہ بہت بڑے فقیہ بھی تھے۔آپ نے اپنے فتاویٰ کو مرتب کیا۔لیکن افسوس یہ کہ یہ فتاویٰ کتابی شکل میں محفوظ نہیں ہیں۔عبداللہ بن مبارکؒ کو علم حدیث کے ساتھ ساتھ علم فقہ حاصل کرنے کا بھی بہت شوق تھا۔دو بڑے امام فقہ میں عبداللہ بن مبارکؒ کے استاد ہیں، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ۔عمومی طور پر عبداللہ بن مبارکؒ فقہ حنفی کو ترجیح دیتے ہیں۔امام ابوحنیفہؒ سے منسوب یہ تھا کہ وہ اہل الرائے ہیں۔اور اسی طرح امام سفیان ثوریؒ اور امام مالک کے بارے میں اس وقت تصور یہ تھا کہ وہ صاحبِ حدیث ہیں۔یہ تینوں امام ابو حنیفہ، امام مالکؒ اور امام سفیان ثوریؒ آپ کے فقہی اساتذہ میں سے ہیں۔عبداللہ بن مبارکؒ کی سب سے زیادہ ترجیح یہ ہوتی تھی کہ وہ حدیث اور رائے کے درمیان تطبیق پیش کریں لیکن جب تطبیق کی کوئی صورت نہ نکلتی تو اس وقت آپ آثار صحابہ کو ترجیح دیتے۔یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے ایک شخص سے کہا:

ان ابتلیت بالقضاء فعلیک بالاثر۔۔(۳)

''اگر تجھے قضا کی ذمہ داری دی جائے تو پھر اثر کو لازم پکڑ''

اسی طرح جیسا کہ عبداللہ بن مبارکؒ فقہ میں حدیث پر عمل کرتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ آپ کے ہاں ایسے اقوال بھی ملتے ہیں جو آپ کا اجتہاد ہوتا ہے۔اس قول میں نہ تو آپ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر عمل کرتے ہیں اور نہ امام مالکؒ کے قول پر۔

آپ کے فقہی مرتبہ کو ابن حجر عسقلانی جیسے محدث کی ان الفاظ میں توثیق حاصل ہے:

ثقۃ ثبت فقیہ(۴)

کچھ محققین نے تو عبداللہ بن مبارک کو ائمہ اربعہ میں شمار کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے کہ ائمہ صرف چار، ابوسفیان ثوریؒ، مالک بن انسؒ، حماد بن زیدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ ہیں۔

عبداللہ بن مبارکؒ بطور فقیہ:

ابواسامہؒ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے زیادہ فقہ کا شوق رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ مختلف مقامات پر متعدد اساتذہ سے آپ نے علمی فیض حاصل کیا۔ ۱۴۱ھ میں عراق سے طلب علم حدیث وفقہ کے لیے نکلے، شام، مصر اور یمن پہنچے اور کثیر التعداد اساتذہ سے علم فقہ حاصل کیا، آپ نے خود فرمایا کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا ہے اور ایک ہزار سے روایت کرتا ہوں۔

درس فقہ:

خود عبداللہ بن مبارکؒ نہایت ذہین وذکی اور غیر معمولی قوت حافظہ کے مالک تھے پھر ان کے شیوخ میں ہر فن کے استاد بلکہ امام موجود تھے اس لیے وہ ان کے فیض صحبت اور اپنی صلاحیت سے جلد ہی ممتاز حیثیت کے مالک ہو گئے اور علم فقہ کے صدر نشین بنا دیے گئے۔ خلق خدا ان سے مستفید ہونے لگی۔ ان کی زندگی بالکل مجاہدانہ تھی اس لیے کہیں مستقل طور سے جم کر مجلس درس قائم نہیں کر سکے۔ ان کا علم سفینہ کا مرہون منت نہیں تھا بلکہ جو کچھ تھا وہ سینہ میں محفوظ تھا۔ اس لیے وہ جہاں کہیں اور جس حالت میں بھی رہتے ان کا علم فقہ ان کے ساتھ رہتا تھا گویا ان کی ذات خود ایک فقہی مدرسہ تھی۔ کبھی وہ کوفہ میں ہیں تو کبھی بصرہ میں، کبھی بغداد میں ہیں تو کبھی مصر اور رقہ میں غرض وہ جہاں بھی رہے لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے اور آپ سے فقہی سوالات پر بطور سند احادیث طلب کرتے۔

علم فقہ میں آپ کے شاگرد:

گو کسی خاص جگہ ان کی مسند درس قائم نہیں تھی مگر ایک خلق کثیر نے ان سے استفادہ کیا تھا اور وہ جہاں جاتے تھے ان کے ساتھ اکتساب فیض کے لیے لوگوں کا ہجوم ہو جاتا تھا۔ ان کے تلامذہ کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے۔ امام ذہبیؒ نے لکھا ہے:

حدث عنه خلق لا یحصون من اھل الاقالیم (۵)

(ممالک اسلامیہ کے اتنے لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔)

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ بعض ممتاز تلامذہ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان سے ایک خلق کثیر نے استفادہ کیا تھا۔

امام احمد بن حنبلؒ، اسحٰق بن راہویہؒ، سعید القطانؒ، ابو داؤد الطیاسیؒ، سلیمان المروزیؒ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

امام سفیان ثوریؒ اور عبداللہ بن مبارک:

امام سفیان ثوریؒ تبع تابعین میں سے ہیں۔علم حدیث اور فقہ میں آپ کا بہت بڑا مقام ہے۔عبداللہ بن مبارکؒ نے امام سفیان ثوریؒ سے فقہ کا علم حاصل کیا۔عبداللہ بن مبارکؒ خود فرماتے ہیں:

لو لا ان اللہ اعاننی بابی حنیفه و سفیان کنت بدعیا (۶)

(اگر اللہ تعالیٰ ابو حنیفہؒ اور سفیانؒ سے میری مدد نہ فرماتا تو آج میں بدعتی ہوتا۔)

ایک شخص حضرت سفیان ثوریؒ کی خدمت میں ایک مسئلہ دریافت کرنے آیا، دریافت فرمایا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا مشرق کے علاقے سے۔حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ تمہارے ہاں مشرق کے سب سے بڑے عالم موجود نہیں ہیں؟ جو یہاں آئے ہو۔اس شخص نے دریافت کیا کہ وہ کون ہیں؟ فرمایا کہ عبداللہ بن مبارکؒ۔اس نے تعجب سے دریافت کیا کہ کیا وہ تمام اہل مشرق میں بہتر اور ممتاز عالم ہیں؟ حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ وہ مشرق ہی نہیں مغرب کے تمام لوگوں سے بھی زیادہ عالم ہیں۔

عبداللہ بن مبارکؒ نے سفیان ثوریؒ کے اقوال کو بھی ذکر کیا ہے۔اس کے بعد آپؒ کے شیوخ میں امام مالک بن انسؒ کا نام آتا ہے۔امام مالک بن انسؒ نے آپ کے استاد ہونے کے باوجود آپ کے علمی مرتبہ کو تسلیم کیا ہے اور آپ کو خراسان کا فقیہ قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ایک بار امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام مالکؒ مجلس سے اٹھ گئے اور ان کو اپنے قریب بٹھایا۔ اس سے پہلے امام مالکؒ کسی کے لیے اپنی مجلس درس سے نہیں اٹھے تھے۔ جب ان کو بٹھا لیا تب درس کا سلسلہ جاری رکھا۔ قاری پڑھتا جاتا تھا جب امام مالکؒ کسی اہم مقام پر پہنچتے تو عبداللہ بن مبارکؒ سے دریافت فرماتے کہ اس بارے میں آپ لوگوں یعنی خراسان کے پاس کوئی حدیث یا اثر ہو تو پیش کیجئے، عبداللہ بن مبارک نہایت احترام سے بہت آہستہ آہستہ جواب دیتے اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھے اور مجلس سے باہر چلے گئے (غالباً یہ بات استاد کے احترام کے خلاف معلوم ہوئی کہ ان کی موجودگی میں کوئی جواب دیں) امام مالکؒ ان کے اس پاس ادب ولحاظ سے بہت متاثر ہوئے اور تلامذہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ابن مبارک خراسان کے فقیہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی تمام زندگی سفر میں گزری، کبھی تحصیل علم کے لیے، کبھی حج کے لیے، کبھی جہاد اور تجارت کے لیے، اسی طرح اسلامی ممالک میں گشت کرتے رہے، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، سفیان بن عینیہؒ، ہشام بن عروہؒ، سلیمان التیمیؒ، اسماعیل بن ابی خالدؒ، امام اعمشؒ، حماد بن سلمٰیؒ، حمید طویل، شعبہ بن حجاجؒ، خالد حذائیؒ، معمر بن کدامؒ اور دوسرے علماء تبع تابعین اور صغار تابعین رحمھم اللہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ محدثینؒ میں سے عبدالرحمان بن مہدیؒ، یحی ابن معینؒ، ابوبکرؒ و عثمانؒ پسران ابن ابی شیبہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، حسن بن عرفہؒ ان کے شاگرد ہیں اور عجیب تر بات یہ ہے کہ سفیان ثوریؒ نے بھی، جو ان کے بزرگ ترین شیوخ میں سے ہیں، عبداللہ بن مبارکؒ سے کچھ باتیں اخذ کی ہیں۔

عبداللہ بن مبارکؒ نے بہت سے مقامات پر امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا اور امام ابوحنیفہ کی رائے کی تائید کی ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ تر کھجور کو خشک کھجور کے بدلے بیچنا جائز ہے لیکن صاحبین کا قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور صاحبین اپنے قول پر حدیث

پیش کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے تر کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے بیچنے کا سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا تر کھجوریں خشک ہوجانے پر کم ہوجاتی ہیں؟ لوگوں نے کہا کم ہوجاتی ہیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس حدیث کو ضعیف ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اس میں ایک راوی زید بن ابی عیاش ہیں جو کہ ضعیف ہیں۔

اس مسئلہ کو ذکر کرنے کے بعد عبداللہ بن مبارکؒ نے یہ ارشاد فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ علم حدیث کو نہیں جانتے حالانکہ امام ابوحنیفہ علم اسناد کو بھی جانتے ہیں۔(۷)

اسی طرح عبداللہ بن مبارکؒ سے گدھوں کے گوشت کے متعلق پوچھا گیا تو عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ امام ابوحنیفہ نے اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔(۸)

عبداللہ بن مبارکؒ سے عشاء کے آخری وقت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ طلوع صبح تک عشاء کا وقت ہے۔(۹)

عبداللہ بن مبارکؒ کو جب کسی فقہی مسئلہ کے متعلق تردد ہوتا تو وہ امام ابوحنیفہ سے فتویٰ لیتے۔ عبداللہ بن مبارکؒ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کے دو درہم دوسرے شخص کے درہم کے ساتھ مل گئے پھر ان چار درہموں میں سے دو گم ہو گئے لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ جو دو درہم گم ہوئے ہیں وہ کس کے ہیں۔ عبداللہ بن مبارکؒ نے یہ مسئلہ امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا تو امام صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جو دو درہم باقی ہیں وہ ان دونوں کے درمیان تقسیم کردیئے جائیں۔(۱۰)

عبداللہ بن مبارکؒ بطور مجتہد:

عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنے زمانے میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام لیثؒ، امام اوزاعیؒ جیسے فقہاء کی شاگردی کی لیکن آپ نے بہت سے مسائل میں اجتہاد بھی کیا

اور اپنے نقطہ نظر کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ کئی مسائل میں اپنے اساتذہ کے خلاف بھی فتویٰ دے دیتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے اقوال کی درایت کو بھی چیلنج کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ آپ سے سوال کیا گیا ایک ہنڈیا میں پرندہ گر جائے اور وہ ہنڈیا میں مر جائے تو سالن کھانے کا کیا حکم ہے؟ آپ نے اپنے تلامذہ سے اس مسئلہ کے متعلق رائے پوچھی تو انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ اس صورت میں شوربہ پھینک دیا جائے گا اور گوشت کو دھو کر کھایا جائے گا۔ عبداللہ بن عباس نے یہ فرمایا کہ اگر ہنڈیا میں سالن کو ابالنے کے وقت پرندہ گر جائے تو پھر گوشت کو بھی پھینک دیا جائے گا۔ عبداللہ بن مبارک نے اپنے تلامذہ سے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ سالن کے آگ پر ہونے کی صورت میں نجاست گوشت تک سرایت کر جائے گی لیکن ویسے اگر سالن میں پرندہ گر جائے تو نجاست گوشت تک سرایت نہیں کرے گی۔ اس پر عبداللہ بن مبارکؒ نے تعجب کیا۔(۱۱)

عبداللہ بن مبارکؒ کے فقہی اقوال ائمہ کی نظر میں:

عبداللہ بن مبارکؒ نے بہت سے مسائل میں دیگر ائمہ کی اتباع کی ہے، جیسے استنجا کے بارے میں آپ کا فتویٰ ہے اور احادیث میں بھی یہ مروی ہے کہ مٹی کے ڈھیلوں سے استنجا کرنا جائز ہے جبکہ پانی موجود نہ ہو اور یہی قول صحابہ کرام کا بھی ہے اور عبداللہ بن مبارکؒ کے بعد آنے والے ائمہ میں سے امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحاقؒ کا قول ہے کہ استنجا مٹی کے ڈھیلوں کے ساتھ کرنا جائز ہے۔(۱۲)

اسی طرح امام عبداللہ بن مبارکؒ کا ایک فتویٰ کلی اور ناک میں پانی چڑھانے کے متعلق بھی ہے کہ کوئی شخص اگر وضو میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنا چھوڑ دے اور اس نے نماز پڑھ لی ہو تو وہ نماز کو لوٹائے۔ یہی قول ابن ابی لیلیٰ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا بھی ہے۔(۱۳)

عبداللہ بن مبارکؒ کے فقہی اقوال کے اثرات:

عبداللہ بن مبارکؒ کے فقہی اقوال کو بعد میں آنے والے ہر مکتبہ فکر کے لوگوں نے نہ صرف نقل کیا ہے بلکہ بطور سند کے بھی ان کے فقہی اقوال کو ترجیح دی ہے۔

ابن حجر عسقلانی جیسے شخص اپنی کتاب ''تہذیب التہذیب'' میں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارکؒ فقیہ بھی ہیں اور مستند بھی ہیں۔

ثقة ثبت فقيه (۱۴)

''یہ فقیہ بھی ہیں اور مستند ہیں۔''

حوالہ جات

۱۔ ذہبی،محمد بن احمد بن عثمان،تذکرۃ الحفاظ،بیروت:دارالکتب العلمیہ ،ج ۱،ص ۱۰۲

۲۔ ایضاً،ج ۱،ص ۲۵۳

۳۔ ابونعیم،محمد بن عبداللہ،حلیۃ الاولیائ،بیروت:دارالکتب العلمیہ ،ج ۸،ص ۱۶۶

۴۔ ابن حجر،احمد بن علی،تہذیب التہذیب،دائرہ معارف النظامیہ،۲۰۱۰ئ،ج ۱،ص ۴۷۵

۵۔ تذکرہ الحفاظ ج ۱،ص ۲۵۰

۶۔ ایضاً،ج ۱ ص ۱۰۲

۷۔ الخطیب البغدادی،تاریخ بغداد،بیروت:دارالکتب العلمیہ ،۲۰۰۵ئ،ج ۱۳،ص ۳۴۳

۸۔ القرشی،عبدالقادر،الجوائر المضیۃ ،قاہرہ:شوقی ضعیف،س ن،ج ۱،ص ۲۸۱

۹۔ ایضاًج ۱،ص ۱۲۵

۱۰۔ ایضاًج ۱،ص ۲۸۱

۱۱۔ ہیتمی ،ابن حجر،الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ النعمان،ناشر فضل الرحمن رومی،س ن،ص ۶

۱۲۔ ترمذی،ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ،سنن ترمذی،بیروت:دارالفکر،۱۴۱۴ھ،ج ۱،ص ۲۸

۱۳۔ ایضاًج ۱،ص ۳۸

۱۴۔ تہذیب التہذیب ج ۱،ص ۴۷۵

عدالتی نظام سے متعلق قواعد فقہیہ اور عصر حاضر میں تطبیق

حافظ محمد اسحاق

ABSTRACT:

This dissertation address the jurisprudence rule concernced with the constituents of judicial system and its application in modren age. This article enhances the juristics aptitude of the learner and helps juristics and facilities the memorization and regulates juristics issues. It is my best try in this reseach to comprihence jusistic rules in proof methed and endeavare to classify and list those jusistics rules which are concerned to the judicial system. I analyzed and cited examples there from the islamic judicial systems in this thesis. I have applied the jusistic rules in branches of judicial system in the narrative method like judges, claim, claimant, defendant wittness, etc.

فقہ کو شریعت اسلامی میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ فقہ کا لغوی معنیٰ سمجھ بوجھ کے ہے۔(۱) اصطلاح شریعت میں فقہ کی بہت سی تعریفات ذکر کی گئی ہیں۔ اصولیوں نے فقہ کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

العلم بالاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ المکتسب من ادلتھا التفصیلۃ(۲)

(شریعت کے ان فرعی احکامات کا علم ہے جو ادلہ تفصیلیہ سے حاصل کئے گئے ہوں۔)

امام بوحنیفہؒ نے فقہ کی اصطلاحی تعریف کچھ یوں کی ہے:

معرفۃ النفس مالھا و علیھا (۳)

(انسان اپنے نفع ونقصان اور فرائض کی معرفت جس علم کے ذریعہ حاصل کرے اسے فقہ کہتے ہیں۔)

علم فقہ کی عمومی طور پر دوقسمیں ہیں(1)احکام العبادات(2)احکام المعاملات۔

شریعت اسلامی نے فقہ کا علم بقدر ضرورت ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس علم کو خود نبی پاک ﷺ نے حاصل کرنے کی رغبت دلائی ہے۔ ہر دور میں فقہ کی ضرورت ناگزیر رہی ہے۔فقہ کی کوکھ سے دیگر کئی علوم نے جنم لیا ہے۔ان میں ایک قواعد فقہیہ کا علم بھی ہے جو فقہ اور اصول فقہ کی مباحث کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں فقہی مسائل کے استنباط کے لئے اصول وضع کئے گئے انہیں اصطلاح میں ''اصول فقہ'' کہتے ہیں۔جس دن اصول فقہ کی تدوین کا آغاز ہوا، اسی دن سے قواعد فقہیہ کا آغاز ہو گیا۔امام ابو یوسفؒ متوفی 182ھ، امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ متوفی 189ھ اور امام محمد بن ادریس شافعیؒ متوفی 204ھ کی فقہی تالیفات میں ایسے بہت سے قواعد ہیں جنہیں بعد میں ''قواعد فقہیہ'' سے تعبیر کیا گیا۔

قواعد کی لغوی واصطلاحی تعریف:

قواعد، قاعدہ کی جمع ہے۔قاعدہ کا معنی بنیاد اور اساس ہے۔قرآن مجید میں ہے:

واذیرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسماعیل (۴)

(اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے۔)

اصطلاح میں قاعدہ سے مراد:

ھی قضیة کلیة منطبقة علیٰ جمیع جزئیاتھا (۵)

(قاعدہ سے مراد وہ کلی حکم ہے جو اپنے تمام جزئیات کو شامل ہو۔)

لفظ فقہ کی تعریف پہلے گذر گئی ہے۔فقہاء کی اصطلاح میں قواعد فقہیہ کی سب سے جامع اور مانع تعریف علامہ مصطفی الزرقا کی ہے، فرماتے ہیں:

اصول فقهية كلية في نصوص موجزة دستورية تتضمن احكامات شريعية عامة في الحوادث التي تدخل تحت موضوعها (۶)

(وہ عمومی فقہی اصول ہیں جن کو مختصر الفاظ میں مرتب کیا گیا ہو اور جن میں ایسے عمومی قانون اور فقہی احکام بیان کئے گئے ہوں جو اس موضوع کے تحت آنے والے حادثات اور واقعات کے بارے ہوں۔)

قواعد فقہی سے مراد ایسے قواعد ہیں جن کا حکم اکثریتی ہے، کلی نہیں ہے، یعنی ایسے قواعد کا اکثر مقامات پر اطلاق ہوتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جگہ اطلاق ہو۔

قواعد فقہیہ کا آغاز:

قواعد فقہیہ ایک مستقل علم اور فن ہے۔ قواعد فقہیہ کی رو سے ایک مجتہد، مفتی بہت سے مسائل کا استدراک حاصل کر لیتا ہے۔ ہر علم اور ہر فن کی ایک تاریخ ہوتی ہے۔ قواعد فقہیہ کی تاریخ درج ذیل ادوار پر مشتمل ہے۔

پہلا دور:

جتنے بھی اسلامی علوم وفنون ہیں وہ عہد رسالت میں ایک مستقل فن اور علم کے طور پر جانے نہیں جاتے تھے۔ یہی حال قواعد فقہیہ کا ہے کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں قواعد فقہیہ اس طرح سے مرتب نہیں تھے جس طرح آج ہمیں ملتے ہیں۔ لیکن قواعد فقہیہ کا تصور اس زمانہ میں بھی تھا کیونکہ کچھ ایسے قواعد بھی ہیں جو انہی الفاظ کے ساتھ منقول ہیں جو احادیث کے الفاظ ہیں۔ شیخ زرقا لکھتے ہیں:

هذا و لا يعرف لكل قاعدة صائغ معين من الفقهاء الا ما كان منها حديث نبوی كقاعدة لا ضرر و لا ضرار (۷)

(یہ بات ظاہر ہے کہ ہر قاعدہ کی فقہاء کے ہاں اصل نہیں ملتی ہے، مگر وہ قواعد جو بعینہ حدیث کے الفاظ ہوں جیسے لا ضرر و لا ضرار ہے۔

اس طرح ایک اور قاعدہ کے الفاظ حدیث میں ہیں۔حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول پاک ﷺ کی بارگاہ میں ایک شخص حاضر ہوا،عرض کی میں نے اس شخص سے غلام خریدا تھا یہ کافی دن میرے پاس رہا ہے۔اب مجھے اس میں عیب نظر آ رہا ہے،تو نبی پاک ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ غلام کو واپس کیا جائے تو اس پر مدعا علیہ نے عرض کی کہ اس شخص نے اتنے دن اس غلام سے جو کام لیا ہے اس کے منافع کا کیا بنے گا؟ تو آپ نے فرمایا:

الخراج بالضمان (۸)

استفادہ کی بنیاد پر تاوان یا نقصان میں شراکت ہے۔

یعنی جو شخص کوئی نقصان کا خطرہ مول لیتا ہے تو وہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کا بھی حق رکھتا ہے۔مقصد یہ کہ اگر یہ غلام،خریدنے والے شخص کے پاس مرجاتا تو وہ نقصان تو اس خریدنے والے ہی کا تھا۔فروخت کنندہ اس میں شامل نہیں تھا۔

یہاں خراج سے مراد کسی چیز کا نفع اور فائدہ ہے۔جبکہ ضمان سے مراد نقصان کا ازالہ کرنے کا مالی معاوضہ مراد ہے۔احادیث میں دیگر کئی ایسے قواعد فقہیہ ملتے ہیں۔صحابہ کرام بھی ایسے الفاظ استعمال کرتے تھے جو بعد میں قواعد فقہیہ کا درجہ اختیار کر گئے۔جیسے حضرت عمر نے فرمایا:

من استهل فاجراً وهو يعلم انه فاجر (۹)

جس نے کسی فاجر کو اسکا فسق و فجور جاننے کے باوجود عامل بنایا تو وہ بھی فاجر ہے۔

بعد میں یہی الفاظ ایک قاعدہ فقہیہ بن گیا۔اسطرح آئمہ اربعہ کی کتب میں ایسے اقوال ہیں جو بعد میں قواعد فقہیہ بن گئے ہیں۔جیسے امام شافعی،امام ابو یوسف کی کتب میں بھی ایسے قواعد ملتے ہیں۔

قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ نے خلیفہ ہارون الرشید کے لئے کتاب الخراج لکھی تھی۔کتاب الخراج میں ایسی کئی عبارتیں ہیں جس کو بعد میں آنے والے فقہاء نے قواعد فقہیہ میں شامل کیا ہے۔

جیسے امام ابو یوسفؒ، خلیفہ ہارون الرشید کے اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ایک نہر کی منڈیر صحیح نہ ہو جس کی وجہ سے راستہ خراب ہو گیا ہو تو اب امام/خلیفہ کیا کرے؟۔ تو اس کے جواب میں امام ابو یوسفؒ نے ارشاد فرمایا:

ان کان ھذا النھر قدیما یترک علیٰ حالہ (۱۰)

اگر نہر پرانی اور قدیم ہے تو اس کو اپنی حالت پر چھوڑا جائے گا۔

بعد میں آنے والے فقہاء نے اسی عبارت سے یہ قاعدہ ماخوذ کیا۔

القدیم یترک علیٰ قدمہ۔

پرانی چیز کو اسکی اپنی حالت پر چھوڑا جائے گا۔

المختصر عہد رسالت سے لے کر تدوین فقہ کے دور تک قواعد فقہ کا علم موجود ہے۔ لیکن قواعد فقہیہ کی تدوین بعد میں ہوئی ہے۔

دوسرا دور:

جوں جوں فقہ اسلامی میں ترقی آتی ہے اسطرح قواعد فقہیہ میں بھی جدت آتی گئی۔ امام ابو یوسف کے بعد حنفی آئمہ میں امام کرخی نے اصول وضع کئے۔ لیکن قواعد فقہیہ کے اصل واضع ابو طاہر دباس ہیں۔ علامہ سیوطی اور ابن نجیم نے واقعہ نقل کیا ہے۔ امام ابو طاہر دباس نے امام ابو حنیفہ کے اجتہادات کی روشنی میں سترہ قواعد فقہیہ وضع کئے۔ وہ اپنے فقہی مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ فقہ حنفی کی بنیاد انہی سترہ قواعد پر ہے اور وہ ان قواعد کو کسی پر ظاہر بھی نہیں کرتے تھے۔ یہ بات ابوسعید ھروی شافعی کو پتہ چلی تو وہ امام ابو طاہر دباس کے پاس آئے۔ ابو طاہر دباس کا معمول تھا رات کو عشاء کی نماز کے بعد تنہائی میں ان قواعد کو دہراتے تھے اور وہ نابینا بھی تھے۔ ابوسعید ھروی عشاء کی نماز کے بعد مسجد کی صفوں میں چھپ گئے۔ حسب معمول ابو طاہر دباس قواعد کو دہرا رہے ہیں اور ادھر امام ابوسعید ہروی ان کو یاد کر رہے ہیں۔ ابھی سات قواعد ہی پڑھے تھے تو ابوسعید کو

چھینک آئی جس سے ابوطاہر کو پتہ چل گیا کہ آج کوئی مسجد میں ہے اور وہ خاموش ہو گئے۔ چنانچہ ابو سعید نے انہی سات قواعد فقہیہ پر اکتفاء کیا اور واپس آ کر شاگردوں کو تعلیم دینا شروع کر دی۔(۱۱)

محققین کا اس روایت کی صحت پر بہت اختلاف ہے جیسا کہ شیخ احمد زرقا لکھتے ہیں:

والنقل بصورة مستبعدة لا تصح تفاصيلها ولكن الظاهر ان لها اصلاً ثانيا۔(۱۲)

(اس واقعہ کی روایت ظاہراً صحیح نظر نہیں آتی مگر ظاہر ہے کہ اس واقعہ کی کوئی نہ کوئی اصل ہوگی۔)

اس طرح قواعد فقہیہ کا باقاعدہ آغاز تو ہو چکا تھا مگر اس علم کو باقاعدہ فن یا کتاب کی صورت میں مرتب کرنے والے ابوزید،عبیداللہ بن الحسین الدبوسی متوفی 340ھ ہیں،جنہوں نے باقاعدہ طور پر''تاسیس النظر''کے نام سے قواعد فقہیہ پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔یوں قواعد فقیہ کے اولین واضعین حنفی فقہاء ٹھہرے۔قواعد فقہیہ میں سے درج ذیل پانچ قواعد کو اساسی قواعد کہا جاتا ہے۔

۱۔الامور بمقاصدها

امور کے احکام،ارادوں پر مرتب ہوتے ہیں۔

۲۔الضرر يزال

نقصان کو زائل کیا جائے۔

۳۔العادة محكمة

عرف وعادت کو حکم بنایا جائے گا۔

۴۔اليقين لا يزول بالشک

یقین شک سے زائل نہیں ہوگا۔

۵۔المشقة تجلب التيسير مشقت سہولت کو لاتی ہے۔

فقہائے شوافع میں پہلے فقیہ قاضی حسین متوفیٰ 464ھ ہیں۔ جنہوں نے فقہ شافعی کو درج ذیل چار قواعد میں منحصر کیا ہے۔

۱۔الیقین لایزول بالشک

۲۔المشقۃ تجلب التیسیر

۳۔الضرر یزال

۴۔العادۃ محکمۃ

تیسرا دور:

قواعد فقہیہ کا تیسرا دور چھٹی اور ساتویں صدی کا ہے۔اس دور میں محمد بن ابراہیم جاجرمی کی کتاب ''القواعد فی فروع الشافعیۃ'' اور محمد بن راشد البکری کی کتاب ''المذہب فی ضبط قواعد المذہب'' معرض وجود میں آئی۔

مالکی مکتبہ فکر کے سرخیل علاقہ قرافی مالکی متوفی 684ھ نے ''کتاب الفرق'' کے نام سے کتاب لکھی۔اسطرح ابو عبداللہ محمد بن محمد مقری متوفی 785ھ نے ''القواعد'' کے نام سے کتاب لکھی۔

آٹھوی صدی میں قواعد فقہیہ پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں جو کہ ''الاشباہ والنظائر'' کے نام سے مشہور ہوئی ہیں۔فقہ شافعی میں علامہ مقری کے بعد تاج الدین سبکی متوفی 771ھ نے اور امام بدرالدین زرکشی متوفیٰ 794ھ دونوں نے ''الاشباہ والنظائر'' کے نام سے کتابیں لکھی جن کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

حنبلی مکتبہ فکر کے لوگوں نے بھی طبع آزمائی کی ہے۔چنانچہ علامہ ابن رجب متوفی 736ھ کا نام نمایاں ہے جنہوں نے ''تقریر القواعد وتحریر القواعد'' کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ احناف کی کتب میں سے علامہ ابن نجیم متوفی 970ھ کی کتاب ''الاشباہ والنظائر'' کو شہرت عامہ حاصل ہے۔

قواعد فقہیہ عصر حاضر میں:

عصر حاضر کے بہت سے محققین نے بھی قواعد فقہیہ پر مستقل کتب لکھی ہیں۔ان میں نمایاں نام محمد صدیق البورنو کا ہے جنہوں نے ''الوجیز فی القواعد الفقهيه'' کے علاوہ ''موسوعة القواعد الفقهيه'' کے نام سے انسائیکلوپیڈیا مرتب کیا ہے۔اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ اور شیخ زید فاؤنڈیشن نے ۱۴ جلدوں پر مشتمل قواعد فقہیہ کا انسائیکلوپیڈیا ''معلمة زايد للقواعد الفقهية والاصولية'' شائع کیا ہے جو کہ ۳۶۰۰ فقہی قواعد واصولی قواعد پر مشتمل ہے۔شیخ محمد زرقا نے بھی مستقل کتاب قواعد فقہ پر لکھی ہے۔قواعد فقہیہ پر تحقیق کے حوالہ سے ایک نیا رجحان پیدا ہوا ہے کہ فقہ کے کسی ایک باب کے بارے میں قواعد جمع کیے جائیں اور عصر حاضر کے مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔جیسے ڈاکٹر احمد علی ندوی نے مالی معاملات سے متعلق قواعد کو ''موسوعة القواعد والضوابط الفقهية الحاكمة للمعاملات المالية فی الفقه الاسلامی'' کے نام سے مرتب کیا ہے۔

نظام عدل کا تعارف:

اسلامی فقہ ایک وسیع علم ہے۔زندگی کے تمام شعبہ جات کا احاطہ کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ عبادات کے ساتھ معاملات ،امور معاشرت نکاح و طلاق ،مالی تصرفات ،وقف اور تقسیم وراثت وغیرہ کے اہم مسائل شامل ہیں اور ساتھ ساتھ اسلام کے نظام حکومت میں امیر کا تقرر ،عاملین کا بیان ،بیت المال وغیرہ بھی فقہی مباحث میں شامل ہیں ۔اسلام کے نظام حکومت میں نظام عدل کو بہت ہی اہمیت حاصل ہے۔

اس مقالہ میں لفظ ''عدالتی نظام'' سے مراد نظام قضاء ہی ہے۔نظام عدل کے لئے اسلامی فقہ میں ''قضائ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ۔قضائ، کا لغوی معنی لازم،فیصلہ کرنا ہے۔ قرآن مجید نے ارشاد فرمایا ہے:

فلما قضینا علیه الموت (۱۳)

پس جب ہم نے اس پر موت کو لازم کر دیا۔

ابن منظور لکھتے ہیں:

قضاء حکم، فراغ، اداء، گزر جانا، بنانا، تخلیق کرنا اور بیان کرنے کے معنیٰ میں ہے۔ (۱۴)

قضاء کی اصطلاحی تعریف ابن رشید لکھتے ہیں:

حقیقة القضاء الاخبار عن حکم شرعیِ علی سبیل الالزام (۱۵)

قضاء سے مراد حکم شرعی کو لازم کرنے کے طور پر کسی کو حکم شرعی بتانا ہے۔

قرآن مجید نے لوگوں میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ فرمایا:

وان حکمت فاحکم بینهم بالقسط ان الله یحب المقسطین (۱۶)

اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر لوگوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنے پر زور دیا ہے، اگر ہم نظام عدل کو احادیث نبویہ کی روشنی میں دیکھیں تو رسول پاک نے ارشاد فرمایا:

لا حسد الا فی اثنتین رجل آتاه الله مالا فسلطه علی هلکته فی الحق ورجل آتاه الحکمة فهو یقضی بها و یعلمها الناس (۱۷)

(رسول پاک ﷺ نے فرمایا سوائے دو اشخاص کے کسی پر حسد کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال عطاء کیا ہے اور وہ مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت ودانائی عطاء کی ہے اور وہ اس کے ذریعے سے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اسکی تعلیم دیتا ہے۔)

نظام عدل کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے خود حضرت معاذ بن جبل، حضرت علی کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ عہد خلفاء راشدین میں نظام قضاۃ کو

حکومت سے بالکل الگ کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے ہر علاقہ میں قاضی مقرر کئے جو کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے تھے۔ نظام عدل جس طرح کسی حکومت کے لئے ضروری ہے۔ اسی طرح معاشرہ کی بھی ضرورت ہے کیونکہ معاشرتی اونچ نیچ اور ظلم و ناانصافی کو نظام عدل کے ذریعہ ختم کیا جا سکتا ہے۔ قضاء بھی ایک باقاعدہ علم ہے اس پر بھی الگ کتب تالیف کی گئی ہیں۔ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے امام ابو یوسف اسلامی تاریخ کے پہلے قاضی القضاۃ ہیں جنہوں نے اس فن کو عملی جامہ پہنا کر ایک کتاب لکھی۔ فرماتے ہیں:

ادب القاضی علی مذهب ابی حنيفة الامام ابی یوسف یعقوب بن ابراهیم القاضی المجتهد و هو اول من صنف فیه املاء (۱۸)

''ادب القاضی علی مذہب ابی حنیفہ'' کو امام ابو یوسف نے املاء کرایا ہے اور وہ تاریخ اسلام میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس فن کو عملی جامہ پہنایا ہے۔

اس طرح امام محمد بن حسن الشیبانی نے بھی اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کے متعدد حوالے ''ادب القاضی للخصاف'' میں ملتے ہیں۔ نظام قضاء کے علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاتا ہے کہ حاجی خلیفہ نے صرف حنفی مکتبہ فکر کے 19 لوگوں کے نام ذکر کئے ہیں، جنہوں نے اس عنوان پر مستقل کتب لکھی ہیں۔

اس مقالہ میں لفظ عدالتی نظام سے مراد درج ذیل ارکان ہیں:

(۱) قاضی (۲) مدعی (۳) مدعا علیہ (۴) دعوی

(۵) محکوم بہ (۶) حکم

ارکان، رکن کی جمع ہے رکن سے مُراد ہے

هُوَ مَا كَانَ دَاخِلاً فِي مَاهِيةِ الشَى (۱۹)

رکن سے مراد جو کسی شے کی ماہیت اور وجود میں داخل ہو۔

قاضی سے متعلقہ قواعد فقہیہ :

قاضی یا جج وہ ہوگا جسے سربراہ حکومت یا خلیفہ مختلف دعویٰ جات، خصومات وغیرہ کے فیصلہ جات کے لیے مقرر کرے (۲۰) فقہاء نے قاضی کے تقرر کے لیے مختلف شرائط بیان کی ہیں اور اس بات پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ قاضی کا تقرر حاکم وقت کے فرائض میں سے ہے۔

ایک اچھے قاضی پر لازم ہے کہ وہ سب کے سب قواعد فقہیہ جانتا ہو یعنی قاضی اور جج کے لئے قواعد فقہیہ کا علم لازمی ہے، لہٰذا ذیل میں چند قواعد ذکر کیے جاتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱: **مُرَاجِعَةالحَقِّ خَیرمِن التمادی فی الباطل**

قاضی کے لیے حق بات کی طرف رجوع کرنا جھوٹ کی طرف جانے سے بہتر ہے۔

یہ فقہی قاعدہ اصل میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وضع کردہ ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا تو اس کے الفاظ یہ تھے:

فان الحق قدیم لا یبطله شیء ومراجعة الحق خیر''من التمادی فی الباطل۔ (۲۱)

قاضی کے لیے حق بات کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے اور اگر قاضی نے حق کے خلاف فیصلہ دے دیا تو اسکا یہ فیصلہ کالعدم تصور کیا جائے گا مثلاً کسی قاضی نے شراب کی حلت کا فیصلہ دے دیا تو چونکہ شراب کی حرمت قرآن مجید میں ہے اور قاضی نے حق سے اعراض کیا ہے لہٰذا قاضی کا یہ فیصلہ کالعدم ہوگا۔

قاعدہ نمبر ۲: **الاصل فی القضاء الرد الی الکتاب والسنة والاجماع**

قضاء میں اصل بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث اور اجماع کی روشنی میں فیصلہ کرے۔

یہ فقہی قاعدہ نبی پاک ﷺ کی اس حدیث سے ماخوذ ہے جو آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر روانہ کرتے ہوئے ہدایات دیں:

قاعدہ نمبر ۳: یندب للقاضی العالم بالحکم مشورۃ اهل العلم و ان کان جاهلاً تجب المشورۃ (۲۲)

قاضی کے لیے حکم معلوم کرنے کے لئے اہل علم سے مشورہ کرنا مستحب ہے اور اگر قاضی اس معاملے میں بالکل واقف نہ ہو تو مشورہ کرنا واجب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قاضی اہل علم لوگوں سے مشورہ کرے جاہل لوگوں سے مشورہ لینا فضول ہے۔(۲۳)

قاعدہ نمبر ۴: لامساغ للاجتهاد فی مورد النص

جس مسئلہ کے متعلق نص موجود ہو وہاں اجتہاد کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔

چونکہ شریعت میں قاضی کے لیے اجتہاد کر کے فیصلہ کرنا جائز ہے لیکن جس مسئلہ کے بارے میں نص آجائے وہاں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مثلاً اگر بیٹی وراثت میں اپنے بھائی کے برابر حصہ طلب کرے تو اس مسئلہ میں قاضی اجتہاد نہیں کر سکتا کیونکہ اس مسئلہ میں نص موجود ہے۔ **یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (۲۴)**

اللہ تمہیں اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے کہ بھائی کا حصہ دو بہنوں کے برابر ہے۔

قاعدہ نمبر ۵: الواجب علی الکفایۃ واجب علی الکل ویسقط بفعل من یکفی (۲۵)

فرض کفایہ سب لوگوں پر فرض ہوتا ہے اور کسی ایک کے کرنے سے سب سے ساقط ہو جاتا ہے۔

شریعت اسلامی میں خلیفہ وقت پر قاضی کا مقرر کرنا فرض ہے۔ اہل لوگوں میں سے قاضی بننا فرض کفایہ ہے اگر اہل لوگوں میں سے کسی نے یہ منصب قضاء قبول کر لیا تو سب سے یہ فرض کفایہ ساقط ہو جائے گا ورنہ سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ لہٰذا اہل لوگوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ منصب قضاۃ کو قبول کریں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی پاک ﷺ اور خلفائے راشدین نے قضاۃ کا تقرر خود کیا اور اہل علم لوگوں نے منصب قضاۃ کو قبول بھی کیا ہے۔

قاعدہ نمبر ٦: طالب الولایۃ لا یولی

منصب قضاء کے طلب گار کو قاضی نہیں بنایا جائے گا۔

منصب قضاء اسلام میں طلب کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ اگر اہل علم شخص کو یہ منصب دے دیا جائے تو قبول کرنا اس پر لازم ہے۔ عصرِ حاضر کے فقہاء اور محققین کے اس مسئلہ کے بارے میں مختلف نظریات ہیں۔ لیکن احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں منصب طلب کرنا جائز نہیں۔

قاعدہ نمبر ۷: التہمۃ تقدح فی التصرفات اجماعا

تہمت کا تصرفات میں بالاجماع اثر ہوتا ہے۔

قاضی کے لیے شریعت اسلامی میں کئی امور پر پابندی کرنا لازم ہے۔ جیسے تحفہ قبول کرنا قاضی کے لیے منع ہے کیونکہ اس میں جانبداری کی تہمت لگ سکتی ہے۔ لہٰذا قاضی کے لیے تہمت سے بچنا لازم ہے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قضاۃ کے لیے ہر قسم کے تحفے قبول کرنے پر پابندی لگا دی تھی۔ (۲٦)

قاعدہ نمبر ۸: لا ضمان علی القاضی اذا اخطأ مالم یکن متعمداً

غلط فیصلہ کرنے پر قاضی پر کسی قسم کا تاوان نہیں ہے بشرطیکہ جان بوجھ کر نہ کیا ہو۔

قاضی اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے اور اجتہاد میں غلطی کا بھی امکان ہے۔ لہذا اگر کوئی قاضی غلط فیصلہ کر دے اور اس فیصلہ کی وجہ سے فریقین میں سے کسی کا نقصان ہو جائے تو اس نقصان کا ازالہ کرنے کے لئے قاضی پر کسی قسم کا تاوان لازم نہیں ہے بشرطیکہ وہ جان بوجھ کر غلط فیصلہ نہ کرے۔ مثلاً جیسے قاضی نے کسی مال کے تلف کرنے کا فیصلہ دیا تلف ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ قاضی نے اس میں غلطی کی ہے تو اس نقصان کا ازالہ بیت المال سے کیا جائے گا قاضی پہ پورا کرنا لازم نہیں ہے۔ (۲۷)

مدعی کے متعلق قواعد فقہیہ:

مدعی سے مراد وہ شخص ہے جو کسی حق یا خصومۃ کا دعویٰ کرے، جیسا کہ فیومی لکھتا ہے:

المدعی من ادعی الحق علی غیرہ اذا طلبہ لنفسہ (۲۸)

مدعی وہ ہے جس نے کسی دوسرے شخص پر کسی حق کا دعویٰ کیا ہو جبکہ وہ اس حق کو اپنے لئے ثابت کرتا ہو۔

مدعی کے بغیر دعویٰ دائر ہو سکتا ہی نہیں۔ مدعی چاہے منفرد ہو یا مختلف لوگ ہوں اس طرح کبھی دعویٰ خود سرکار یا حکومت کی طرف سے بھی ہوتا ہے۔ مدعی کے متعلق درج ذیل قواعد ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱: **المدعی من لا یجبر علی الخصومۃ**

مدعی وہ ہے جسے خصومۃ پر مجبور نہ کیا جا سکے۔

اس طرح اسی قاعدہ کو درج ذیل عبارت کے ساتھ بھی بیان کیا گیا ہے۔

ان المدعی من اذا ترک ترک (۲۹)

مدعی جب دعویٰ چھوڑ دے تو وہ دعویٰ ختم ہو جائے گا۔

نظام عدل میں دعویٰ مدعی کا حق ہے۔ چونکہ دعویٰ اس کا حق ہے۔ لیکن اگر کوئی مدعی اپنا دعویٰ ترک کر دے تو مدعی کو خصومۃ پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ خصم سے دعویٰ کی صحت کا نہیں پوچھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سعید بن مسیب نے کہا ہے:

ایما رجل عرف المدعی من المدعیٰ علیہ لم یلتبس علیہ ما یحکم بینھما (۳۰)

جس شخص کو مدعی اور مدعیٰ علیہ کا فرق معلوم ہو جائے تو اس پر ان دونوں کے درمیان ہونے والا فیصلہ پوشیدہ نہیں ہوگا۔

چونکہ ماقبل بیان ہوا ہے کہ فقہی قواعد اکثری ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ درج بالا قاعدہ سے فوجداری مقدمات مستثنیٰ ہیں۔ جیسے کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص نے میرا مال چوری کیا

ہے لیکن پھر وہ اپنا دعویٰ واپس لینا چاہتا ہو تو اس صورت میں اس کا دعویٰ واپس نہیں کیا جائے گا اور مقدمہ کی چھان بین کر کے یا تو حد جاری کی جائے گی یا قذف کی صورت میں تعزیر جاری ہو گی۔
مثال: اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر قرض کا دعویٰ کرے پھر وہ اپنا دعویٰ واپس لے لے تو مدعی کو خصومة (حق دعوی) پہ مجبور نہیں کیا جائے گا۔

قاعدہ نمبر 2۔ لا یحکم الا بطلب من المدعی

اس وقت تک فیصلہ نہیں کیا جائے گا جب تک مدعی صراحتاً اپنا حق طلب نہ کرے۔

اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ مدعی کا دعوی صراحتاً اپنے حق کی طلبی پر دلالت کرتا ہو۔ اس قاعدہ کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی ہے کہ قاضی اس وقت تک فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک کوئی اپنا حق طلب نہ کرے درج بالا قاعدہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک قابل عمل ہے۔ کیونکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ صرف دعویٰ یا حق، جج کے سامنے پیش کرنا لازمی ہے مطالبہ ضروری نہیں ہے۔(۳۱) مثلاً اگر کوئی عورت قاضی کے سامنے آ کر شوہر کے متعلق نفقہ نہ دینے کی شکایت کرتی ہے تو شوافع کے نزدیک یہاں نفقہ کا مطالبہ ضروری ہے۔ صرف دعویٰ کرنا ضروری نہیں ہے۔ جب کہ احناف کے نزدیک بیوی نے جب مقدمہ پیش کر دیا ہے تو مطالبہ بھی اس میں شامل ہے۔

مدعیٰ علیہ سے متعلق قواعد فقہیہ:

مدعی علیہ سے مراد وہ شخص ہے جس کے خلاف دعوی کیا جائے یا جس سے حق کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

مدعی علیہ سے متعلق قاعدہ نمبر ۱: المدعی علیہ من یجبر علی الخصومة (۳۲)

مدعی علیہ کو قاضی خصومت (میں فریق بننے) پر مجبور کرے گا۔

دعوی کرنا مدعی کا حق ہے۔ اس وجہ سے مدعی کو خصومة پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر مدعی کو اپنے دعوی سے رجوع کا بھی حق حاصل ہے۔ لیکن مدعی علیہ کا معاملہ اس کے برعکس

ہے۔ چونکہ تہمت یا دعوی بذمہ مدعی علیہ ہے۔لہٰذا مدعی علیہ کو دعوی کے قبول یا عدم قبول میں سے ایک کو اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ جواب دعوی، مدعی علیہ کی طرف سے ہوتا ہے۔لھذا مدعی علیہ یا تو دعوی کو قبول کرنے کا اعتراف کرے گا یا اس کو جھٹلائے گا۔ مثلاً کسی شخص نے دوسرے شخص پر قرض کا دعوی کیا۔اب مقروض، مدعی علیہ ہے۔لھذا مدعی علیہ کو خصومۃ (جواب دعوی) پر مجبور کیا جائے گا۔اگر وہ نہیں آئے گا تو اس کو گرفتار کیا جائے گا۔

قاعدہ نمبر ۲:الاصل براۃالذمۃ(۳۳)

اصل یہ ہے کہ ذمہ داری سے براءت ہے۔

تخلیق کے اعتبار سے انسان کی اصل یہ ہے کہ وہ کسی چیز کے وجوب یا لازم ہونے سے بری پیدا کیا گیا ہے۔یعنی ہر شخص تمام ذمہ داریوں سے بری پیدا کیا گیا ہے۔مختصراً تفصیل یہ ہے کہ مدعی پر لازم ہے کہ وہ اپنے دعوی کو ثابت کرے اور وہ گواہ پیش کرے۔اگر گواہ پیش نہ کر سکے تو پھر مدعی علیہ کا قول معتبر ہوگا۔کیونکہ ہر شخص پیدائش کے وقت تمام ذمہ داریوں سے بری کیا گیا ہے۔
مثال: اگر کسی شخص نے لقطہ (گری ہوئی چیز) کو منادی یا پہچان کرانے کی نیت سے اٹھائی مگر اس چیز کا مالک کہتا ہے کہ اس نے یہ چیز چوری کی ہے اور مالک کے پاس گواہ بھی نہیں ہیں۔ چونکہ ملتقط (اٹھانے والے) کو براءت ذمہ کی تائید حاصل ہے۔لہٰذا ملتقط کا قول معتبر ہوگا۔(۳۴)

قاعدہ نمبر ۳: القضاءیقتصر علی المقضی علیہ ولا یتعدی الی غیرہ(۳۵)

مقدمہ کا فیصلہ محکوم علیہ (جس پر فیصلہ کیا گیا ہے) پر بند ہوگا۔اس فیصلہ کا اطلاق کسی دوسرے دعوی پر نہیں ہوگا۔فقہی قاعدہ کی عبارت بالکل واضح ہے۔یعنی جس مقدمہ کے بارے میں فیصلہ ہوا ہے۔اس فیصلہ کا اطلاق صرف اسی مقدمہ پر ہی ہوگا کسی دوسرے مقدمہ یا جھگڑا کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔مثلاً قاضی نے کسی شوہر پر مخصوص بیوی کے لئے معین نان ونفقہ کا فیصلہ کیا ہو مثلا دو ہزار روپے ماہانہ خرچہ کا فیصلہ کرے۔اس فیصلہ کی بنیاد پر اسی شوہر کی دوسری بیوی

نے بھی وہی نان ونفقہ کا دعوی کرے کہ مجھے بھی دو ہزار روپے ماہانہ خرچ ملنا چاہئے۔تو اس صورت میں قاضی پہلے فیصلہ کا اطلاق اس پر نہیں کریگا۔ بلکہ نئے سرے سے مقدمہ کی سماعت کرے گا۔ ہو سکتا ہے اس کی ضروریات پہلی بیوی سے زیادہ ہوں یا کم ہوں۔

مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان مشترک قواعد فقہیہ:

قاعدہ نمبر ۱: البینۃ علی المدعی و الیمین علی من انکر

مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہیں۔اگر گواہ نہ ہوں اور مدعی علیہ حق دعوی کا انکار کرے تو مدعی علیہ پر قسم ہے۔

درج بالا قاعدہ کے واضع خود رسول پاک ﷺ ہیں، پھر تمام فقہاء کا بھی اتفاق ہے کہ گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے۔اور اگر گواہ نہ ہوں تو پھر مدعی علیہ پر انکار کی صورت میں قسم لازم ہے۔(۳۶) مثال: اگر کوئی شخص دوسرے پر ہزار دینار کا دعوی کرے اور مدعی علیہ اس کا انکار کرے تو چونکہ مدعی پر دعوی کا اثبات لازم ہے لہذا مدعی گواہ پیش کرے گا۔اگر گواہ نہیں ہیں تو پھر مدعی علیہ پر قسم دینا لازم ہے۔قسم دینے کی صورت میں مدعی کا دعوی خارج ہو جائے گا۔

قاعدہ نمبر ۲: من استعجل الشیء قبل او انہ عوقب بحرمانہ

جو وقت سے پہلے کسی شے کے حصول میں جلدی کرے تو اسے اس شے سے محروم کرنے کی سزا دی جائے گی۔

اس قاعدہ کا تعلق سد الذرائع کے باب سے ہے۔اس قاعدہ کی رو سے مدعی اور مدعی علیہ دونوں میں سے کسی نے اگر شے کے حصول میں جلدی کی تو جلدی کرنے والے کو محروم کیا جائے گا۔مثال: جو شخص جلدی میراث پانے کی خاطر مورث کو قتل کر دے تو قاتل کو میراث سے محروم کر دیا جائے گا۔(۳۷)

محکوم بہ سے متعلق قواعد فقہیہ:

محکوم بہ سے مراد وہ چیز یا حق جس کا مدعی نے دعوی کیا ہے۔فریقین کے درمیان اصل فساد کی جڑ محکوم بہ ہی ہے۔درج ذیل مشہور قواعد اس کے متعلق ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱: ان یکون المدعی بہ معلوما

جس چیز کا دعوی کیا گیا ہے وہ واضح اور معلوم ہو۔

مثال: اگر کوئی قرض کا دعوی کرے مگر قرض کی مقدار ذکر نہ کرے تو اس صورت میں مدعی کا دعوی نہیں سنا جائے گا (۳۸)

قاعدہ نمبر ۲: ان یکون المدعی بہ محتمل الثبوت عقلا وعادۃ

جس چیز کا دعوی کیا گیا ہے اس کو عقلا اور عرفا بھی ثابت کیا جا سکتا ہو۔یعنی ایسی چیز نہ ہو جس کا ثبوت محال ہو۔عقل اور عرف اس چیز کی صحت کو تسلیم کریں۔مثال: کوئی شخص اپنے فن یا مہارت کی بنیاد پر چیزیں بنا تا ہو۔اب کوئی شخص آ کر ان چیزوں سے اپنا حصہ مانگے تو یہ دعوی نہیں سنا جائے گا۔کیونکہ اس بات کو نہ تو عقل تسلیم کرتی ہے اور نہ ہی عرف میں یہ طریقہ مروج ہے۔(۳۹)

قاعدہ نمبر ۳: ان یکون المدعی بہ فی ذاتہ مصلحۃ مشروعۃ

جس چیز کا دعوی کیا گیا ہے اس میں مصلحت بھی ہو۔

با مقصد دعوی ہو اور مصلحت کا اعتبار شرع کرے گی۔جیسے کسی نے شراب پر اپنا حق دعوی کر دیا ہو تو اس میں کوئی مصلحت نہیں ہے۔

قاعدہ نمبر ۳: التابع تابع

کسی چیز کا وجود میں تابع ہونا اس کے حکم میں تابع ہونے کو مستلزم ہے۔

مثال: دو آدمیوں کے درمیان بکری کا جھگڑا ہے اور بکری حاملہ یعنی اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔لہذا جنین (پیٹ والا بچہ) بکری کے تابع ہے، جس کے حق میں بکری کا فیصلہ ہوگا۔اس بچہ کا بھی وہی حقدار ہوگا۔(۴۰)

حکم (فیصلہ) سے متعلق قواعد فقہیہ:

معاملات کے جھگڑوں میں اصل مقصد تو فیصلہ ہی ہوتا ہے۔ جو قاضی فریقین کے درمیان جھگڑا ختم کرنے کے لیے سناتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱: **حکم الحاکم لا یحیل لامر عما ھو علیه**

قاضی کا فیصلہ کسی امر کو حلال نہیں کرسکتا جو حکم پہلے تھا وہی رہے گا۔

مقصد یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ کسی حرام چیز کو نہ تو حلال کرسکتا ہے اور نہ ہی حلال کو حرام کر سکتا ہے۔ کیونکہ قاضی گواہوں کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہے۔ جھوٹی گواہی ہونے کی صورت میں قاضی کا فیصلہ ظاہری صورت میں تو بالکل درست ہوتا ہے مگر حقیقت میں غلط ہے۔

مثال: ایک شخص نے عورت کو نکاح کی دعوت دی مگر اس نے انکار کر دیا۔ پس اس شخص نے دو گواہ بنا کر نکاح ہونے کا دعویٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان رشتہ ازدواج ہونے کا فیصلہ سنا دیا۔ اس عورت نے حضرت علی سے کہا، خدا کی قسم اس نے مجھ سے کوئی نکاح نہیں کیا۔ اب ہمارا نکاح تو کروا دو تاکہ میں اس کے لئے حلال ہو جاؤں تو حضرت علیؓ نے فرمایا:

شاھداک لزوجک (۴۱)

دو گواہ تیرے لئے زوج کو ثابت کرتے ہیں۔

لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ فیصلہ حکم کی حلت و حرمت کو تبدیل نہیں کرسکتا۔

قاعدہ نمبر ۲: **الصلح جائز بین المسلمین الا صلحاً حرّم حلالاً او احل حراماً**

لوگوں کے نجی معاملات میں صلح جائز ہے مگر وہ صلح ناجائز ہے جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے۔

قاضی کا مقصد فریقین کے درمیان فیصلہ کرنا ہے۔لوگ ذاتی معاملات میں اگر صلح کرنا چاہیں تو قاضی صلح کروا سکتا ہے۔جیسا کہ قرض دار مقروض کا قرضہ کو معاف کر دے۔لہٰذا ان معاملات میں قاضی کا صلح کرانا بہتر ہے مگر جو حدود اللہ ہیں ان میں قاضی کو صلح کرانے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔مدعی اور مدعی علیہ دونوں راضی بھی ہو جائیں تو پھر بھی قاضی فیصلہ کرے گا۔مثلاً مدعی اور مدعی علیہ دونوں سرقہ (چوری) کے جھگڑا پر صلح کے لئے تیار بھی ہو جائیں تو پھر بھی قاضی کو فیصلہ سنانا پڑے گا۔کیونکہ حد سرقہ فوجداری معاملات میں سے ہے۔سرقہ کی وجہ سے جو نقص امن پیدا ہوا ہے اس پر حد جاری ہوگی۔

قاعدہ نمبر ۲: حکم الحاکم فی المجتہدات یرفع الخلاف (۴۲)

اجتہادی مسائل میں قاضی کا فیصلہ اختلاف ختم کر دیتا ہے۔

اس قاعدے کا مطلب یہ ہے اگر قاضی نے کسی مسئلہ کے بارے میں اجتہاد سے فیصلہ کیا ہو اور اس کے بارے میں نص بھی موجود نہیں تھی۔فیصلہ کے بعد اگر یہی مسئلہ کسی اور قاضی کے پاس چلا جائے تو دوسرا قاضی پہلے قاضی کے فیصلے کا احترام کرے۔کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ تھا اور اس کا مقصد اختلاف کو ختم کرنا تھا۔اب اگر دوبارہ دوسرا قاضی نیا اجتہاد کر کے فیصلہ دے گا تو پھر اس سے مزید اختلاف پیدا ہوگا۔

حاصل کلام:

فقہ اسلامی میں فقہی قواعد کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔اسلامی محققین میں سے اکثر حضرات نے فقہی قواعد پر طبع آزمائی کی ہے۔

عدالتی نظام کے متعلقہ قواعد فقہیہ کے مطالعہ سے قضاء کے لائق قاضی میں ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے ذریعے سے وہ کسی بھی فیصلہ کی غرض وغایت کو پرکھ لیتا ہے۔

اسلام کا نظام عدل خالصتاً شرعی معاملہ ہے۔ہر جگہ اور ہر وقت اسکی اہمیت مسلم ہے۔

قواعد فقہیہ کے ذریعے سے اصولی مسائل سے فروع کے استنباط کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔

اسلامی قانون میں فقہی قواعد کا علم قاضی اور مجتہد کے لئے ضروری ہے۔

تمام قواعد فقہیہ کو اردو زبان میں منتقل کرنا وقت کی ضرورت ہے۔ اور اسکی اہمیت کو پاکستان میں اجاگر کرنا ضروری ہے کیونکہ فقہی قواعد پر پاکستان میں اس طرح کا تحقیقی کام نہیں ہو رہا ہے جس طرح عرب ممالک میں جاری ہے۔

عدالتی نظام میں قواعد فقہیہ کے ذریعے مسائل کا استنباط کیا جا سکتا ہے۔ لھذا وضع قانون میں بطور مضمون قواعد فقہیہ کو شامل کرنا چاہے۔

عدالتی نظام میں سے متعلق منتشر اور متفرق فقہی قواعد کو مرتب کر کے ایک مربوط کتابی صورت میں پیش کرنا بھی ضروری ہے۔

قواعد فقہیہ کو پاکستان کے عدالتی نظام میں منطبق کرنے اور موجودہ عدالتی نظام میں قواعد فقہیہ کے خلاف بنائے گئے قوانین کا جائزہ لینا چاہیے۔

عصر حاضر کے جدید عدالتی فیصلہ جات کو قواعد فقہیہ کے تناظر میں قرآن وحدیث کے مطابق ڈھالنا از حد ضروری ہے۔

حوالہ جات

۱۔ الرازی، محمد بن ابوبکر، متوفی ۶۶۶ ھ، مختار الصحاح، دار عمان اردن، ص ۲۵۲

۲۔ الحصفکی، علاء الدین محمد بن علی، متوفی ۱۰۸۸ھ، الدر المختار، دار الفکر، بیروت ۱۹۹۲ئ، ج ا، ص ۳۶

۳۔ تفتازانی، سعد الدین مسعود، شرح التلویح علی التوضیح لمتن التنقیح، دار الکتب العلمیہ بیروت، ج ا، ص ۳۵

۴۔ البقرۃ: ۱۲۷

۵۔ الجرجانی، علی بن محمد الشریف، التعریفات، دار الفکر بیروت، ص ۲۵۱

۶۔ الزرقا، مصطفی احمد، متوفی ۱۹۸۹ئ، المدخل الفقہی العام، دار الفکر بیروت، ۱۹۶۸ئ، ج ۲، ص ۹۴۱

۷۔ الزرقا، شرح القواعد الفقہیہ دار القلم دمشق، ص ۳۶

۸۔ الترمذی، محمد بن عیسی، متوفی ۲۷۹ھ، جامع الترمذی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، رقم ۱۲۰۷

۹۔ ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن، سیرت احوال مصطفی، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ، ص ۶۷

۱۰۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراھیم، متوفی ۱۸۲ھ، کتاب الخراج، المکتبۃ الازہریہ، بیروت، ص ۹۳

۱۱۔ سیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، متوفی ۹۱۱ھ، الاشباہ والنظائر، مطبع مصطفی احمد، ص ۳۵

۱۲۔ الزرقا، شرح القواعد الفقہیہ، ص ۳۸

۱۳۔ الزرکشی، بدر الدین، المنثور فی القواعد، وزارۃ الاوقاف کویت ۱۹۸۵ئ، ج ا، ص ۲۵

۱۴۔ السبا: ۱۴

۱۵۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب، (د، ط، د، ت، ج)، دار صادر بیروت، ص ۱۱۱

۱۶۔ المائدہ: ۴۲

۱۷۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ، رقم ۷۲

۱۸۔حاجی خلیفہ،مصطفی بن عبداللہ،متوفی ۱۰۶۷ھ،کشف الظنون،دارالکتب العلمیہ ،بیروت،ج۱،ص۴۶

۱۹۔ الجرجانی،التعریفات،ص۱۴۹

۲۰۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ،نمبر ۱۷۸۵

۲۱۔ سرخسی،محمد بن احمد،المبسوط62،دارالمعرفۃ بیروت1993ئ،ج16،ص

۲۲۔ الحریری،ابراھیم محمد،القواعدوالضوابط الفقھیۃ لنظام القضاء فی الاسلام،دارعمان اردن،ص ۸۴

۲۳۔ الشافعی،محمد بن ادریس،متوفی ۲۰۴ھ،الام،دارالمعرفہ بیروت، ۱۳۹۳ھ،ج۷،ص۹۵

۲۴۔ النساء:۱

۲۵۔ الزرکشی،برہان الدین،المنشور،ج۳،ص۳۸

۲۶۔ مجدلاوی،الادارۃ الاسلامیہ فی عہد عمر بن خطاب،دارعمان اردن،ص۲۳۸

۲۷۔ عزبن عبدالسلام،قواعدالاحکام فی مصالح الانام،دارالمعرفہ بیروت،ج۲،ص۱۶۵

۲۸۔ الفیومی،مصباح المنیر ،دارالفکر بیروت،ص۲۶۵

۲۹۔ ابن عابدین،محمد امین بن عمر،متوفی ۱۲۵۲ھ،حاشیہ ردالمحتار،دارالفکر،بیروت،۱۹۹۲ء،ج۵،ص۳۱۸

۳۰۔ ابن جزی،محمد بن احمد،متوفی ۷۴۱ھ،القوانین الفقھیۃ،المکتبۃ العصریہ،بیروت ۲۰۰۰ء،ص۹۷

۳۱۔ ابن عابدین،حاشیہ ردالمحتار،ج7،ص۴۲۷

۳۲۔ ابن عابدین،حاشیہ ردالمحتار،ج5،ص۳۱۸

۳۳۔ ابن نجیم،زین العابدین بن محمد،الاشباہ والنظائر دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۳ء،ص۵۹

۳۴۔ السبکی،عبدالوھاب بن علی،الاشباہ والنطائر،دارالکتب العلمیہ ،بیروت ۲۰۰۱ء،ص۲۱۸

۳۵۔ مجلۃ الاحکام الشرعیہ،ص۶۶،نمبر ۲۳۱۹

۳۶۔ ابن نجیم ،الاشباہ والنطائر،ص۲۱۹

۳۷۔ ابن المنذر،محمد بن ابراھیم،الاجماع،مکتبہ الفرقان،عمان،1999ء

۳۸۔ ابن نجیم ،الاشباہ والنظائر،ص۹۳

۳۹۔ یاسین،محمد نعیم،متوفی ۱۹۷۷ئ،نظریۃ الدعویٰ،دارنفائس اردن،ص۳۴۸

۴۰۔ الدسوقی،حاشیہ الاسوقی،ج6ص۲۹

۴۱۔ الحموی،احمد بن محمد،غمز العیون البصائر،دارالکتب العلمیہ ،بیروت،۱۹۸۵ئ،ج۱،ص۳۶۱

۴۲۔ ایضا،ج۱،ص۳۶۱

حدود و قصاص کے معاملات میں ڈی این اے کی حیثیت اور عصری تقاضے

غلام فاروق

ABSTRACT:

DNA is not only scientific recovery rather it is influencing the live people at personal and social level. As Islalm is not confirmed only a few sphares of life rather it discusses economics and all other areas of life and provides sloution to every problem of humanity. As for as the Status and scope of DNA is concerned, it cannot be considred as a sharia proof whears it can be considered as circumstational evidenc. Further more it is helpful in investigation and in finding a criminal. A suspect can be made on DNA basis to admit the reality but the punishment of "Hudood or Qisas" cannot be implemented only on DNA basis. DNA test is only be accepeted as secondary proof in islamic and present judicial system. This artical is about the evidential status of DNA is proving the facts of judiciary matters.

سائنسدانوں کی تحقیق کے بموجب ڈی این اے (DNA) ٹیسٹ کے ذریعہ سے کسی انسان کے ماضی، حال اور مستقبل سے متعلق اس کی طبی اور فطری صلاحیتیں، اندرونی و بیرونی خوبیاں وخامیاں معلوم کی جاسکتی ہیں۔ DNA ٹیسٹ رپورٹ سے اس بات کا پتا لگایا جاسکتا ہے کہ یہ شخص کونسی صفات سے متصف ہے، کسی بھی وصف میں وہ کس حد تک صلاحیت و استعداد رکھتا ہے۔ DNA کے سالمہ میں یہ تمام تفصیلات، رموز کی شکل میں موجود ہوتی ہیں۔ حیوانات کی دنیا

میں سائنس کا یہ حیرت انگیز انکشاف، قدرت کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ انسان اس فلسفہ کو اپنے جسم میں سموئے ہوئے ہزاروں سال سے زندگی بسر کر رہا ہے، وہ آفاق و انفس میں جس قدر تفکر سے کام لے گا، ضرور اسے قدرت کی نشانیوں کے رنگا رنگ جلوے نظر آئیں گے۔ قرآن مجید میں اشارہ ہے:

و فی انفسکم، افلا تبصرون۔(۱)

''اور تمہارے وجود میں بھی نشانیاں ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے؟''

ڈی این اے ٹیسٹ کی مزید وضاحت سے قبل موضوع کے متعلق حدود و قصاص کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

حدود کی تعریف:

حدود عربی زبان کا لفظ ہے، اس کی واحد ''حد'' ہے اور یہ کثیر المعنی لفظ ہے۔ عربی لغت میں حد کے معنی ہیں: **الفصل الحاجز منتھی الشئی الطرف رق الشفرۃ الدفع المنع ،تمیز الشئی الی الشئی** ''یعنی سرحد، باڑھ، کسی شے کی انتہا، طرف، کنارہ، سرا، دھار، مانع، کسی چیز کا دفع کرنا، اس سے بچنا، کسی شے کو دوسری شے سے الگ کرنا، پہچاننا، وغیرہ(۲)

اسی طرح حد کے معنی روکنے اور منع کرنے کے بھی ہیں ''الحد: المنع'' جیسے کہا جاتا ہے کہ **حددت فلانا عن الشر** ''یعنی میں نے فلاں کو برائی سے روک دیا یا منع کر دیا(۳)

فقہاء احناف کے ہاں اس کی تعریف یہ ہے:

'عقوبۃ مقدرۃ وجبت حقا اللہ تعالیٰ''(۴)

''حد، وہ تمام مقررہ سزائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر دی جاتی ہیں''

فقہاء شافعیہ و حنابلہ اس کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

''عقوبۃ مقدرۃ علی ذنب وجبت حقا اللہ تعالیٰ کما فی الزنی او اجتمع فیھا حق اللہ و حق العبد کالدف''(۵)

بعض فقہاء نے اس کی تعبیر ''عقوبۃ مقدرۃ بتقدیر الشارع'' کے الفاظ سے کی ہے۔

شریعت اسلامیہ میں حدود کی تعداد چھ ہے: ڈاکہ، چوری، زنا، شراب نوشی، ارتداد، قذف۔ جن جرائم پر سزائیں مقرر نہیں کی گئی ہیں، بلکہ امیر و قاضی کی صواب دید پر رکھی گئی ہیں، وہ فقہ کی اصطلاح میں ''حد'' نہیں ہیں۔ انہیں ''تعزیر'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قصاص کی تعریف:

قصاص عربی لغت کے اعتبار سے مماثلت اور کسی کے نقش قدم پر چلنے کو کہتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں کسی شخص کو جسمانی ایذاء یا قتل کر دینے کی وجہ سے مجرم کو وہی سزا دینے کا نام ''قصاص'' ہے۔ عربی زبان میں اس کو ''قود'' بھی کہتے ہیں اور حدیث میں بھی قصاص کے لیے یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔(۶)

حدود و قصاص میں فرق:

امام ابن عابدین شامیؒ اور ابن نجیم حنفیؒ نے ان دونوں کے مابین درج ذیل فرق کو ذکر کیا ہے۔

۱۔ حدود، وراثت کے طور پر منتقل نہیں ہوتیں، جب کہ قصاص وارثوں کی طرف سے معافی کی صورت میں معاف ہو جاتے ہیں۔

۲۔ حدود، بندے کے معاف کر دینے سے معاف نہیں ہوتیں، جب کہ قصاص ولی کی معافی سے معاف ہو جاتا ہے۔

۳۔ قصاص، گونگے کے اشارہ اور کتابت سے ثابت ہو جاتے ہیں۔ جب کہ حدود ثابت نہیں ہوتیں۔

۴۔ حدود کے معاملہ میں کسی کی سفارش کرنا جائز نہیں، جب کہ قصاص میں جائز ہے۔

۵۔ حدود میں اقرار کے بعد رجوع کرنا جائز ہے، جب کہ قصاص میں جائز نہیں۔

۶۔ حد قذف کے علاوہ باقی حدود کے لیے دعوی کرنا ضروری نہیں، جب کہ قصاص کے لیے مدعی کا دعوی شرط ہے۔

۷۔ بعض فقہاء کے نزدیک تقادم زمانہ کی وجہ سے قصاص کی گواہی دینا جائز ہے جب کہ حدود میں برخلاف حد قذف کے جائز نہیں۔(۷)

قرائن اور حدود و قصاص:

کیا قرائن سے حدود و قصاص ثابت ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور فقہاء کا یہ مسلک ہے کہ حد زنا امام اور قاضی کے علم سے ثابت نہیں ہوسکتا، اس لیے وہ محض اپنے علم کی بنیاد پر کسی پر حد زنا جاری نہیں کر سکتے۔

غیر شادی شدہ لڑکی جس کا حمل ظاہر ہوا ہو اور وہ زنا کا انکار کرے، ایسی صورت میں حمل کے ظہور کی وجہ سے حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حد زنا ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ حمل ''اکراہ (زبردستی)'' یا ''وطی بالشبہ'' کی وجہ سے ہوا ہو۔(۸) سیدنا عمرؓ نے ایسی ہی ایک حاملہ خاتون پر حد جاری نہیں کی۔(۹) سیدنا علیؓ وابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب حد کے اندر ''لعل'' (شاید) یا ''عسیٰ'' (ہوسکتا ہے) کا لفظ آجائے تو وہ معطل ہوجاتی ہے۔(۱۰)

علامہ کمال بن الھمامؒ فتح القدیر میں حدود کے اندر شبہات کو دو قسموں: شبہ فی الفعل اور شبہ فی المحل کے بیان کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

> **''و أیضا فی اجماع فقہاء الامصار علی ان الحدود تدرأ بالشبہات کفایہ ولذا قال بعض الفقہاء: ھذا الحدیث متفق علیه، أیضا تلقته الامة بالقبول۔ وفی تتبع المروی عن النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ والصحابة ما یقطع فی المسألة''(۱۱)**
>
> ''اور حدود کا شبہات کی وجہ سے ساقط ہونے پر کئی شہروں کے فقہاء کا اجماع اس باب میں کافی ہے، اور بعض فقہاء نے تو اس حدیث کو متفق علیہ قرار دیا ہے، جب کہ

امت نے بھی اس حدیث کو شرفِ قبولیت بخشا ہے۔ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے مروی روایات کا جائزہ لینے سے اس مسئلہ میں یہی یقینی نتیجہ برآمد ہوگا۔"

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی حدود وقصاص میں ڈی این اے کی طرح دیگر قرائن کے حکم کے بارے میں دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ولا یحکم عند جمھور الفقھاء بھذہ القرائن فی الحدود لأنھا تدرء الشبھات، ولا فی القصاص ولا فی القسامة للاحتیاط فی موضوع الدماء وازھاق النفوس"۔(۱۲)

ڈی این اے کی لغوی تعریف:

ڈی این اے علم الحیات (Biology) کے شعبہ علم التوارث (Genetics) کی اصطلاح ہے۔اس اصطلاح کا پورا نام" ڈی آکسی رائبو نیوکلک ایسڈ" (Deoxy-Ribo-nucleic Acid) ہے۔ڈی این اے کو عربی زبان میں "بصمة الحمض النووی" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(۱۳)

ڈی این اے کی اصطلاحی تعریف:

مختصر الفاظ میں اس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ" ڈی این اے ایسے موروثی مادے کا نام ہے جو ہر ذی روح میں موجود سینکڑوں خلیوں میں پایا جاتا ہے، اور ایک نوع کے ذی روح کو اسی نوع کے دوسرے ذی روح سے ممتاز کرتا ہے۔

ڈی این اے کی تاریخ:

ڈی این اے کی تاریخ کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ اس کی دریافت میشر (Miescher) نے ۱۸۰۹ء میں کی تھی اور اسے مواد میں پائے جانے والے خلیہ سے نکالا گیا تھا۔ایوری (Avery)، میکلیارڈ (Macleord) اور مکارٹی (McCarthy) نے اس کے

موروثی مادہ ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ جب کہ واٹسن (Watson) اور کرک (Crick) نے مل کر اس کا پہلا جامع نظریہ ۱۹۵۳ء میں پیش کیا۔ اس دریافت پر انہیں نوبل انعام سے نوازا گیا۔(۱۴) ڈی این اے دو دھاگوں کا مرکب ہے جو ایک دوسرے سے گھماؤ دار سیڑھی کی طرح مل کر بنے ہوتے ہیں۔ ایک دھاگہ دوسرے دھاگہ کی ضد ہوتا ہے، ان میں سے ایک دھاگے کے اوپر ایک بیس (Base) ہوتا ہے، جس میں ایک شکر اور ایک فاسفیٹ سے جڑا ہوتا ہے۔

جین، ڈی این اے کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں جس میں کھاروں کی ایک مخصوص ترتیب ہوتی ہے۔ تین کھاروں کی لگاتار ترتیب سے ایک مخصوص ایمنو ایسڈ کوڈ کی جاتی ہے۔ ہماری تمام خصوصیات جیسے رنگ، جسامت، اعضاء وغیرہ تقریباً ایک لاکھ پروٹین سے بنتے ہیں اور اس کے لئے ۳۰ ہزار جین ہوتے ہیں۔

جین کی بناوٹ ڈی این اے کی ہوتی ہے اور ڈی این اے ہر جاندار کو ماں اور باپ سے وراثت میں تخم اور بیضہ کے ذریعہ ملتی ہے۔ اس طرح ڈی این اے ایک کتاب کی طرح ہوتی ہے جس کے الفاظ جین ہوتے ہیں اور ہمارے جسم کی بناوٹ ان ہی الفاظ کے اشارہ پر کی جاتی ہے، یعنی جیسا جین ویسا جسم۔(۱۵)

ڈی این اے ٹیسٹ کے نتائج:

ڈی این اے ٹیسٹ کے نتائج بذاتِ خود کافی حد تک قابلِ اعتماد ہوتے ہیں، یہاں تک کے اس کے نتائج کی درستی کا تناسب ۹۹ فیصد تک پہنچتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس ٹیسٹ کو انتہائی باوثوق ذریعہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ ٹیسٹ کے نتائج کا یہ تناسب تب ہے جب اس میں کسی بھی مرحلہ پر کوئی بھی غلطی نہ ہوئی ہو۔ مگر چونکہ ڈی این اے ٹیسٹ میں بہت ساری مشینوں اور ماہرین کا واسطہ ہوتا ہے اس لیے اس میں غلطی کے بھی کافی امکان آجاتے ہیں۔ اگر جائے واردات سے درست طریقے سے نمونہ حاصل نہ کیا جائے یا مشین میں کسی طرح کا

بھی کوئی جراثیم یا وائرس ہو، یا معلومات کو ایک مشین سے دوسری مشین میں نقل کرنے میں غلطی ہو یا متعلقہ ماہرین کی مہارت اور نگرانی میں کسی طرح کی کمی ہو، یا لیبارٹری میں نمونے باہم تبدیل ہو جائیں تو اس طرح کے بہت سارے احتمالات کا اثر براہ راست ڈی این اے ٹیسٹ کے نتائج پر پڑتا ہے۔

ثبوت جرائم میں ڈی این اے کا کردار:

ثبوت جرائم میں ڈی این اے ٹیسٹ کا کردار جاننے کے لیے جب ہم اس کی تاریخ کو بنظر غائر دیکھتے ہیں تو اس سے ہمیں یہ معلومات ملتی ہیں کہ ڈاکٹر جیفری کی اس دریافت کا فورنزک سائنس میں استعمال سب سے پہلے اس شہر کی پولیس نے کیا جب لیسٹر یونیورسٹی کا آس پاس کے علاقے میں قتل کی دو وارداتیں ہوئیں۔ تاریخ میں پہلی دفعہ کسی کی بریت یا سزا کا فیصلہ جینیٹک فنگر پرنٹگ کے ذریعے ہونا تھا۔ 1983 میں یونیورسٹی کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں پندرہ سالہ ''لنڈا مان'' کو جنسی زیادتی کے بعد قتل کیا گیا۔ تین سال بعد ایک اور لڑکی ''ڈان اشورتھ'' کو بھی جنسی زیادتی کے بعد قتل کیا گیا۔ سترہ سالہ رچرڈ بکلینڈ پولیس کی حراست میں تھا اور اس نے دوسری واردات کا اقبال جرم کر رکھا تھا۔ اس اقبال جرم نے تفتیش کاروں کے ذہن میں شکوک وشبہات کو جنم دیا تھا کیونکہ اگر دونوں قتل بکلینڈ نے کئے ہوتے تو پہلے جرم کے وقت اس کی عمر 14 سال ہوتی۔ گتھی سلجھانے کے لئے سراغ رسانوں کی ٹیم نے ڈاکٹر جیفری سے مدد طلب کی جنہوں نے دونوں لاشوں پر سے حاصل کئے گئے نطفے سے ڈی این اے کا بکلینڈ کے ڈی این کے ساتھ موازنہ کر کے اسے بیگناہ قرار دے دیا۔ ڈی این اے کے موازنے سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ دونوں جرائم کا ارتکاب ایک ہی شخص نے کیا تھا۔ ان شواہد کی بنا پر قانون نافذ کرنے والے اداروں نے قاتل کو پکڑنے کے لئے ایک بے مثل کام کا عزم کیا۔ کیونکہ قاتل کے خون کا گروپ

''اے'' تھا اور وہ ایک انزائم پی جی ایم ون کے لئے پازیٹو تھا۔ لہٰذا تین قصبوں سے کل 4582 مردوں کے خون کا گروپ اوران میں مذکورہ انزائم کی موجودگی کو چیک کیا گیا۔ دس فیصد افرادصرف ان کوائف پر پورے اترے۔ چنانچہ ان افراد کے خون سے ڈی این اے حاصل کر کے اس کا تجزیہ کیا گیا۔ کولن پیچ فورک نامی ایک مقامی نانبائی نے اپنا خون نہیں دیا تھا اس نے اپنے ایک دوست آئن کیلی کے ساتھ ساز باز کی اوراس کی تصویر اپنے پاسپورٹ پر لگا کر اسے اپنی جگہ خون دینے بھیجا۔ کئی مہینوں کے بعد یہاں کے ایک رہائشی نے مقامی شراب خانے میں کیلی کی گفتگو سنی جس میں اس نے پیچ فورک سے رقم لے کر اس کی جگہ اپنا خون دینے کا اعتراف کیا۔ اس رہائشی نے پولیس کو مطلع کر دیا جس پر پولیس نے ستائیس سالہ پیچ فورک کو گرفتار کرلیا۔ اس کے ڈی این اے کا قاتل کے ڈی این اے سے موازنہ کرنے پر پتہ چلا کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ پیچ فورک نے کیس لڑنے کی بجائے دونوں لڑکیوں کی عصمت دری اور قتل کا اعترا ف کرلیا۔ 1987 میں پیچ فورک ڈی این اے کی مدد سے شناخت کیا جانے والا پہلا مجرم بن گیا ۔اسے عمر قید کی سزا ہوئی جو کم از کم تیس سال تک کی ہوتی ہے۔(۱۶)

یہ محض احتمالات نہیں بلکہ اس فن کے ماہرین کے مطابق اس طرح کے واقعاتی شواہد موجود ہیں، جس کی مزید تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے۔ ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۵ تک کیے گئے ڈی این اے ٹیسٹ کے تقریباً ۲۲۰۰ نتائج اس طرح کی وجوہات کی بنا پر غلط ثابت ہوئے ہیں۔(۱۷)

ڈی این اے ٹیسٹ کی شہادتی حیثیت:

ذیل میں ڈی این اے کی شہادت کی حیثیت جاننے کے لیے فقہاء کی آراء کو بیان کیا جاتا ہے۔ رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ کے ذیلی شعبہ ''مجمع فقہ اسلامی'' نے ڈی این اے سے استفادہ کے بارے میں بحث وتحقیق کے بعد یہ موقف پیش کیا ہے:

’لا مانع شرعا من الاعتماد علی البصمة الوارثية فی التحقیق الجنائی واعتبارها وسیلة اثبات فی الجرائم التی لیس فیها حد شرعی و لا قصاص لخبر: ادرؤوا الحدود بالشبهات‘‘(۱۷)

اول شرعی طور پر جرائم کے ثبوت میں ڈی این اے پر اعتماد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اثبات جرائم میں اسے استعمال کیا جاسکتا ہے ماسوائے حد شرعی اور قصاص کے، کیونکہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ ’’شبہات کی بنا پر حدود کو موخر کر دو‘‘ اور یہ موقف انصاف اور سماجی امن کو یقینی بناتا ہے، اور یہ وسیلہ مجرم کو سزا ملنے اور تہمت زدہ شخص کو بریت کی طرف لے جاتا ہے جو شریعت کے اہم ترین مقاصد میں سے ہے۔

مجمع الفقہ الاسلامی لرابطۃ العالم الاسلامی نے سن ۱۹۹۸ء میں مکہ مکرمہ میں ڈی این اے ٹیسٹ کی حجیت اور دائرہ کار کے بارے میں ہونے والے اجلاس میں یہ قرارداد منظور کی تھی کہ ڈی این اے ٹیسٹ سے حدود و قصاص ثابت نہیں ہو سکتے، البتہ دیگر جرائم میں اس کا اعتبار کیا ہے۔(۱۸)

حدود و قصاص میں ڈی این اے ٹیسٹ کے غیر معتبر ہونے کا یہ مقصد نہیں کہ اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں، بلکہ ڈی این اے ٹیسٹ چونکہ ایک قرینہ کی مانند ہے جس کی وجہ سے ٹیسٹ کی بدولت تفتیش کے عمل کو بآسانی آگے بڑھایا جاسکتا ہے، بے گناہوں کی بے گناہی کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔ نیز قاضی اور جج اس ٹیسٹ کی بنیاد پر ملزم پر ایک طرح کا ذہنی دباؤ ڈال سکتے ہیں، جس کی وجہ سے ملزم جرم کرنے کی صورت میں اقرار پر مجبور ہوسکتا ہے اور قاضی اس کے خلاف اس کے اقرار کی وجہ سے فیصلہ صادر کر سکے گا۔(۱۹)

ڈی این اے کے بارے میں مصری فقہاء کی آراء:

مصری ماہر قانون استاد ڈاکٹر رافت عثمان لکھتے ہیں:

والبصمة الجنية تصلح ان تكون قرينة لكن لا تصلح ان تكون دليلا على الزنا و ان يقام الحد بسببها ۔۔ان القاعده الشرعية هی ادرؤو الحدود با

لشبهات فيه القصاص أيضا بالشبهات هنا البصمة الوراثية يمكن ان تدخل في مجال الشبهات لانها يمكن ان يحدث الخطأ فيها وانما يمكن ان تكون قرينة قوية تقوى الأدلة الاخرى۔(۲۰)

''ڈی این قرینہ تو بن سکتا ہے، لیکن وہ زنا کی دلیل و بینہ قرار نہیں پائے گا کہ اکیلے اس کی بنا پر حد کو جاری کر دیا جائے، کیونکہ شرعی اصول یہ ہے کہ ''شبہات کی بنا پر حد کو ساقط کر دیا جائے'' قصاص بھی شبہ آ جانے کی بنا پر ساقط ہو جاتا ہے۔ڈی این اے غلطی کے امکان کی بنا پر، جیسا کہ ماہرین اس کی نشاندہی کرتے ہیں، یہ شبہات میں داخل ہو جاتا ہے اور حدود قصاص شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتے ہیں۔ بایں وجہ ڈی این اے پر حدود و جنایات میں انحصار نہ کیا جائے۔ تاہم یہ ایسا قرینہ ہے جو دیگر دلائل کو تقویت دے سکتا ہے''۔

دراصل اسلام نے زنا کے معاملہ کو بہت سنگین انداز میں لیا ہے۔ اسلام میں زنا کی سزا، اس فعل بد کی سزا ہی نہیں بلکہ اس کو معاشرے میں کھلم کھلا انجام دینے کی بھی سزا ہے اور جو شخص ایسا کرے تو اس کی سزا بھی سنگین ترین جرم ہے کہ اس کو پتھر مار مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے چنانچہ شریعت اسلامیہ کے ذریعہ جرم و سزا میں مسئلہ وقوعہ کے ثبوت کا نہیں جو دیگر جرائم کے لئے محض دو گواہوں سے پورا ہو جاتا ہے اور چار گواہوں کا یہ تقاضا اس جرم کے علاوہ کسی اور میں نہیں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اس جرم کی اشاعت پر بھی کنٹرول رکھنا چاہتا ہے، ایسا جرم کرنے والے کو معافی کا موقع بھی دینا چاہتا ہے، اس پر الزام تراشی کی روک تھام کے لئے قذف کی سزا بھی متعارف کرائی جبکہ جو شخص کسی بھی اصول و اخلاق کا لحاظ نہ کرے تو پھر اس کو بدترین انجام سے دوچار کر کے نشان عبرت بنا دیا جائے۔ جہاں تک کہ ڈی این اے کا معاملہ ہے تو اس سے وقوعہ ثابت ہو سکتا ہے، تاہم یہ مسئلہ اکیلے ثبوت کا نہیں ہے۔

سعودی فقہاء کی آراء:

سعودی مفتی ابوعودی لکھتے ہیں کہ:

و لیس ھذا تشکیکا فی الحقیقة العلمیة حو ل وجو دالمحض النووی الذی ان ای ولکن فلسفةالتشریع الاسلا می تختلف احیا نا کلیا عن فلسفة التشریع الغربی العلمانی غالبا اماتکون مرتبة اماالزنا بعملیات الاختلاط التی تحدث عمداأو خطأفی حالاۃالولادۃ۔ (۲۱)

ڈی این اے کوزنا میں معتبر شہادت کے طور پر قبول نہ کرنے کی وجہ اس کی سائنسی حقیقت کے اعتراف میں شک کرنا نہیں ہے بلکہ درحقیقت شریعت اسلامی کا فلسفہ ثبوت مغرب کے سیکولر قانون کے اس نظریے سے کلی مختلف ہے جس کا تعلق محض فعل زنا یا مردوزن کے اختلاط سے ہے، جو کبھی عمداً اور کبھی غلطی سے ولادت کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔

اس عبارت سے واضح ہو کہ یہاں مسئلہ ڈی این اے کو ثبوت میں معتبر ماننے یا نہ ماننے کا نہیں، جب دو افراد کی گواہی سے اسلام میں چوری کی سزا ثابت ہو جاتی ہے اور چار سے کم گواہوں سے زنا کی سزا صادر نہیں ہو سکتی تو اس کی وجہ نفس فعل کا ثبوت نہیں بلکہ شارع کے پیش نظر دیگر متعدد حکم ومصالح ہیں۔ مزید برآں شریعت اسلامیہ نے حدود کا نظام قائم کیا، لیکن اسلام ہمیں شبہات کی بنا پر حدود کو ختم کر دینے کی تلقین کرتا ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

"ادرؤو االحدود عن المسلمین ما استطعتم" (۲۲)

''جہاں تک ممکن ہو، مسلمانوں سے حدود کو موخر کرو۔''

الغرض کسی بھی قسم کی اباحیت اور جنسی بے راہ روی کی مجرموں کو سزا ضرور ملنی چاہیے، اگر یہ ظلم کسی سے جبراً یا اجتماعاً ہوا ہے تو اس سے جرم کی نوعیت سنگین تر ہو جاتی ہے اور ایسے مجرموں کو

سزائے زنا کے ساتھ ساتھ بعض اوقات حرابہ اور دہشت گردی کی سزا دینی چاہیے، تاہم حد کی سزا مکمل احتیاط اور شرعی تقاضوں کی تکمیل کی متقاضی ہے۔ شرعی سزا کی شدت عدل وانصاف کے تقاضوں کوملحوظ رکھ کر دی جاسکتی ہے۔ اس بنا پر اسلامی نظریاتی کونسل کا موقف درست ہے کہ اکیلے ڈی این کی بنا پر زنا کی سزا نہیں دی جاسکتی تاہم زنا کے لفظ کا اطلاق کئے بغیر ایسے کسی ملزم کو مبادیات زنا اور بوس کنار کی تعزیری سزا حاکم وقت نافذ کرسکتا ہے۔

ہمارے ہاں کے سیکولر حضرات کا یہ منشا ہے کہ ملک میں سیکولر پروپیگنڈا پھیلایا جائے اور عوام الناس کو گمراہ کیا جائے اور علماء کی اہمیت کو کم کر کے ملک میں مغرب پسندی کو رجحان دیا جائے۔ کچھ لوگ قرآن واحادیث کو اپنی عقل کے بل بوتے پر تولتے ہیں اور لوگوں کو دین کے نام پر گمراہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور قرآن وحدیث کے دلائل کو اہمیت دینے کی بجائے مغرب نواز قوانین کی اشاعت پر تلے ہوئے ہیں۔ (۲۳)

شیخ وہبہ زحیلی کی ڈی این اے کے بارے میں رائے:

شیخ وہبہ الزحیلیؒ ڈی این اے ٹسٹ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بماان المقرر لدی فقهاء المذاهب غير الظاهرية و هو درء الحدود و القصاص و كذا التعازير بالشبهة، فانه بصعب القول باقامة حد الزنا و غيره علی الزنا ة بمجرد البصمة، لوجود احتمالات او شبهات لا فی نتيجة البصمة ذاتها، (۲۴)

اب اگر ہم ڈی این اے ٹیسٹ کا جائزہ لیں تو اس میں نہ ہی گواہ بننے کی صلاحیت ہے، اور نہ ہی یہ قرینہ قطعیہ بن سکتا ہے۔ کیونکہ ڈی این اے ٹیسٹ اگرچہ بذاتِ خود حیران کن حد تک درست نتائج دینے کی قابلیت رکھتا ہے، مگر عملاً اس کے نتائج پر بہت سارے عوامل اثر انداز

ہو سکتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کے نتائج اس حد تک نہیں پہنچتے کہ ڈی این اے ٹیسٹ نا قابل تردید اور قطعی قرینہ بن سکے، بلکہ اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک قرینہ ظنیہ کی ہو سکتی ہے۔

ایک اور مقام پر وھبہ زحیلی ڈی این اے ٹیسٹ کی وضاحت بیان کرتے ہیں:

و انما فیما یلابسھا او یخالطھا من شبھات تتعلق بظروف محیطة بھا من الطبیب و الالة و نحو ھما"(۲۵)

''یعنی ڈی این اے ٹیسٹ میں متعدد وجوہات، مثلاً ڈاکٹر، نمونہ لینے کا آلہ یا مشین، کی بناء پر شبہات پیدا ہوتے ہیں۔''

اس لیے حدود و قصاص کو ڈی این اے ٹیسٹ کی وجہ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ حدود و قصاص، شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی ڈی این اے کے بارے میں سفارشات:

ڈی این اے (DNA) ٹیسٹ کے سلسلے میں سیمینار نے حسب ذیل فیصلے کیے ہیں۔

۱۔ جس بچے کا نسب شرعی اصول کے مطابق ثابت ہو اس کے بارے میں ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعہ اشتباہ پیدا کرنا شرعاً جائز نہیں۔

۲۔ اگر کسی بچہ کے بارے میں چند دعوے دار ہوں اور کسی کے پاس واضح شرعی ثبوت نہ ہو تو ایسے بچے کا نسب ڈی این اے کے ذریعے متعین کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ جو جرائم موجب حدود و قصاص ہیں ان کے ثبوت کے لئے مخصوص طریقوں کی بجائے ڈی این اے ٹیسٹ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

۴۔ حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے جرائم کی تفتیش میں ڈی این اے ٹیسٹ سے مدد لی جا سکتی ہے اور اگر قاضی ضرورت محسوس کرے تو اس پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔(۲۶)

ڈی این اے ٹیسٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں فتوی:

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاون کراچی سے ڈی این اے کی شرعی حیثیت کے بارے میں فتوی جاری ہوا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

''کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض اوقات مسخ شدہ لاشوں کی شناخت نہیں ہو رہی ہوتی۔ اس کی شناخت ڈی، این، اے پرنٹس کے ذریعے ملزموں کی شنا خت کے ذریعے کی جاتی ہے۔ اس کی شرعا کیا حیثیت ہے؟ اس کو معتبر قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز کلوز سرکٹ کیمرے جنہیں سی، سی، ٹی، وی کہا جاتا ہے وہ حفاظتی نقطہء نگاہ سے دکانوں، بینکوں اور اہم جگہوں پر نصب کئے جا سکتے ہیں جن میں ایک کیمرہ اور ٹی وی نما سکرین ہوتی ہے۔ شرعا اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ (سائل: محمد عبید اللہ حسن، کوٹ ادو)''

''الجواب: باسمہ تعالی واضح رہے کہ ڈی این اے (DNA) ٹیسٹ اس موروثی مادے کی جانچ پڑتال کا نام ہے جو انسان کے جسم میں موجود خلیوں کے اندر پایا جاتا ہے، جس کے ذریعے ایک نوع کے مختلف حیوانات کو ایک دوسرے سے ممتاز کیا جاتا ہے، چونکہ ڈی این اے ٹیسٹ کے نتائج کا دارومدار انسانی عمل اور مشین کی کارکردگی پر منحصر ہے اور دونوں خطا کے امکان سے خالی نہیں۔ اس لئے ڈی این اے ٹیسٹ ایک ظنی چیز ہے، جس کی بنیاد پر احکام شرعیہ مثلا ثبوت نسب وغیرہ کا اثبات نہیں ہوسکتا۔ تاہم کسی ایسے معاملہ میں جہاں کسی شرعی حکم کا اثبات اس پر موقوف نہ ہو اور مزید کوئی یقینی ذریعہ تصدیق یا تردید کا نہ ہو تو اس ظنی ذریعہ کا سہارا لے سکتے ہیں، دکتور وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

وتقدم علی البصمة الوراثية الطرق المقررة فی شريعتنا لاثبات النسب كالبينة والاستلحاق والفراش ای علاقة الزوجية، لان هذه الطرق اقوی فی تقدير الشرع "فلا يلجا الی غيرها من الطرق كالبصمة الوارثية

والقیافۃ الاعند التنازع فی الاثبات وعدم الدلیل الاقوی"(۲۷)

لہٰذا اگر چند افراد کے بارے میں موت کا یقین ہو کہ مرنے والے یہی ہیں لیکن انفرادی طور پر شناخت کا کوئی یقینی ذریعہ نہ ہو اور وارثوں میں جھگڑا ہو تو ٹیسٹ کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔ ڈی این اے تو محض "تحویل" کے لئے ہے۔ ملزم کو مجرم ثابت کرنے کے لئے شریعت نے گواہی و اقرار کا نظام مقرر کیا ہے، اس لیے حتمی طور پر کسی کو مجرم ٹھہرانے کے لیے یہی ذرائع معتبر ہوں گے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

السرقۃ انما تظھر باحد الامرین اما البینۃ او الاقرار (۲۸)

"چوری دو طریقوں 'گواہی یا اقرار' میں سے کسی ایک کے ساتھ ثابت ہوتی ہے"

ویثبت باقرارہ مرۃ واحدۃ وبشھادۃ رجلین کما فی سائر الحقوق (۲۹)

"تمام حقوق کی طرح ایک بار اقرار سے، یا دو آدمیوں کی گواہی سے ثابت ہوتی ہے۔"

اور پھر گواہوں کے معاملہ میں بھی شریعت نے آزادی نہیں دی کہ جو چاہے گواہی دے دے، بلکہ ایسے گواہوں کی گواہی معتبر قرار دی جو عاقل، بالغ اور دیانت دار ہوں۔ واقعہ کے عینی شاہد ہوں اور گواہی دینے میں اپنے سے دفع مضرت یا جلب منفعت نہ ہو (یعنی گواہی اس لیے دے کہ مجھے نقصان نہ پہنچ جائے یا اس لئے کہ مجھے نفع یا فائدہ حاصل ہو جائے) نیز گواہی دینے والے کی صاحب معاملہ کے ساتھ دنیوی مخاصمت (دشمنی) نہ ہو، نیز گواہ متہم نہ ہو۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

اما الثانی فانواع: ما یرجع الی الشاھد وھو العقل والبلوغ والحریۃ والبصر والنطق وان لا یکون محدودا فی قذف عندنا وان یشھد للہ تعالی ولا یجھر الشاھد الی نفسہ"مغرما ولا یدفع عن نفسہ مغرما وان لا یکون

خصما او ان یکون عالما بالمشھود بہ لا عندھما ھکذا فی البدائع (۳۰)

لہذا مجرم کی شناخت کے لئے محض فنگر پرنٹس پر جس کی جانچ پڑتال میں غلطی کا احتمال ہے، بھروسہ کرنا اور اس کو معیار بنانا شرعا درست نہیں ہے۔ البتہ اس کو محض موید اور قرینہ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔(۳۱)

میڈیکل وسائل اثبات کے مروجہ قوانین اور اسلامی قوانین کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ:

ڈی این اے ٹیسٹ کے مروجہ قوانین میں اس کو حدود و قصاص کے معاملات میں کوئی اہمیت نہیں دی گئی اور نہ ہی عدالتی معاملات میں اس کو بنیاد بنا کر فیصلے کئے گئے ہیں لہذا ڈی این اے کے مروجہ قوانین کو ابھی تک شہادت اصلی کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا اور فقہ اسلامی میں بھی اس قسم کے قرائن کو قوی تسلیم کرنے کے باوجود اس کی بنا پر فیصلے نہیں کئے گئے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک وقوعہ کے بارے میں اپنا رجحان متعین ہو جانے کے باوجود بھی اللہ کے دیئے ہوئے نظام کے تقاضے پورے کئے۔ شریعت اسلامیہ میں ڈی این اے سے بھی قوی قرینہ کو زنا کی سزا کے لئے قوی قرینہ نہیں مانا گیا اور وہ ہے شوہر کی غیر موجودگی میں عورت کا حاملہ ہو جانا، جبکہ عورت زنا سے منکر یا حمل میں شبہ کی دعویدار ہو۔ فقہ اسلامی میں اس مسئلہ کی تفصیل موجود ہے۔

جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا بھی یہی موقف ہے کیونکہ عورت کے جبر اور دیگر امکانات بھی ہو سکتے ہیں اس بنا پر جبر یا شبہ کی بنا پر مواصلت ہوئی اور حد شرعی شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتی ہے۔ ڈی این اے کو حدود و قصاص میں شہادت اصلی کے طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا، البتہ اس کو دیگر جرائم کی تفتیش کا معاون بنایا جاسکتا ہے۔(واللہ اعلم)''

مذکورہ بالا صفحات میں ڈی این کے متعلق فقہ اسلامی کے احکامات بیان کئے گئے ہیں اب اس کے متعلق صرف مروجہ قوانین کا ذکر کیا جاتا ہے۔

موجودہ عدالتی نظام میں ڈی این کی حیثیت:

ڈی این اے ٹیسٹ کو مروجہ قوانین میں حدود وقصاص کے معاملات کے علاوہ تسلیم کیا جاسکتا ہے جیسا کہ اس کے بارے حدود آرڈیننس 1979 میں بیان کیا گیا ہے:

> Zina bil Jabr ...Appreciation of evidance DNA test Evidentiary value ...Utility and evidentiary value of DNA test is acceptable, but not in a case falling under the penal provisions of zina punishable under Hudood laws having their own standrad of proof. (32)

چونکہ ہر جاندار میں ڈی این اے ہوتا ہے اور ڈی این اے کی ترتیب میں ایسا تنوع پایا جاتا ہے کہ اس کی مدد سے اس جاندار کو شناخت کرنا ممکن ہے لہذا فوجداری نوعیت کے مقدمات میں اگر کوئی حیاتیاتی نمونہ بطور شہادت میسر ہو تو اس نمونے میں سے ڈی این اے حاصل کر کے اس کے ماخذ تک پہنچا جاسکتا ہے۔(۳۳)

نسب کے ثبوت کے لیے ڈی این اے کی بنا پر کیا گیا برطانوی عدالت کا فیصلہ ڈی این اے کی بنا پر کئے گئے فیصلہ جات میں غلطی کا امکان بھی ہوسکتا ہے۔جیسا کہ آنے والے واقعہ سے بخوبی ظاہر ہو رہا ہے۔کہ ڈی این اے رپورٹ میں غلطی کی وجہ سے ایک آدمی کو بلا وجہ مجرم قرار دے دیا گیا۔پہلا واقعہ ڈی این اے ٹیسٹ کے غلط نتیجے کی وجہ سے نسب کی نفی کا ہے۔برطانیہ کے مشہور اخبار (The Telegraph) میں ۱۱ فروری ۲۰۰۱ء میں اس خبر کی سرخی ان الفاظ کے ساتھ لگی:

> "False DNA test led father to reject daughter": A DNA testing Firm used by the Child Support Agency has

submitted incorrectly telling a man that he was not the father of his daughter.

اس خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح ایک ثابت النسب بیٹی کے نسب کو ڈی این اے ٹیسٹ کی وجہ سے غیر ثابت کیا گیا، پھر اس کو باقاعدہ عدالت میں اپنی ہی بیٹی کے حصول کے لیے درخواست دینی پڑی۔اس طرح ایک دوسرے واقعہ میں (Lazaro Sotolusson) نامی ایک شخص نے تین مختلف جنسی جرائم کے الزام میں ایک سال جیل میں بھی گزارا، اور جب اس پر عمر قید کے مقدمہ کی سماعت ہو رہی تھی تو معلوم ہوا کہ اس کا نام غلطی سے کسی اور شخص کے ڈی این اے نمونہ پر لکھ دیا گیا تھا۔اس خبر کی تفصیلات (Review-Journal Las Vegas) کے ۱۸۔۱۹ اپریل، ۲۰۰۲ء کے شماروں میں چھپیں، جس کا عنوان تھا:

"DNA Evidence: Officials admit error, dismiss case": Authorities acknowledged Wednesday that a clerical error at the Las Vegas police forensics lab led to a man being jailed for a year for sex crimes he did not commit. (34)

ولیم تھامسن (جو کیلیفورنیا یونیورسٹی کے شعبہ جرائم کے استاد ہیں) نے جون ۲۰۰۸ میں نیو یارک یونیورسٹی میں (Databases and Race: Forensic DNA Issues, Abuses and Actions) کے عنوان سے منعقدہ کانفرس میں تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ پیش کی، جس کا نام یہ تھا:

(The Potential for Error in Forensic DNA Testing (and How that Complicates the Use of DNA Databases for Criminal Identification)

اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ڈی این اے ٹیسٹ کے نتائج کو جس طرح میڈیا اور اخبارات میں ایک نا قابل تردید سچ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ اس میں غلطی کی گنجائش ہی نہیں، یہ درست نہیں۔ پھر انہوں نے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ فارنسک نمونہ اکٹھا کرنے سے غلطی کے امکانات ہوتے ہیں۔ امریکہ کے متعدد مقدمات کا حوالہ بھی دیا ہے جن میں دیگر شواہد کی عدم موجودگی میں ڈی این اے ٹیسٹ کا اعتبار نہیں کیا گیا اور ملزموں کو بری کر دیا گیا۔(۳۵)

ڈی این اے ٹیسٹ کا ایک دوسرا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ مثلاً جائے واردات سے جو فارنسک نمونے حاصل کئے جاتے ہیں اُن کے ڈی این اے ٹیسٹ کے نتائج کو اگر تمام تر غلطیوں اور پیچیدگیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے سو فیصد درست بھی مان لیا جائے تو ٹیسٹ سے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوسکتا ہے کہ یہ شخص جائے واردات پر موجود تھا! اب کیا یہ جرم بھی اسی شخص نے کیا؟ کیا اس وقت وہ اپنے مکمل ہوش وحواس میں تھا؟ کیا وہ جرم کرنے میں خود مختار تھا، یعنی جبر واکراہ کی صورت تو نہیں تھی؟ یا کیا اس نے یہ جرم قصداً عمداً کیا یا غلطی سے سرزد ہوا؟ اس طرح کے دیگر کئی اہم سوالات کے جوابات ڈی این اے ٹیسٹ سے نہیں ملتے، حالانکہ یہ سوالات حدود و قصاص کی سزاؤں پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔

انہی وجوہات کی بنا پر معاصر فقہاء کرام اور محققین نے ڈی این اے ٹیسٹ کو زیادہ سے زیادہ ایک ایسا قرینہ ظنیہ قرار دیا ہے، جس سے حدود وقصاص کو ثابت نہیں کیا جاسکتا، البتہ مجرم کی تعیین اور جرم کی تفتیش میں دیگر شواہد کی موجودگی میں اس سے رہنمائی ضرور لی جاسکتی ہے۔(۳۶)

نسب کے ثبوت کے لیے ڈی این اے کی بنا پر کیے گیے پاکستانی عدالت کے ایک فیصلے کا قصہ یوں ہے کہ نشتر ٹاؤن لاہور کے رہائشی طارق مسیح کے مطابق روحیل ۲۰۰۱ء میں پیدا ہوا اور دو سال تک اس کے گھر میں اس کی بیوی کے پاس رہا۔ ۲۰۰۳ء میں یہ بچہ اغوا ہو گیا۔ ۲۰۰۵ء میں جب

یہ بچہ محمد علی نامی ایک شخص اوراس کی بیوی کے پاس سے برآمد ہوا تو طارق مسیح نے اس کی واپسی کی درخواست تھانے میں جمع کرادی اور دعویٰ کیا کہ یہ بچہ میرا ہے، جیسا کہ اس کی پیدائش پرچی وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے، لہٰذا اسے میرے حوالے کیا جائے۔

اس موقع پر شہزاد مسیح نامی ایک کنوارے لڑکے نے یہ دعویٰ کیا کہ روحیل تو میرا بیٹا ہے جو ثمینہ ابراہیم گجر نامی ایک لڑکی سے ناجائز تعلقات کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا۔ تھانے میں اس نے ثمینہ سے اپنی شادی کا تذکرہ کیا، البتہ جب یہ معاملہ عدالت میں چلا گیا تو وہاں عدالت کے روبرو اس نے صرف تعلقات اور شادی کے وعدہ کا ذکر کیا۔ وہاں شہزاد عرف پپو نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اپنے اس بچے کو میں نے محمد علی کے پاس اچھی تربیت کے لئے رکھوایا ہوا ہے۔ اب اس بچے کے باپ ہونے کے دو عیسائی شخص دعویدار ہیں: ۱۔ کنوارا شہزاد جو ثمینہ ابراہیم کے ساتھ تعلقات کے نتیجے میں اسے اپنا بیٹا قرار دیتا ہے۔ ۲۔ طارق مسیح جو اسے اپنا اور اپنی بیوی کا بچہ قرار دیتا ہے۔ عدالت نے اس سلسلہ میں ثمینہ کا بیان لئے اور واقعہ کی تفصیلات میں جائے بغیر دونوں سے کہا کہ اگر ڈی این اے ٹیسٹ کرا لیا جائے تو کیا اس کا نتیجہ آپ دونوں مانیں گے؟ دونوں نے اس کا اقرار کرلیا۔ ڈی این اے ٹیسٹ میں یہ بچہ شہزاد سے مشابہ نکل آیا، سو عدالت نے ۲۷/اپریل ۲۰۰۵ء کو ایک فیصلہ کے ذریعے اس کے حوالے کر دیا۔ (۳۷)

عدالت کا بچے کو شہزاد کے حوالے کر دینا گویا زنا کا انعام دینے کے زمرے میں آتا ہے اور اس سے اسلامی معاشرت شدید خطرے میں پڑ جاتی ہے کہ ایک آدمی غلط کام کا بھی ارتکاب کرے اور ساتھ اس زنا کے نتیجے میں ہونے والے بچے کا وارث بھی بن بیٹھے۔

نسب کے ثبوت کے لیے ڈی این اے کی بنا پر پاکستانی عدالت میں کئے گئے ایک اور فیصلہ میں بھی ایسا ہی ایک واقعہ انہی دنوں عدالتِ عالیہ میں امریکہ میں مقیم شخص کا پیش آیا۔ یہ شخص گاہے گاہے پاکستان آتا رہتا۔ اس دوران اس کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی۔ چند سالوں بعد اس کو

اس بچی پر شک گزرا تو وہ اسے امریکہ لے گیا اور وہاں اپنا اور اپنی بچی کا DNA ٹیسٹ کروایا، دونوں کی رپورٹ میں فرق نکلا۔ چنانچہ پاکستان آ کر اس نے اپنی بیوی اور ایک غیر شخص پر زنا کا پرچہ کٹوا دیا۔ یہ پاکستان کی عدالتی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے۔ دوسری طرف جس شخص پر الزام لگایا گیا، وہ بھی عدالت میں اپنے آپ کو اس الزام سے بری قرار دیتا ہے۔ اس کیس میں عدالت نے جناب محمد اسمٰعیل قریشی ایڈووکیٹ کو بھی معاونت کے لئے طلب کیا۔

گذشتہ دِنوں عدالت نے بھی یہ فیصلہ سنا دیا کہ DNA سے زنا کی حد نہیں لگائی جاسکتی۔ اس پر جنرل مشرف نے یہ بیان دیا کہ ہمیں قدامت پسند علما کی تشریحات سے شریعت کو آزاد کرانا ہوگا، DNA زنا کی سزا کے لئے معتبر ہے۔ سابق صدر کے اس بیان کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر DNA کی بنا پر ملزمان کو زنا کی حد لگائی جاتی تب بھی ان کو اعتراض ہوتا، ان کے اس بیان کا مقصد علما کے بہانے سے اسلام کو قدیم قرار دینا اور محض مغرب نواز حلقوں کو خوش کرنا ہے۔ تفصیلات کے لئے اخبارات ملاحظہ فرمائیں۔(۳۸)

ڈی این اے ٹیسٹ کو حدود و قصاص کے معاملات میں تسلیم نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ اس کی وضاحت عدالتی حکم سے بھی ہوتی ہے۔ 15-12-2005 کو پیرمحل کے ایک ارشد نامی آدمی نے یہ دعوی دائر کیا کہ اس کی تین سالہ بیٹی مس کاشف کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا ہے اور اس دعوی کی سماعت محترم جج خرم شہزاد المعروف شہزاد و شیخ نے کی۔ گواہ نہ ہونے کی وجہ سے صرف ڈی این کے ثبوت کو تسلیم نہیں کیا گیا اور اس اپیل کو خارج کر دیا گیا۔ جیسا کہ جج موصوف نے بتایا:

Furthermore, DNA Test is not basic and mist reliable piece of evidance,under the circumstances.

اسی فیصلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے جج موصوف نے ڈی این اے کی قانو نی حیثیت بیان کرتے ہوئے کہا:

Utility and evidentiary value of the DNA test was acceptable but not in a case falling under the panel provision of Zina punishable under Hudood Laws having its standrad proof Principals. (39)

جرم زنا کے ثبوت کے لیے ڈی این اے ٹیسٹ کی بنا پر کیے گئے ایک اور عدالتی فیصلے کا خلاصہ یہ ہے کہ پانچ سال قبل لودھراں سے اپنے خاندان کے ساتھ کراچی آنے والی اٹھارہ سالہ لڑکی کا ریپ مزار قائد کے احاطے میں ہوا۔ پولیس میں رپورٹ درج ہوئی اور ایک ملزم کو پکڑ لیا گیا۔لڑکی نے اسے شناخت کیا اور دو ملزم ڈی این اے ٹیسٹ کے بعد پکڑے گئے۔ پانچ سال بعد کراچی کی ایک عدالت نے فیصلہ سنایا۔ چونکہ کسی نے ریپ ہوتے نہیں دیکھا اور ڈی این اے ٹیسٹ قابل قبول نہیں اس لئے ملزمان کو باعزت بری کیا جاتا ہے۔(۴۰)

تاریخی شواہد اور عدالتی فیصلہ جات کے مطابق ڈی این اے ٹیسٹ کو باقاعدہ دستاویزی شہادت کے طور پر قبول کیا جاتا ہے اور اس کے مطابق معاملات کا تصفیہ یا فیصلہ کیا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈی این اے جرائم کے ثبوت میں ایک اہم ذریعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس حوالے سے متعدد عدالتی فیصلہ جات میں سے ایک فیصلہ جسٹس افتخار محمد چودھری کا ہے اور یہ فیصلہ اس مقدمہ کا ہے جو ایک از خود نوٹس کے تحت شروع ہوا۔اس کے حقائق میں سب سے اہم بات عائشہ نامی ۱۳ سالہ لڑکی کے ساتھ گینگ ریپ ہوا اور پولیس کے افسران نے ملی بھگت سے مقدمے کو الجھا دیا جس کے نتیجہ میں لڑکی نے خودکشی کی کوشش کی اور معاملہ میڈیا کے ذریعے تشہیر اختیار کر گیا۔اس مقدمہ کی سماعت کے دوران وفاقی شرعی عدالت کا یہ فیصلہ بھی سامنے آیا کہ زنا بالجبر کی صورت میں ڈی این اے کے ذریعے باپ کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ سپریم کورٹ کے ایک فیصلہ کے مطابق تو زنا بالجبر کے مقدمات میں مجرم کے تعین کے لئے ڈی این اے ٹیسٹ کو لازمی قرار دیا گیا۔(۴۱)

چنانچہ عدالت نے اس مقدمہ میں اپنا فیصلہ سناتے ہو DNA کے حوالے سے جونکتہ واضح کیا، وہ یہ ہے کہ:

Administration of DNA tests and preservation of DNA evidance should be made mandatory in rape cases.(42)

زنا بالجبر کے مقدمات میں ڈی این اے ٹیسٹ کا اہتمام اور ڈی این اے کی شہادت کا ثبوت لازمی طور پر کیا جائے۔

حاصل بحث:

اگر محض ڈی این اے رپورٹ کو ہی کافی سمجھ لیا جائے تو پاکستان جیسے ملک میں ڈی این اے کی جعلی رپورٹ حاصل کرنا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ماضی میں ہمارے ہاں کتنے ہی معاملات میں جعلی رپورٹوں کا مسئلہ پیش آتا رہا ہے۔ٹیسٹوں کی ایسی ہی غیر یقینی صورت حال پر ہر ایک ماہر کی تنقید ہے۔ڈی این اے ٹیسٹ میں ایک تو وہ فرد ہوتا ہے جو نمونہ حاصل کرتا، ایک وہ فنی ماہر جو اس کو تحلیل کرتا ہے، ایک وہ ڈاکٹر جو کیفیات و نوعیت کا تجزیہ کر کے نتیجہ تحریر کرتا ہے، پھر وہ شخص جو اس رپورٹ کو کمپوز کرتا ہے اور آخر میں وہ شخص جو اس رپورٹ کو وصول کرتا ہے۔کم از کم پانچ افراد کے ہاتھوں سے گزر کر ڈی این اے کی رپورٹ حاصل ہوتی ہے۔ان میں کسی بھی شخص کے لئے عمداً یا سہواً یا کوتاہی کی بنا پر غلطی کرنے کا امکان موجود ہے۔اب ایسے معاملے پر کس طرح ایک انسان یا پورے کنبے کی عزت و تشخص کو داؤ پر لگایا جا سکتا ہے۔

ڈی این اے ٹیسٹ کی حدود اور قصاص کے معاملات میں قانونی طور پر گواہی قابل قبول نہیں اور شرعی اعتبار سے تو ڈی این اے حدود میں بالکل قابل اعتبار نہیں ہے اس ٹیسٹ کو حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے جرائم کے ثبوت لیے دیگر شہادتوں کے ساتھ معتبر ماننا درست ہے۔شرعی طور پر جرائم کے ثبوت میں ڈی این اے پر اعتماد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اثبات جرائم میں اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

وہبہ ذحیلی کی رائے کے مطابق بھی ڈی این اے حدود و قصاص میں قبول نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ انہوں نے لکھا کہ 'یعنی ڈی این اے ٹیسٹ میں متعدد وجوہات کی بناء پر شبہات پیدا ہوتے ہیں اس لیے حدود و قصاص کو ڈی این اے ٹیسٹ کی وجہ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا، کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ حدود و قصاص، شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ جس بچے کا نسب شرعی اصول کے مطابق ثابت ہو اس کے بارے میں ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعہ اشتباہ پیدا کرنا شرعاً جائز نہیں۔ اگر کسی بچہ کے بارے میں چند دعوے دار ہوں اور کسی کے پاس واضح شرعی ثبوت نہ ہو تو ایسے بچے کا نسب ڈی این اے کے ذریعے متعین کیا جا سکتا ہے۔ حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے جرائم کی تفتیش میں ڈی این اے ٹیسٹ سے مدد لی جا سکتی ہے اور اگر قاضی ضرورت محسوس کرے تو اس پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔

گذشتہ دنوں ہمارے ہاں ایسے دو کیس عدالتوں میں پیش آئے ہیں جن میں نسب کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ ان دونوں کیسوں میں ڈی این اے کے ذریعے نسب کو ثابت کرنے کے مسئلہ پر بھی بحث کی گئی۔ اور کسی ایک فیصلہ میں بھی ڈی این اے کو قابل اعتبار قرینہ قرار نہ دیتے ہوئے دیگر شواہد کی بنا پر فیصلہ کیا گیا اور ڈی این اے ٹیسٹ کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس میں بھی ڈی این اے کو صرف ضمنی شہادت کے طور پر ماننے کی سفارشات پیش کی گئی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ الذاریات:۲۱

۲۔ الزبیدی، مرتضیٰ حسینی، تاج العروس، مصر: مطبع الخیریہ، ۱۳۰۶ھ

۳۔ لوئس معلوف، المنجد، ص ۱۲۰

۴۔ الکاسانی، علاؤالدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ج ۷، ص ۳۳

۵۔ الشوکانی، نیل الاوطار، تحقیق: عصام الدین الصبابطی، مصر: دار الحدیث، ج ۷، ص ۱۰۵

۶۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن زید، السنن، باب لاقود الا بالسیف، بیروت: دار احیاء الکتب العربیۃ، ج ۲، ص ۸۸۹

۷۔ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، الاشباہ والنظائر، کتاب الحدود، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۹ئ، ج ۱، ص ۱۵۷

۸۔ ابن قدامہ: المغنی، ج ۸، ص ۲۱۰

۹۔ البیہقی: السنن الکبری، کتاب الحدود، باب من زنی بامراۃ مستکرھۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۳ء، رقم ۱۷۰۲۸

۱۰۔ دارقطنی، علی بن عمر، سنن دارقطنی، کتاب الحدود والدیات، عالم الکتاب۔ بیروت، ج ۳، ص ۱۲۰

۱۱۔ ابن الھمام: فتح القدیر، دار الفکر، بیروت، بدون الطبعۃ والتاریخ، ج ۵، ص ۲۲۹

۱۲۔ الزحیلی، وھبہ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر، بیروت، ط ۲، ۱۹۹۵م، ج ۲، ص ۲۲۵

13. Ralf Dahm:F riedrich Miesher and the Discovery of DNA, Max Planck institue for Development .P.1

14. Ibid

15. http://thelalajie.files.wordpress.com/2013/6/dna.jpg

۱۶۔ محمد طارق، ڈی این اے اور فورنزکس، ۹ جون ۲۰۱۳ئ/(http:wordpress.com)

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ زحیلی، البصمۃ الوارثیۃ و مجالات الاستفادۃ منھا، ص ۲۰

۱۹۔ مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، العدد السابع عشر، ص ۳،

القرۃ داغی: البصمۃ الوارثیۃ من منظور الفقہ الاسلامی، مجلۃ الفقہ الاسلامی، العدد السادس عشر، ص ۲۸

۱۸۔ الزحیلی: الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۲: ۵۷۱
۱۹۔ www.onislam.net/arabic/ask.the.scholr
۲۰۔ http://ejabat.google.pk/thread/tid=651e47ce7201294
۲۱۔ الترمذی: السنن، باب ماجاء فی درء الحدود، مطبعۃ مصطفی البابی مصر، ۱۹۷۵ء، ج ۲، ص ۳۳، رقم ۱۴۸۹
۲۲۔ مدنی، ڈاکٹر حافظ محمد حسن، اسلام میں نسب ونسل کا تحفظ، ماہنامہ محدث، جون 2013ء
۲۳۔ ایضا
۲۴۔ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۳: ۵۷۱
۲۶۔ یاسر ندیم، ڈی این اے ٹیسٹ کے شرعی احکام، جدید فقہی مباحث، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۲۰۰۹ء، ج ۲۰، ص ۲۱۲
۲۷۔ پندھوراں فقہی سیمینار (میسور) بتاریخ ۱۱ تا ۱۳ مارچ ۲۰۰۶ئ، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا
۲۸۔ قاسمی، مولانا بدر الحسن، ڈی این اے ٹیسٹ کے شرعی مسائل کا حل، دارالاشاعت کراچی، ص ۱۵۱
۲۹۔ نظام الدین، ملا، فتاوی عالمگیری، ۲ / ۱۷۱، مطبوعہ، مطبع کبری امیریہ بولاق، مصر ۱۳۱۰ھ
۳۰۔ ایضاً
۳۱۔ نظام الدین، ملا، فتاوی عالمگیری مطبوعہ، مطبع کبری امیریہ بولاق، مصر ۱۳۱۰ھ، ۲ / ۱۷۱
۳۲۔ مجلس فی الفقہ الاسلامی، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاون کراچی
۳۳۔ حدود آرڈیننس 1979ء، (PLD 2005 lah.589 ref.)[p.12]
34. www.gene-watc.org
35.William C.Thompson:The Potential for Error in Forensic DNA Testing:Page:2,http://www.councilforresponsiblegenetics.org
36. Vagas Review. Journal, April 2002 La
۳۷۔ ضیاء، معراج الاسلام، جنید اکبر، حدود وقصاص میں ڈی این اے کی شرعی حیثیت، پشاور اسلامیکس جنوری۔ جون ۲۰۱۰ء
۳۸۔ مدنی، ڈاکٹر حافظ محمد حسن، اسلام میں نسب ونسل کا تحفظ، ماہنامہ محدث، جون 2013ء
39. [PLD 2005 Lah. 589 (a)]
40. (2013 S C M R 203) Supreme court of pakistan
41. "PLD 2007 KARACHI 448"
42. (1999 MLD 2989 Karachi) www.pakistanlawsite.com/pk

عصری معاشی مسائل میں عرف کے اطلاقات کا ناقدانہ جائزہ

محمد تبسم رضا

ABSTRACT:

Islam is the encyclopaedia of human nature and nature rules, so it's the best solution for every era and every body's problem. In this context fiqh plays an important role by telling people all scenarios of human life in all era in the light of Islam and Quran. "Urf" is part of every human nature either knowingly or unknowingly, for Muslims "Urf" should be designed and manipulated in the light of Holy Quran and Sunnah. "Urf" can be termed in modern language as culture, trend or habit of particular group of people. The concept of "Urf" is very significant to understand the culture and habit of all Muslims in all fields of life.

اسلام انسانی فطرت اور فطرتی قوانین کا انسائیکلو پیڈیا ہے اسی وجہ سے ہر دور اور ہر انسانی مسئلے کا بہترین حل ہے اس طرح اسلام اور قرآن کی روشنی میں ہر عہد میں انسانی زندگی کے تمام مراحل میں فقہ اہم کردار ادا کرتی ہے جانتے یا نہ جانتے ہوئے عرف ہر انسانی فطرت کا حصہ ہے پاک قرآن اور سنت کی روشنی میں عرف مسلمانوں کیلئے تخلیق کیا گیا جدید زبان میں عرف مخصوص لوگوں کی عادت، رواج اور ثقافت کیلئے استعمال ہوتا ہے تمام مسلمانوں کی عادت اور ثقافت کو سمجھنے کیلئے عرف کا تصور بہت اہم ہے۔اسلام کی تعلیمات کے مطابق تمام شعبہ ہائے زندگی میں مسلمانوں اور مسلم معاشرے کیلئے عرف استعمال کیا جاسکتا ہے۔

تعارف:

ایسا امر جو عام طور پر عوام وخواص کے درمیان اچھا سمجھے جانے کی وجہ سے رائج ہو اور عقل سلیمہ اسے تسلیم کرتی ہوں۔(۱) یہ لفظ اجتماعی عادت کے لیے بولا جاتا ہے اور اس تعریف میں عرف عملی اور قولی دونوں شامل ہیں۔

شرح التحریر میں ہے کہ عادت سے مراد بار بار ہونے والا امر ہے۔(۲)

عادت ''معاودہ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی اس قدر بار بار سرزد ہو کہ انسانی نفوس میں معروف ومستقر ہو جائے اور بغیر کسی عقلی قرینہ کے لوگ اسے شرف قبول کریں حتی کہ یہ عادت ایک عرفی حقیقت کی صورت اختیار کرلے(۳)

جو طریقہ تمام لوگوں میں یا ایک فرقے میں مروج ہو وہ عادت یا رواج کہلاتا ہے۔(۴)

''عرف'' اور ''عادت'' کے الفاظ ہم معنی ہیں۔بعض دفعہ اس مفہوم کے لیے استعمال اور ''تعامل'' کے الفاظ بھی بولے جاتے ہیں۔''رسم'' اور ''رواج'' کے الفاظ بھی عرف اور عادت کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں۔یہ سب الفاظ (عرف،عادت،تعامل،استعمال،رسم،رواج) اس قدر قریب المفہوم ہیں کہ فقہاء انہیں مترادفاً استعمال کرتے چلے جاتے ہیں(۵) تاہم اصول فقہ میں اس مفہوم کے لیے عرف کا لفظ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

عرف کے مطابق عمل کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں دیا ہے۔

خذالعفو وأمر بالعرف (٦)

''عفو سے کام لیجئے اور عرف کے مطابق حکم دیجئے''

رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں یہ امر بھی شامل ہے کہ آپ معروف کا حکم دیتے ہیں اور یہ خصوصیت آپ ﷺ کی امت کے نیک لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے۔(۷)

قرآن کریم میں مختلف معاملات کے بارے میں احکام بیان کرتے ہوئے ضمنی طور پر معروف کی پابندی کرنے کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے، حسب ذیل امور میں معروف کے مطابق عمل کی تلقین کی گئی ہے۔

☆ قصاص ودیت (۸)

☆ والدین اور رشتہ داروں کے لے وصیت (۹)

☆ میاں بیوی کے حقوق (۱۰)

☆ طلاق کے معاملات (۱۱)

☆ نکاح کے معاملات (۱۲)

☆ رضاعت یا دودھ پلائی کی اجرت (۱۳)

☆ باہم گفتگو (۱۴)

☆ یتیم کے مال پر اس کے حق پرست کا اختیار (۱۵)

☆ میاں بیوی کا باہمی سلوک (۱۶)

☆ معروف بات کی سرگوشی میں خیر ہے (۱۷)

جہاں تک عرف کی شرعی حیثیت جاننے کیلئے فقہائے کرام کے اقوال ونظریات کی طرف رجوع کی بات ہے تو یہ بات حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ تمام فقہائے کرام نے اپنی تصانیف میں عرف کی استنادی حیثیت کو تسلیم کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے فقہائے حنفیہ نے

بیشتر مسائل میں عرف کی حیثیت کو تسلیم کیا ہے جس زمانے میں امام محمد بن حسن شیبانی فقہ حنفی کے وہ ابواب مرتب کر رہے تھے جن کا تعلق معاملات سے ہے وہ تو بازار میں جا کر بیٹھا کرتے تھے دوکانداروں کو کاروبار کرتے دیکھا کرتے تھے خریداروں کے انداز خریداری کا مطالعہ کرتے تھے وہ جاننا چاہتے تھے کہ کاروبار اور تجارت کی کونسی کونسی شکلیں کوفہ وبغداد کے بازاروں میں رائج ہیں ہم کہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے میں بزنس ایڈمنسٹریشن کا علم حاصل کر رہے تھے بزنس ایڈمنسٹریشن کا علم حاصل کرنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہ معلوم کریں ان کے زمانے، ان کے علاقے، ان کی قوم میں معیشت وتجارت کی کتنی شکلیں رائج ہیں جن کے ذریعہ لوگ آپس میں لین دین کر رہے ہیں تا کہ ان صورتوں کے جائز وناجائز ہونے کے بارے میں وہ قرآن وسنت کے احکام کی روشنی میں کوئی فتوی دے سکیں۔

چنانچہ بہت سے متقدمین فقہاء نے اپنی تصانیف میں صراحت کے ساتھ عرف کی حجیت ہونے کو بیان کیا ہے مثال کے طور پر احناف میں امام سرخسی فرماتے ہیں:

الثابت بالعرف کالثابت بالنص،

جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ نص سے ثابت کی مثل ہے۔

فقہائے مالکیہ احناف کے مقابلہ میں عرف کو زیادہ قوی سمجھتے ہیں اور ان سے بیشتر مسائل کا استنباط کرتے رہتے ہیں فقہائے مالکیہ میں سے ابن العربی، قرافی، المقری، ابن لب، شاطبی، اور نشرینی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں عرف کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس سے استدلال اور ماخذ ہونے کی صراحت کی ہے۔

فقہائے شافعیہ نے بھی دیگر غیر منصوص مسائل میں عرف سے استدلال کیا ہے ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

ان الحکم بین المسلمین فی معاملاتھم واخذھم واعطائھم علی العرف المشتمل بینھم(۱۸)

مسلمانوں کے معاملات اور لین دین کے احکام عرف پر ہوں گے۔

حنابلہ کی فقہی کتابوں میں بہت سے مسائل کا استنباط اور مدار عرف کو بتایا گیا ہے، علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

العقد المطلق یرجع فی موجبہ الی العرف،

مطلق عقد کے وقت اس کے حکم کے لئے عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا،(۱۹)

علامہ ابن قیم حنبلی اس موضوع پر اپنی کتاب '**اعلام الموقعین عن رب العالمین**' میں ایک باقاعدہ فصل لائے ہیں۔

عرف کی مثالوں کا احاطہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ تغیر زمان اور اختلاف عصر پر مبنی ہوتا ہے۔ بطور مثال بعض مسائل جن میں اہل زمانہ کے عرف کے مطابق فتویٰ دیا گیا ہے درج ذیل ہے۔

۱۔ جہیز کا سامان عرف کے تحت زوجہ کی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔

۲۔مکان خریدتے ہوئے عقد بیع میں چھت سے اوپر کی فضا کا ذکر ہو تو بھی حقوقِ مکان میں شامل ہوتی ہے۔اس کی بنیاد عرف پر ہے۔

۳۔ استصناع ایک جائز عقد ہے کیونکہ عرف کے طور پر رائج ہے اور اس کی حاجت رہتی ہے، حالانکہ یہ بیع معدوم ہے جس کی قیاس اجازت نہیں دیتا۔

۴۔مالکیہ نے اور حنفیہ میں شمس الائمہ حلوانی نے درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع جائز بتائی ہے جبکہ ان میں بعض ظاہر ہو چکے ہوں اور بعض ظاہر نہ ہوئے۔ یہ تعامل وعرف کی وجہ سے ہے، جو ضرورت کی بنا

پر وجود میں آیا ،حالانکہ بیع معدوم کی ہے۔ابن عابدین نے اس بیع کے جواز کا فتوی دیا ہے۔

۵۔بعض اشیائے ضرورت کی خرید مثلاً گھڑی، ریڈیو، واشنگ مشین اور ریفریجرٹر وغیرہ گارنٹی اور بعداز فروخت سروس کی شرط کے ساتھ کہ ایک خاص مدت تک خرابی کے درستی کی جائے، جائز ہے کیونکہ یہ عرف کا تقاضا ہے حالانکہ فقہی قواعد کی رو سے بیع میں شرط ہے۔

۶۔وقف کرنے والے کے الفاظ اس کے اپنے زمانے کے عرف پر مبنی ہوتے ہیں۔

عرف کی شرعی حیثیت:

اسلامی قانون کے ماخذ چار ہیں کتاب' سنت' اجماع اور قیاس ۔کتاب وسنت ایسے ماخذ ہیں جن کی حیثیت مستقل بالذات ہے اور اجماع وقیاس کی حیثیت اجتہادی ماخذ کی ہے ان کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کسی مسئلہ میں شریعت کے صریح احکام موجود نہ ہوں۔اس صورت میں شریعت کے صریح اور عمومی احکام اور ان کی روح کو سامنے رکھ کر کوئی مجتہد تنہا یا بہت سے مجتہدین مل کر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ یا رائے دیں۔اس رائے اور اس اجتہاد میں جن ذرائع و وسائل سے کام لیا جاتا ہے وہ استدلال' استحسان' استصلاح' سد ذرائع اور عرف وغیرہ کہلاتے ہیں۔

عرف وعادت کے شرعی دلائل:

قرآن حکیم میں عرف اور معروف کے الفاظ کئی مقامات پر آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت میں عرف وعادت کو ماخذ احکام کا درجہ حاصل ہے۔چند آیات کریمہ یہ ہیں:

(ا) عرف یعنی نیکی کا حکم دینا:

خذ العفو و امر بالمعروف و اعرض عن الجاهلين (۲۰)

اے محمد ﷺ عفو اختیار کیجئے اور عفو کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے کنارہ کیجئے۔

(۲) دستور کے مطابق:

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف۔(۲۱)

عورتوں کا مردوں پر ویسا ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتں پر ہے۔

وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف(۲۲)

اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہوگا۔

احادیث میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ ھندہ بنت عتبہ نے اپنے خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ اخراجات میں ھاتھ ذرا کھینچ کر رکھتے ہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ میں ان کی لاعلمی میں کچھ لے لیا کروں ؟اس پر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خذی مایکفیک وولدک بالمعروف

معروف یعنی جتنا تیرے اور بچوں کیلیئے کافی ہو اتنا لے لے

علامہ عینی اس پر فرماتے ہیں ''معلوم ہوا کہ عرف ایک معتبر اور جاری عمل ہے'' (۲۳)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اثر ہے:

مارأہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن و ماراہ سیئا فھو عنداللہ سیئا

(۲۴)

جس چیز کو مسلمان پسندیدہ سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی پسندیدہ ہے المسلمون سے مراد وہی لوگ ہیں جو عقل صحیح اور قلب سلیم رکھتے ہوں۔

عرف وعادت سے متعلق کلیات:

فقہائے اسلام نے عرف وعادت کی اہمیت کو اجاگر کرنے کیلئے کئی اصول وضع کیے ہیں، مثلاً

۱۔ العادة محكمة

عرف وعادت فیصلہ کن چیز ہے۔

۲۔ التعيين بالعرف كالتعيين بالنص

عرف کی تعیین کی وہی حیثیت ہے جو نص کی تعیین کی ہے۔

۳۔ العرف غير معتبر في المنصوص عليه

منصوص علیہ میں عرف کا اعتبار نہیں ہے۔

۴۔ انما تعتبر العادة اذا اطردت او غلبت

عادت کا اعتبار اسی وقت ہے جب وہ تسلسل اور دباؤ کے تحت جاری ہو۔

۵۔ العادة طبيعة ثانية

عادت فطرت ثانیہ ہے۔

عرف کی اساس:

عرف وعادت کی حجیت کے یہ معنی ہیں کہ کسی معاشرہ میں یہ قاعدے یوں ہی رائج نہیں ہو جاتے بلکہ ان کے پیچھے عدل وانصاف، ہمدردی اور آسانی کے اصول کارفرما ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ان کو تسلیم کیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو اس کیلئے پیشگی اجازت کی ضرورت نہیں اگر کسی کے ہاں آگ لگ جائے تو اس کا دروازہ توڑ کر اندر گھس جانے اور سامان بچا لینے کے لئے کسی تائید یا منظوری کی ضرورت نہیں۔ مہمان کو میزبان

کے ہاں رہتے ہوئے اس کے گھر کی ایسی چیزیں استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جنہیں عرف عام میں مہمان استعمال کرتا ہے۔ معاملات میں خصوصیت سے عرف و عادت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کیونکہ اگر تصرف کے لئے اجازت و شرائط کا طے کرنا لازمی قرار دیا جاتا تو روزانہ کے معمولات متاثر ہوتے اور جینا دشوار ہو جاتا۔

علامہ ابن قیم (م ۷۵۱ھ) نے شریعت میں اعتبار عرف کی سو سے زائد مثالیں پیش کی ہیں جن میں چند یہ ہیں:

جس جگہ جو سکہ رائج ہے، بول چال میں جب مطلق سکہ کہا جائے گا تو وہاں کا جاری سکہ ہی مراد لیا جائے گا' گو الفاظ نہ کہے گئے ہوں۔

کرائے کے جانور کی سست رفتاری پر اسے چابک مار دینا اور اپنے کام کاج کیلئے قدرے ٹھرا لینا۔

جو کام خود سے نہ ہو سکے اس کیلئے کسی وکیل کو مقرر کر لینا۔

پڑوسی کے گھر میں آگ لگی ہے کوئی جلدی سے اس کے مکان کا حصہ گرا دیتا ہے تا کہ آگ نہ پھیلے۔ بلا شک و شبہ یہ جائز ہے۔ حکم شرعی بھی فائدہ عامہ کے مطابق ہوگا۔(۲۵)

عرف کی تاثیر کے شرائط:

(۱) عرف عوام و خواص سب میں رائج ہو۔

نشر العرف میں ہے:

"فکل منهما لا یکون عاماتبنی الاحکام علیه حتی یکون شائعامستفیضا بین جمیع اهله"(۲۶)

عرف خاص اور عرف عام جب تک اپنی حد میں رہنے والے تمام لوگوں میں شائع اور مشہور نہ ہوں مدار احکام نہ ہوں گے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''عرف وتعامل جس میں اجتہاد درکنار، علم بھی درکنار نہیں' (اس میں) علماء وجہلاء سب کا عمل درآمد ملحوظ ہے'' (۲۷)

(۲) عرف معاشرے میں پہلے سے پایا جاتا ہو اور اس پر مبنی قول یا فعل کے صدور تک برقرار ہو۔

اشباہ میں ہے:

''العرف الذی تحمل علیه الالفاظ انما هو المقارن السابق دون المتاخر ولذا قالو لا عبرة بالعرف الطاری' فلذا اعتبر العرف فی المعاملات' ولم یعتبر فی التعلیق فیبقی علی عمومه ولا یخصصه العرف'' (۲۸)

الفاظ جس عرف پر محمول ہوتے ہیں یعنی جس عرف کے پیش نظر الفاظ کے معنی متعین ہوتے ہیں یا مثلاً الفاظ عام کے معانی خاص ہوتے ہیں یہ صرف وہ عرف ہے جو پہلے سے پایا جائے اور الفاظ کے بولنے کے وقت بھی وہ قائم ہو اور کلام سے مقارن ہو۔ اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا کہ ''عرف طاری کا کوئی اعتبار نہیں لہذا خرید وفروخت وغیرہ معاملات میں عرف کا اعتبار ہوگا اور تعلیق یعنی شرط پر معلق امور میں عرف کا اعتبار نہ ہو گا' لہذا معلق امور میں الفاظ عام اپنے عموم پر باقی رہیں گے اور عرف کی وجہ سے ان میں کوئی تخصیص نہ ہوگی۔

(۳) صاحب معاملہ نے یا بندے نے عرف کے خلاف صریح الفاظ میں کوئی بیان نہ دیا ہو۔

لان الصریح یفوق الدلالة'

اس لئے کہ صریح بیان عرف کی دلالت پر فوقیت رکھتا ہے۔

الفقہ الاسلامی میں ہے:

العادة تجعل حکما اذا لم یوجد التصریح بخلافه(۲۹)

عادت کومختلف اقوال کے مابین حکم مانا جائے گا جبکہ اس کے خلاف صراحت نہ ہو۔

(۴) عرف عام سے کسی نص شرعی کا ابطال نہ لازم آئے اور عرف خاص سے اس کی تخصیص 'نیز قیاس کا ترک بھی لازم نہ آئے۔

(۵) معاشرہ میں قول یا فعل کا رواج اسے محظور سمجھ کر ہوا ہو۔قبیح چیزوں کا ترک اچھا سمجھ کر ہوا تو وہ بھی اسی میں شامل ہے۔

(۶) عرف مسلمانوں کا ہو۔صرف غیر مسلموں کا عرف مسلمانوں کے امور میں غیر معتبر ہے۔

(۷) عرف عقلی نہ ہو'یعنی جس چیز کا مسلمانوں میں رواج ہوا وہ کسی علاقہ عقلیہ کی وجہ سے نہ ہو بلکہ صرف عقل کے اچھا سمجھنے کی وجہ سے ہو۔

ضرورت واہمیت:

جب قرآن پاک نازل ہوا اس زمانے میں پوری دنیا میں جو تجارت ہو رہی تھی اس کا بڑا حصہ زراعت پر اور زرعی مصنوعات پر مشتمل تھا بہت تھوڑا حصہ تھا جس کا تعلق غیر زرعی مصنوعات سے رہا ہو اس لئے جب فقہائے اسلام نے پہلی صدی ہجری کے اواخر سے لیکر اور دوسری صدی ہجری کے اواخر تک کے زمانہ میں فقہی احکام کی ترتیب کا آغاز کیا اور بعد میں ان کے

تلامذہ نے پورے فقہی مکاتب مرتب کر دیے تو انہوں نے اپنے زمانے کے لحاظ سے اسلام کی معاشی تعلیمات کو بھی مرتب کیا اپنے اجتہادات سے اس زمانے میں پیش آمدہ مسائل کا جواب دینے کی کوشش کی بعض امور معاشرہ میں اس قدر رواج پذیر ہو جاتے ہیں جسے ہر کس و ناکس اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے ان امور میں خرید و فروخت کے مسائل اہم سمجھے جاتے ہیں یہ امور اور معاملات یقینی طور پر ہر شخص کی زندگی کا ایک حصہ ہیں اس سے کوئی شخص بھی مستغنی نہیں ہوسکتا مستزاد یہ کہ خرید و فروخت کی معاشرہ میں مختلف صورتیں پائی جاتی ہیں اور پھر یہ صورتیں زمانہ کے حالات اور تقاضوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ ان میں بھی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں اور نئی نئی صورتوں سے لوگوں کو سابقہ پڑتا رہتا ہے اس طرح معاش زندگی کا وہ ستون ہے جس کے بغیر انسان کے لئے زندگی بسر کرنا محال ہے۔

حوالہ جات

۱۔ رضوی، مفتی نظام الدین، فقہ اسلامی، دار النعمان، کراچی، ص ۱۸۶

۲۔ ابن عابدین، محمد امین (۱۲۵۲)، رسائل ابن عابدین، دار الفکر، بیروت، ج ۲، ص ۱۱۴

۳۔ ایضاً، ج ۲، ص ۱۱۵

۴۔ صبحی محمصانی، فلسفۃ التشریع فی الاسلام، بیروت ۱۹۵۲ء، ص ۲۹۵

۵۔ الامینی، فقہ اسلامی کا تاریخی پسِ منظر، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص ۳۰۶، ۳۰۷

۶۔ الاعراف: ۱۵۷

۷۔ آل عمران: ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۴، التوبہ: ۹:۱۷، ۱۱۶، الحج ۲۲: ۴۱

۸۔ البقرہ: ۱۷۸

۹۔ ایضاً: ۱۷۰

۱۰۔ ایضاً: ۲۲۸

۱۱۔ ایضاً: ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۶، ۲۴۱، اطلاق ۲۵: ۲۔

۱۲۔ ایضاً ۲۳۲، ۲۳۵، النسائ: ۲۵

۱۳۔ ایضاً: ۲۳۳، الطلاق ۶۵: ۶

۱۴۔ ایضاً: ۲۳۵، ۲۶۳، محمد ۴۷: ۲۱

۱۵۔ النسائ: ۶

۱۶۔ ایضاً: ۱۹

۱۷۔ ایضاً: ۱۱

۱۸۔ ابن جریر، ابو جعفر محمد بن جریر الطبر ی، تھذیب الآثار، القاہرہ، مطبعہ المدنی، ۱۹۸۳ئ، ج ۱، ص ۸۹

۱۹۔ ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام، مجموع فتاوی مدینہ منورہ، ص ۷۶

۲۰۔ الاعراف:۱۹۹

۲۱۔ البقرہ:۱۸۰

۲۲۔ ایضاً:۲۳۳

۲۳۔ عینی، بدرالدین، ابومحمد محمود بن احمد، عمدۃ القاری، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ، ج ۷، ص ۱۲

۲۴۔ امام احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، دارالفکر، بیروت۔ ج ۱، ص ۳۷۹،

۲۵۔ ابن قیم، اعلام الموقعین، قاہرہ، ۱۹۳۶ئ، ج ۵ ص ۵۷۷ تا ۵۹۷

۲۶۔ ابن عابدین، محمد امین، رسائل ابن عابدین، ج ۲: ص ۱۳۲، دارالکتب العربی، بیروت

۲۷۔ بریلوی، امام احمد رضاخاں، فتاوی رضویہ، رسالہ المنی الدرر، رضا فاونڈیشن، لاہور، ج ۸، ص ۲۱۰

۲۸۔ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، الاشباہ والنظائر، القاعدۃ السادسہ العادۃ محکمۃ، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۹ھ، ص ۱۲۲

۲۹۔ وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دارالفکر، ۱۴۰۵ھ، ج ۱، ص ۱۹۸

علم کلام میں محمد زاہد الکوثریؒ کی آراء (تحقیقی و تنقیدی جائزہ)

محمد شفیق عاصم

ABSTRACT:

When Allah created the man, He gave wisdom for the preparation of Reward day.The wisdom is the base of conscious. With its help we can be aware about universe, so Allah said it is great award for human being. Ilam ul kalam became a regular discipline when the arguments and discussin dealt with the content of the faith. In ninteen century Muhammad Zahid al-kawthri Al-hanfi (1296-1371A.H) the last Shiekh al- islam of the Ottoman Caliphate. He was a great hanfi jurist praised by Iman Muhammad Abu Zahra as a Riviver of the fourteen Islamic century. He studied under his father as well as the scholar of Quran and hadith Ibrahim Haqqi (d.1345). When the Caliphate fell down, he moved to Cairo, then Syria, then Cairo again until his death. He was a well-known Mutakallim. He wrote many books, prefaces of books, articles and descripation. His prefaces are more valueable than his books. Although he wrote in many discipline but he discussed creed specially.

خالق کائنات نے حضرت انسان کو جب پیدا کیا تو ساتھ ہی آخرت کی تیاری کے لیے عقل و شعور کے نعمت سے نوازتے ہوئے اسے غور و فکر کی دعوت دی۔ اسی غور و فکر کی اساس وہی عقل و شعور ہے جسے اللہ تعالی نے نعمت عظمی کہا۔ عقل کے تابع غور فکر کے نتیجے میں منطق، علم فلسفہ

وجود میں آیا۔قرآن مجید میں اللہ تعالی نے متعدد آیات میں انسان کو کائنات میں غور فکر کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ توحید اور صفات الٰہی پر ایمان لانے کا حکم دیا جس کی مثالیں قرآن مجید میں جا بجا آئی ہیں۔

حدوث عالم سے اثبات توحید وصفات خاص منہج قرآنی ہے جس کی مثال حضرت ابراہیمؑ کا وہ واقعہ ہے جس میں نھوں نے اجرام فلکی سے اثبات وجود باری تعالی کا ستدلال کیا ہے۔اس طرح قرآن نے مشرکین کو اسباق توحید یاد دلاتے ہوئے بہت جگہوں پر جدل کیا ہے۔ اسی علم الجدل کو علم کلام کا جاتا ہے۔قرآن کے علاوہ حدیث رسول اللہ ﷺ میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں جیسا کہ روح، جنت ودوزخ، پیدائش عیسیٰؑ حشر ونشر کی باتیں۔

صحابہؓ کے عقائد پختہ تھے وجہ یہ تھی کہ ان کے سامنے شارح اعظم موجود تھا اور سلسلہ وحی بھی جاری تھا جب بھی عوام الناس میں سے کسی نے عقائد کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا تو وحی الٰہی سے اس کا جواب مل گیا جس کی مثال مشرکین مکہ کا روح کی ماہیت کے بارے سوال تھا۔عہد رسالت ﷺ اور عہد خلفاء راشدینؓ کے بعد جب اسلام بلاد عرب میں پھیل گیا تو دوسری اقوام جو کہ فلسفہ یونانی کی پیروی کررہی تھیں انھوں نے اسلامی عقائد کو خالص عقل کی بنیاد پر سمجھنا چاہا جس کی وجہ سے انھوں نے اسلامی عقائد پر اعتراض کیے۔

مسلمان علماء ومفکرین نے ان کے بھرپور جواب دینے کے لیے باقاعدہ طور پر ایک ایسے علم کی بنیاد رکھی جس کو علم کلام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس علم کے ذریعے علماء نے اپنے اپنے دور میں عقائد میں پیدا ہونے والے شبہات کو دور کیا۔ابتداء میں امت عقائد کی تشریح کے حوالے سے دو گروہوں میں منقسم ہوئی۔ ۱۔اہل سنت ۲۔اہل بدعت

پھر وقت کے ساتھ ساتھ عقائد کے بارے میں پیچیدہ سوالات کا جواب دینے کے لیے علماء اہل سنت مزید تین گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔

۱۔محدثین کا گروہ ۲۔اشاعرہ ۳۔ماتریدیہ

ان تینوں گروہوں میں سے جس گروہ نے نصوص کے ظاہری معنی پر انحصار کیا وہ ہیں محدثین کا گروہ اور دوسروں نے نصوص کے ظاہری معنی کی بجائے نصوص کی ایسی تاویل کی جو قرآن وسنت کے عین مطابق تھی یہ گروہ تھا اشاعرہ اور ماتریدیہ کا۔ان میں صرف کیفیت وکمیت کا ہی فرق ہے۔وقت کی ضرورت کے ساتھ اللہ تعالی ایسے اولیاء کو پیدا کرتا رہتا ہے جو اپنے وقت کے ملحدین کے آگے بند باندھتے رہتے ہیں۔برصغیر میں اس کی مثال حضرت مجدد الف ثانیؒ ہیں اور ان کے بعد ترکی کے معاشرے میں اللہ تعالی نے مجدد فی القرن العشرین محمد زاہد الکوثریؒ کو پیدا کیا۔آپؒ بیک وقت صوفی، متکلم، محدث اور فقیہی ہیں لیکن آپؒ بحیثیت متکلم زیادہ مشہور ہیں جس کی شہادت ان کی طرف سے متقدمین کی کتب پر لکھی جانے والی تعلیقات اور مقدمات ہیں۔

قرآن مجید میں اثبات توحید کی دلیل دیتے ہوئے فرمایا:۔

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْر ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْن''(۱)

زمین وآسمان کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ''(۲)

اللہ تعالی نے بے شمار مخلوقات پیدا فرمائیں جن میں انسان بھی ایک مخلوق ہے بارے میں فرمایا:۔

''اِنِّیْ جَاعِل ''فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً''(۳)

حصول خلافت الٰہی کا معیار مقرر کرتے ہوئے فرمایا:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا''(۴)

اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ڈرنا کیسے ہے ارشاد ہوا:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا''(۵)

انسان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالی نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور یہ سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور نبی آخری الزمان ﷺ تک جاری رہا۔قرآن مجید اللہ تعالی کی وہ کتاب ہے جو حکمت سے بھرپور ہے اور اس میں بیان ہونے والے اسرار ورموز کی وضاحت فرمائی۔جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے جب یہ آیت تلاوت فرمائی:

''ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰت'' مُّحْکَمٰت'' ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰت'' ط فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغ'' فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ ج وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ م وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ لا کُلّ'' مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَاب'' اور پھر نبی ﷺ نے فرمایا''فاذا رایت الذین یتبعون ماتشابہ منہ فاولئک الذین سمی اللہ فاحذرھم''(۶)

پیدائش انسان کے بعد عقل وخرد کا معاملہ اسی وقت سے شروع ہو گیا جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو مختلف چیزوں کے نام سکھائے جیسا کہ ارشاد پاک ہے:

''قَالَ یٰاٰدَمُ اَنْۢبِئْھُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ''(۷)

اس کی تفسیر امام جلال الدین نے اس طرح کی ہے:-

''علم آدم من الاسماء اسماء خلقه ثم قال ما لم تعلم الملائكة فسمی کل شی''(۸)

یہ وہ علم تھا جو اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ عقل کی بنیاد پر تھا۔ گو کہ علم کلام کی اصطلاح عہد رسالت مآب ﷺ میں موجود نہیں تھی لیکن روح علم کلام موجود تھی جس کی شہادت وہ نصوص ہیں جن میں عقلی دلائل سے توحید و صفات الٰہی کو ثابت کیا ہے۔

علم کلام:

علم کلام دو الفاظ کا مجموعہ ہے، علم جس کا مادہ ع ل م اور یہ جہل کا متضاد ہے۔ اس کا معنی ہے:

''العلم هو ادراک الشیء علی ماھو به''(۹)

تو گویا علم کے معنی کسی چیز کے ذات و ماہیت کے ادراک کا نام ہے۔

کلام کے معنی ہیں معروف جیسا کہ ابن منظور فرماتے ہیں:-

''الکلام القول معروف''(۱۰)

امام غزالی معجزہ کے بیان کے بعد علم کلام کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فاذا اخب عنه صدق العقل به هذه الطریق فهذا ما یجو به علم الکلام فقد عرت هذا انه یبتدی نظرۃ فی اعلم الاشیاء اولا وهو الموجود''(۱۱)

اور اس کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں:

"علم الکلام فمادته المیزبین البراهین والا غالیط والمیزبین العلوم والاعتقادات والمیزین مجازی العقول و موافقفها واما مقصوده فهو الاحاطه بحدوث العالم وافتقاره الی صانع موثر"(۱۲)

علامہ جرجانی فرماتے ہیں:۔

"علم باحث عن الاعراض الذاتیة للموجود من حیث هو علی قاعده الاسلام"(۱۳)

یعنی علم کلام وہ علم ہے جس سے عقل کی بنیاد پر عقائد کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔(۱۴) ثابت ہوا کہ اعتقاد کے علم کو علم توحید وصفات کہتے ہیں اس لیے توحید کا علم وہ علم ہے جو علوم میں اشرف المقاصد ہے اور اشہر المباحث ہے وہ علم جو عقائد کی معرفت کا فائدہ دے کلام ہے اس لیے علم کلام دونوں کے لیے بنیادی اساس کی طرح ہے۔(۱۵)

جب دوسری صدی ہجری، ابوجعفر منصور عباسی کے دور میں بعض رہبان کی طرف سے اسلام پر فلسفہ کی روشنی میں اعتراضات وارد ہوئے تو مسلمان علماء اور مفکرین نے فلسفہ کو نصوص کی بنیاد پر استوار کرتے ہوئے یورپی اقوام کو اسلام کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔اس کے بعد جب علم کلام باقاعدہ ایک علم وفن کی حیثیت سے سامنے آیا تو کچھ حضرات نے اس کی مخالفت کی جیسا کہ امام غزالی فرماتے ہیں:

"والی التحریم ذهب الشافعی ومالک واحمد بن حنبل و سفیان و جمیع اهل الحدیث من السلف"(۱۶)

امام سبکی علم کلام پر اس طرح بات کرتے ہیں کہ **"فی کتب المتقدمین جرح جماعة بالفلسفة ظنا منهم ان علم الکلام فلسفه"(۱۷)**

بیان کی گئی علماء کی آراء کو اگر مدنظر رکھا جائے تو علم تفسیر کی طرح علم کلام کو بھی دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔علم کلام المحمود ۲۔علم کلام المذموم

علم اکلام المحمود: وہ جو عقلی دلائل اور قرآن وسنت کے عین مطابق ہوں علم کلام المحمود کہلاتا ہے۔

علم کلام المذموم: وہ عقلی دلائل جو صریح نصوص کے خلاف ہوں علم کلام المذموم کہلاتا ہے۔

غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علماء نے جس علم کلام کی مذمت کی ہے وہ علم کلام المذموم ہے نہ کہ المحمود جو عقائد کی معرفت کے لیے اشرف العلوم کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس سلسلے میں علماء صالحین امت نے اپنی اپنی فکر کے مطابق کوششیں کیں لیکن ایک دور وہ آیا جب امت مسلمہ کے اندر مختلف باطل فرقوں کا ظہور رہوا۔انھوں نے عقلی مسائل کی خاص فکر سے تشریح شروع کی جن کے ذہن پر فلسفیت کا بھوت سوار تھا انھوں نے عقل کا رتبہ نقل سے بڑھا کر اسے تقریباً اصل کا مقام دے دیا اور نقل کو ثانوی مرتبہ پر چھوڑ دیا جیسے معتزلہ نے کیا۔اس دور میں قرآن مجید کی تفسیر متکلمانہ انداز سے لکھی جانے لیکن اس کے تناظر میں کسی نے قرآن مجید کو خلق کہا اور کسی نے اللہ تعالیٰ کی اسماء وصفات پر بات کرنا شروع کی ۔علم کلام المحمود پر امت کے متقدمین دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ایک گروہ وہ تھا جس نے اس علم کی بنیاد قرآن وحدیث کے ظاہری الفاظ کے مفہوم پر رکھی اور ظاہری کہلائے انھوں نے عقل کے گھوڑے دوڑانے سے منع کیا یہ گروہ خود کو تو احمد بن حنبل کا پیرو کہلاتا ہے لیکن حقیقت میں یہ لوگ ابو حامد کے پیرو ہیں۔اس میں ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ شامل ہیں۔

دوسرا گروہ وہ تھا جس نے حکم ربانی کو مانتے ہوئے نصوص کی تاویل کرتے ہوئے فلسفیانہ یلغار کو بھر پور جواب دینا چاہا جیسا کہ ارشاد ہے:

''اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا'' (۱۸)

اس نص قرآنی پر عمل کرتے ہوئے ملحدین کو جواب دیا اس گروہ کے عمومی سردار امام ابو حنیفہؒ، ابوالحسن الاشعریؒ اور امام ابومنصور ماتریدیؒ ہیں۔ (۱۹)

اس کے بعد امت میں فکر اشعری اور ماتریدی جاری رہی جس میں فرق صرف کیفیت و کمیت کا ہی ہے۔ (۲۰)

علم کلام ایک مشکل علم ہے لیکن متکلمین اہل سنت نے مختلف ادوار میں متکلمانہ مباحث کو جاری رکھتے ہوئے عقل وخرد کی گتھیاں سلجھائیں۔ بیسویں صدی میں جب سلطنت عثمانیہ اپنے آخری سانس لے رہی تھی اور یہ دور تھا سلطان عبدالحمید ثانی کا جب استعماری قوتیں میدان جنگ کے ساتھ ساتھ فکری میدان میں بھی برسر پیکار تھیں اور مسلمانوں کے عقائد کو بھی حدف تنقید بنایا جا رہا تھا۔ (۲۱)

اس دور میں علم کلام نے ایک نیا انداز اختیار کیا اور عقائد کے ساتھ ساتھ سائنسی مباحث، سیاسی مباحث بھی علم کلام کا حصہ شمار ہونے لگے۔ اسی در میں ایک علمی ستارہ طلوع ہوا جس نے فکر اہل سنت کو ایک خاص انداز سے عام انسانوں کی فہم کے مطابق پیش کیا اور متقدمین کی پیروی کے ساتھ ساتھ کچھ نئی فکر بھی دی اور وہ ہیں علامہ، محقق، مفسر، محدث، فقیہ، سیرت نگار، سوانح نگار، صوفی اور متکلم محمد زاہد بن حسن حلمی کوثریؒ حنفی۔ آپؒ ۱۸۷۲ء کو ترکی کے ایک شہر دوزخہ میں پیدا ہوئے۔ (۲۲)

علوم اسلامیہ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد الحاج حسن آفندیؒ سے حاصل کی آپ کا نسلی تعلق ترکی کے قبیلہ جرکسی سے ہے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپؒ دوزجہ کے علماء کرام سے ملے اور

اس دور کے مروجہ علوم صرف ونحو، تاریخ، ریاضیات، تقویم البلدان، فارسی زبان اور دیگر علوم شرعیہ حاصل کیے۔ اس کے بعد آپؒ ترکی کے علاقہ آستانہ منتقل ہو گئے اور مدرسۃ الحدیث میں اپنی علمی پیاس بجھائی اور مزید حصول علم کے لیے جامع الفاتح کا رخ کیا اور وہاں آپ نے شیخ علامہ ابراہیم حقیؒ (متوفی ۱۳۱۱ھ)، شیخ علامہ علی زین العابدینؒ (متوفی ۱۳۱۸ھ) اور دیگر اساتذہ کے سامنے زانوتلمذ کیا۔

تیس سال کی عمر میں آپؒ نے عالمیہ کی ڈگری لینے کے بعد جامع الفاتح میں درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا اور ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے درس وتدریس کی مجلس کے ممبر بنے اور آخر کار خلافت عثمانیہ کے نائب شیخ الاسلام منتخب ہوئے۔ کمال اتا ترک کے ہاتھوں سقوط خلافت کے بعد یہ عہدہ ختم کر دیا گیا ہے۔ دین کی ترویج وسر بلندی کے لیے آپ نے ترکی کو خیر آباد کہتے ہوئے اسکندریہ کا رخ کیا۔ پھر قاہرہ اور شام کا سفر اختیار کیا لیکن وہاں سے پھر قاہرہ تشریف لے آئے اور آخری ایام تک قاہرہ میں سکونت پذیر رہے۔ علمی دنیا کا یہ روشن ستارہ ۱۳۷۱ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ (۲۳)

''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ''

آپ کی تحقیق کا بڑا حصہ قلمی کتابوں، قدیم نسخوں پر مشتمل ہے قدرت نے آپ کے اخاذ ذہن کے لیے وسائل بھی فراہم کر دیئے تھے۔ آپ ایک زمانے تک ساڑھے چار سو سال تک عالم اسلام کی سربراہی کرنے والے ملک ترکی میں رہے جس کے قدیم کتب خانے ان کی دل چسپی کا مرکز تھے۔ قسمت کچھ دنوں کے لیے انہیں ملک شام لے گئی جہاں بھی دمشق کی لائبریریاں ان کی توجہ کا مرکز رہیں۔ کچھ عرصہ بعد آپؒ نے علماء کی آجگاہ قاہرہ کا رخ کیا اور دار الکتب المصریہ اور الازہر کی قدیم لائبریریوں سے اپنی علمی پیاس بجھائی۔

یہی وجہ ہے کہ آپ اپنی کتابوں میں اکثر قلمی نسخوں کا حوالہ دیتے ہیں اور جن کتابوں کا حوالہ ان کی تحریر میں ہے ان میں سے اکثر زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور ان میں کچھ ایسی بھی ہیں جن تک اہل علم کی رسائی ابھی تک ممکن نہیں ہوئی۔(۲۴)

آپؒ بیک وقت محقق، مفسر، محدث، فقہی، سیرت نگار، سوانح نگار، صوفی اور متکلم ہیں۔ آپؒ کے محقق ہونے کی شہادت آپ کا وہ طرز سوانح نگاری ہے جو عام سونح نگار سے یکسر مختلف ہے۔آپؒ عام مولفین کی طرح نام ونسب، تاریخ پیدائش، تاریخ وفات جیسی تفصیلات بیان کرنے پر ہی اکتفانہیں کرتے بلکہ مختلف اقوال میں تطبیق وتحقیق اور راجح تاریخ بیان کرنے کا حق ادا کر دیتے ہیں۔جس کی مثال ان کی حسن التقاضی اور تانیب الخطیب ہے۔اگر قضا اور ابوسف کی بات کی تو تحقیق کی انتہا کر دی۔اجتہادی شان کا ذکر کیا تو ایسے اصول اور فروعی مباحث ذکر کیے کہ انصاف پسند قاری ان کی رائے سے متفق ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آپ اس علمی گروہ کے نمائندہ ہیں جس کی پیروی تقریباً نصف سے زیادہ امت مسلمہ کرتی ہے۔آپ نے بیسویں صدی میں حصول علم کے ساتھ ساتھ قلمی کاوشیں بھی جاری رکھیں اور امت پر احسان کرتے ہوئے متقدمین علماء کی وکالت بھی کی اور دوسروں کی فکر کو ہدف تنقید بھی بنایا جس کے نتیجے میں ایک علمی خزانہ تیار ہوا۔جس کو اہل سنت کے حنفی مسلک میں پذیرائی ملی۔علماء اسلام میں یہاں آپ کے مخالفین آپ پر طعن میں کمر بستہ ہیں وہاں عقیدت کے پھول نچھاور کرنے والوں کی بھی کمی نہیں کہ علامہ یوسف بنوریؒ رطب اللسان ہیں:۔

> ''میں نے طبقات ابن سعد میں مشہور تابعی حضرت مسروقؒ کا ایک جملہ پڑھا تھا کہ میں نے حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کے ساتھ مجلس کی تو ان کو علمی چشموں کی طرح پایا بعض چشموں سے تھوڑے اور بعض سے بہت زیادہ لوگ سیراب ہوتے اور بعض ایسے تھے کہ روئے زمین کے سارے لوگ بھی اس پر اُمڈ آئیں تو وہ ایک ہی چشمہ

ان کے لیے کافی ہو تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اسی میں سے پایا۔علامہ بنوریؒ فرماتے ہیں کہ اپنے دور میں میں نے اس جملہ کا مصداق محمد زاہد کوثریؒ کو پایا ہے۔جن کی وفات ۱۳۷۱ھ میں ہوئی جن کو وسعت علمی کے ساتھ ساتھ وقت نظر اور حیران کن یاداشت اور بے مثل حافظہ اور اعلی اخلاق عاجزی،قناعت ،ورع و تقوی اور مصائب پر صبر عطا کیا گیا تھا''(۲۵)

صحیح بخاری کے شارع حضرت مولانا احمد رضا بجنوریؒ کوثریؒ کا تعارف اس طرف کرواتے ہیں:

''مشہور و معرف محقق اور جامع العلوم والفنون تھے۔ترکی خلافت کے زمانے میں آپ وکیل الشیخہ الاسلامیہ،معہد تخصص تفسیر و حدیث میں استاد علوم قرآنیہ،قسم شرعی جامعہ استنبول میں استاد فقہ و تاریخ اور دار لثقافتہ الاسلامیہ استنبول میں استاد ادب و عربیت رہے تھے''(۲۶)

ابو زہرہ مصریؒ نے آپ کو مجدد فی القرن العشرین تک کہہ دیا ہے۔مشہور مصری عالم دین احمد خیریؒ اپنے قصیدوں میں اس طرح خراج عقیدت ان اشعار میں پیش کرتے ہیں:۔

''ونشات فیھا عالما و معلم و حییت مثل الشمس بین الانھر'' (۲۷)

عقائد اور علوم عقائد پر آپ نے متعدد کتابیں اور مقامات تحریر کیے جن میں آپ کے پیش نظر دو باتیں تھیں۔

۱۔ اہل سنت کے عقائد کی کتب کو مخطوطات سے نکال کر شائع کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی طرف رہنمائی فرمائی۔

۲۔ اہل سنت اور اجماع سلف کے مخالفین کی دو کتب شائع کروائی جس میں انہوں نے اہل سنت کے عقائد کی صریح مخالفت کی تھی اور قرآن و سنت کے اصولوں سے ہٹ کر نظریات قائم کیے عام علماء کی ان مخطوطات تک عدم رسائی کی وجہ سے ان کے گمراہ کن عقائد سے ناواقف رہے۔

جس طرح آپؒ کے مادحین کی تعداد کم نہیں اسی طرح آپؒ کے معاندین کی تعداد بھی کم نہیں ہے جنہوں نے آپؒ کے افکار طریقہ تحقیق کو رد کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو سلف کا پیرو کہلاتے ہیں لیکن سلف میں بھی ان لوگوں کے پیروں ہیں جو تشدد کی راہ پر تھے، لیکن فکری تفرد انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ اس لیے چاہیے تو یہ تھا کہ آپ کے معاندین اعتدال سے تنقید کرتے لیکن انھوں نے اس معاملے میں بھی تشدد کی راہ اختیار کی ہے جیسا کہ شمس افغانی نے اپنے مقالہ ابو منصور ماتریدی وآراء الکلامیہ میں آپؒ کو طنزا ''القبوری'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ (۲۸)

ان کے علاوہ اُن کے معاصر سلفی علماء نے آپؒ پر طعن کیا ہے جس کی مثال **التنکیل للمعلمی** ہے۔ یہ کتاب عبدالرحمن معلمی نے آپؒ کی کتاب تانیب الخطیب کا رد لکھا ہے۔ آپؒ کے معاندین میں یہ لوگ نمایاں ہیں: عبدالرحمن معلمی، بہجت البیطار، شمس افغانی اور مولانا ارشاد الحق اثری و دیگر جزوی علماء سلف۔

عصر حاضر میں امت مسلمہ جس فکری یلغار کا شکار ہے ضروری ہے کہ ایک بار پھر احیائے سنت ہو کیونکہ موجودہ دور فلسفوں کا دور ہے علم وفکر، عقلی حکمت، سائنسی ترقی نے انسانی زندگی کو ضرورت سے زیادہ مادی بنا دیا ہے۔ اسے لیے روحانی ارتقاء کے لیے معتقدات صحیحہ کی معرفت نے اس علم کی ضرورت و اہمیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ روحانی زبوں حالی کی بڑی وجہ مشرکانہ افعال و اعتقادات ہیں۔

امام محمد زاہد کوثریؒ کے کلامی افکار کچھ یوں ہیں۔

ا۔ تاویل اور اسماء وصفات میں کوثریؒ کی رائے:

عقل سے استدلال کا دوسرا نام تاویل کرنا ہے یعنی نصوص قطعی میں وارد ہونے والے لفظ کے ممکن معنوں میں سے اس معنی کا انتخاب کرنا جو حقیقت کے قریب ہو تاویل کہلاتا ہے۔ (۲۹)

امام زاہد کوثریؒ کہتے ہیں:

"من كلام العرب مايفهم منه مراد المتكلم بمجرد سماعه بدون احتاج الى االتدبير و منه لا يفهم المراد منه الا بعد التامل فيما يوول اليه ذلك الكلام ,والتاويل تبين ما يوول اليه الكلام بعد التدبير فمن نفى التاويل حملة و تفسيلا فقد جمعل الكتاب و السنة و منا حى كلام العرب فى التخاطب"(۳۰)

اہل سنت صفات متشابہات میں تفویض کے قائل ہیں لیکن سلفی حضرات تفویض کو تعطیل کہتے ہیں۔اس سے مراد ہے اللہ تعالی کی صفات کی نفی کرنا۔اشاعرہ اور ماترید یہ صفات متشابہات کی نفی نہیں کرتے اور ان صفات کو مانتے ہیں البتہ کہتے ہیں کہ ان کا ظاہری مطلب مراد ہیں ہوسکتا بلکہ یہ مراد کو اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ان کے برعکس سلفی ان صفات کا ظاہری معنی متعین کرتے ہیں۔

ابن قدامہ مقدسی بھی اس بات کے قائل ہیں فرماتے ہیں کہ اسلاف کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالی کے وہ اسماء وصفات جن کے ساتھ صفات کو اللہ تعالی نے یا اس کے رسول ﷺ نے بیان کیا ہے بعینہ ان پر کسی کمی بیشی کے اور بغیر کسی مجاز وتفسیر اور ظاہری معنی کے مخالف کسی تاویل کے بغیر اور مخلوق کی صفات وعلامات کے ساتھ تشبیہ ایمان رکھنا اور ان صفات کو اسی طرح ذکر کرنا جیسے یہ وارد ہوئی ہیں ان کے علم ومعنی کو ان کے قائل کے سپرد کرنا۔(۳۱)

اسی طرح بعض لوگوں نے عوامی انداز ااختیار کرتے ہوئے اللہ تعالی کی صفات کو محسوسات پر قیاس کیا جن میں ابن حامد ۴۰۳ھ ان کے شاگرد ابویعلی ۴۵۸ھ اور ابن زاغونی ۵۲۷ھ نمایاں ہیں ۔ جب انہوں نے یہ حدیث دیکھی کہ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور اللہ تعالی کی طرف اعضاء کی نسبت دیکھی تو انہوں نے اللہ تعالی کے اسماء وصفات میں الفاظ کے ظاہری معنی کو لیا۔(۳۲)

متاخرین حنابلہ جو عقائد در حقیقت حنابلہ نہیں تھے بلکہ ابن حامد کے پیرو تھے نے استواء علی العرش کو محسوسات کے طریقے پر لیا اور حدیث استوی العرش جلوس کے قائل ہوئے یعنی وہ استواء ذات کے قائل ہیں۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اقرب مایکون العبد من ربہ و ھو ساجد" (۳۳)

امام محمد زہد اکوثریؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت سے پاک ہے۔ نبی ﷺ نے بھی اس کی نفی فرمائی جس کی تفصیل حدیث متی میں موجود ہے۔ اس کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ پس حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سدرۃ المنتہی پر نبی ﷺ کے قریب نہیں تھا جس طرح یونس بن متی علیہ السلام کے مچھلی کے پیٹ میں ہونے کے وقت۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جہت سے منزہ ہے۔ رفیق اعلیٰ افضل مقام میں ہے جو جگہ کے بغیر ہے۔ (۳۴)

یہی مسلک امام احمد بن حنبل کا ہے کہ وہ استواء کے ساتھ ذات کی قید نہیں لگاتے بلکہ تاویل کرتے ہیں۔ امام قرطبی نے بھی ابن حزم کے حوالے سے ایسے ہی نقل کیا ہے:

'اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا" اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ" فهذا كله على ما نبينا من ان المجىء والاتيان يوم القيامة فعل بفعله الله تعالى فى ذلك الفعل مجينا و اتيانا و قد روينا عن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ انه قال وجاء ربک انما معناه و جاء امر ربک' (۳۶)

امام احمد بن حنبل نے "اور تمہارا رب آیا" کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد ہے کہ تمہارے رب کا حکم آیا جیسا کہ "هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ" (۳۷)

ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں نقل کیا ہے کہ احمد بن حنبل بھی تاویل کے قائل تھے۔ اسی لیے سلف کی اتباع کرتے ہوئے امام زاہد کوثریؒ بھی تفویض کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ حدیث کو ایسے ہی چلاو جیسی کہ وہ ہیں یعنی ان کے کسی بھی معنی کا تعیین کیے بغیر اور جیسے انہوں نے فرمایا ان کے شاگردوں نے ایسے ہی اختیار کیا مثلاً ابراہیم حربی، ابوداود اور اثرم نے اور ان کے بڑے پیروکاروں میں سے ابوالحسن منادی نے جو کہ ایک محقق لوگوں میں تھے اس طرح ابوالحسن تمیمی اور ابومحمد رزق اللہ بن عبدالوہاب وغیرہ نے امام احمدؒ کے مذہب کے ستونوں میں سے تھے انہوں نے بھی موافق ومخالفت ہر قسم کے حالات میں اسی طرح عمل کیا۔(۳۸)

صفات تنزیہہ کے بارے میں محمد زاہد کوثریؒ فرماتے ہیں کہ اسلاف میں سے جس نے عین (آنکھ) اور ید (ہاتھ) کو صفت کہا ہے تو صفت کے لفظ سے انھوں نے جارحہ یعنی ذات کا حصہ کہنے سے براءت کا اظہار کیا ہے بلکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ عین یعنی آنکھ سے مراد ایسا معنی ہے جو اللہ تعالی کے ساتھ قائم ہے۔ ایسے ہی ید کا معاملہ ہے۔ہم اس کے معنی مراد کی تعین کرتے ہیں کہ ہم کہیں کہ آنکھ سے مراد دیکھنا ہے یا حفاظت کرنا ہے اور ہاتھ سے مراد قدرت یا نعمت یا خاص عنایت ہے کیونکہ وہ احتمالی معنی جو تنزیہ الہی کے موافق ہوں ان میں سے کسی ایک کا تعین کرنا اللہ تعالی کی مراد پر زبردستی کرنا ہے اور ان ہاتھ اور آنکھ کو صفت کہنا اس بات پر واضح دلیل ہے کہ ان کو یقین تھا کہ ہاتھ اور آنکھ اللہ تعالی کی ذات کے اجزاء نہیں ہیں۔اور جو کہے کہ اللہ تعالی کا ہاتھ ہے جس سے وہ پکڑتا ہے اور آنکھ ہے جس سے وہ دیکھتا ہے تو اس نے صفات کو آلات و جوارح کی قبیل سے بنایا اور اس نے سلف وصالحین کی مخالفت کی۔(۳۹)

اس لیے ضروری ہے کہ ہم ایسی صفات متشابہات کے حقیقی ومجازی معنی متعین کیے بغیر اس پر ایمان لائیں جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''یمین الرحمن ملای سحاء لا یغیضھا اللیل و النھار۔قال 'ارایتم ما انفق منذ خلق السموات و الارض' فانہ لم یغض ما فی یمینہ و عرشہ علی المائ،وبیدہ الاخری المیزان یرفع ویخفض''(۴۰)

اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''وھذا حدیث قد روتہ الائمۃ، نومن بہ کما جاء من غیر ان یفسر او یتوھم، ھکذا قال غیر واحد من الائمۃ، الثوری، و مالک بن انس، و ابن عیینۃ، و ابن المبارک انہ تروی ھذہ الاشیاء ویومن بھا و لا یقال کیف''(۴۱)

اس حدیث کو ائمہ نے روایت کیا ہے اور اس کے معنی کی تفسیر و تاویل یعنی حقیقی و مجازی معنی کے تعین کئے بغیر ہمارا اس پر ایمان ہے۔ بہت سے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن مبارکؒ سے منقول ہے کہ ان باتوں کو جیسی ہیں وہ ہی روایت کریں اور ان پر ایمان رکھیں گے اور یہ بھی نہیں پوچھیں گے کہ ان کی کیفیت کیا ہے۔

محمد زاہد کوثریؒ بھی اشاعرہ اور ماتریدیہ کی طرح صفات کی تفسیر میں فرق کرتے ہیں غیر متشابہ صفات کے ظاہری معنی مراد لیتے ہیں کیونکہ وہ مطلب لینے میں کوئی محال اور فساد لازم نہیں آتا اور تشبیہ سے بچنے کے لیے کہتے ہیں لہ علم لا کعلمنا و لہ حیاۃ لا کحیاتنا یعنی اللہ کا علم ہے۔ ہمارے علم کی طرح نہیں ہے اور اللہ کی حیات ہماری حیات کی طرح نہیں ہے۔اور یہی مقصود انسان ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''فانکم خلقتم للآخرۃ و الدنیا خلقت لکم''(۴۲)

۲۔حدوث عالم سے وجود باری تعالی کے استدلال میں رائے:

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ کائنات حادث ہے اور مخلوق ہے جبکہ اللہ تعالی کی ذات اول سے ہے اور باقی رہے گی اور اہل حق نے بھی حدوث عالم سے وجود باری تعالی کا استدلال کیا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”کان اللہ و لم یکن شیء غیرہ، و کان عرشة علی الماء، و کتب فی الذکر کل شیئ، و خلق السموات و الارض“ (۴۳)

حدوث عالم سے اثبات صانع کا مسلک قدیم ہے۔ بعث رسل اور ان پر نازل ہونے والی کتب سماویہ میں بھی یہی بات ہے کہ صانع قدیم ہے اور عالم کائنات محدث ہے۔اس لیے انسانوں کو اس پر ایمان لانے کا کہا گیا ہے۔محمد زاہد کوثری نے بھی وجود باری تعالی کے بارے میں وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو قرآن میں قصہ ابراہیم علیہ السلام میں نظر آتا ہے۔محمد زاہد کوثریؒ فرماتے ہیں:

’اعلم انه لا یخفی علی من امعن النظر فی نشاتها و تطورها، عند ذلک لا جرم ای لا شک ینبعث من باطنه شوق الی من استکمله‘‘ (۴۴)

میں جانتا ہوں کہ وہ ہماری نظر سے پوشیدہ نہیں، وہ تامل فی ذات ہے۔اور اس کے احوال اپنی ذات جو ناقص نظر آئیں جس کی طرف وہ محتاج ہو یہ اس میں موجود نہیں ہیں۔اسی لیے وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی نہیں کرتا۔ جب ایسی صورت ہو تو کوئی جرم نہیں ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

’’ان ما نشاهده من صور العالم الموجود امامنا منها ما هو مربع، و منها ما هو دائری، و منها مو هو مطول، کل ذلک لا یمکن ان جعل نفسه هکذا فدل ذلک علی فاعل آخر غیره، و هذا الخیر لا محامة هو اللہ تعالی فقد جعل هذه الاشیاء بصورها تلک من طاول و قصر دفق قدرته و ارادته و منیئته و یجهم بالاستحالة من یری فسینه مشحونة بالا حمال احاطت بها من کل جهة فی لجة البحر امواج متلاطمة یضرب بعضها البعض، و ریاه تهب من کل جهة ان

تجری بنفسها مستویة تمیل الی طرف ولا تقف وقفة مع تصادم الریاح المختلفة،والحال لن یجرها احدو یقودها مستویه''(۴۵)

کیا ہم عالم الموجودات کی صورت میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں،ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کیا مربع،دائرہ یا طول وعریض میں۔ ہر ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے یہ بات اسی طرح ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وجود باری تعالیٰ کا استدلال حدوث عالم سے کرتے ہوئے سوالیہ انداز اپنایا فرمایا:

''فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْن''(۴۶)

یہ مخلوق کے احوال سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استدلال ہے اور اسی طرح محمد زاہد کوثریؒ نے حدوث عالم سے وجود باری تعالیٰ کا استدلال کیا ہے۔

۳۔مباحث ایمانیات میں محمد زاہد کوثریؒ کی آراء:

''الایمان فی لغة التصدیق''(۴۷)

لغت میں ایمان کے معنی ''تصدیق'' کے ہیں۔

جیسا کہ مشہور حدیث جبریل میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''الایمان ان نومن باللہ و ملائکتہ،وکتبہ،وبلقائہ،و رسلہ نومن بالبعث''(۴۸)

ان تمام بیان کردہ مسائل کا تعلق قلبی کیفیت سے ہے۔اعمال سے نہیں ہے۔وجہ یہ ہے کہ اعمال تو اس قلبی کیفیت کے تابع ہیں۔جتنی قلبی کیفیت کسی معاملے میں مضبوط ہوگئی اعمال اسی کیفیت کے صادر ہوں گے۔اسی لیے اسلام کو بعد میں بیان کیا وجہ یہ تھی کہ اسلام کا مدار ہے

اعمال سے۔جس میں انسان کے جوارح کا عمل دخل ہے۔جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے:

''الاسلام، ان تعبد اللہ و لا تشرک بہ شیائ، تقیم الصلاۃ، و تودی الزکاۃ المفروضۃ و تصوم رمضان''(۴۹)

جب ہم ان دونوں کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایمان کہ اعمال پر انحصار نہیں کرتا بلکہ اعمال جو ہیں وہ ایمان پر انحصار کرتے ہیں یعنی کہ ایمان Independent ہے اور اسلام Dependent ہے کیونکہ جس طرح ایمان کی کیفیت ہوگئی اسی طرز کے اعمال انسان سے صادر ہوں گے۔

محمد زاہد کوثریؒ نے اسی بات کے قائل ہیں اور امام اعظمؒ کا دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بے شک عمل ایمان کا رکن اصلی نہیں ہے اس حیثیت سے کہ جب مومن عمل کے لحاظ سے کوتاہی کرے تو اس سے ایمان زائل ہو جائے کیونکہ وہ یہ نظریہ رکھتے تھے کہ بے شک ایمان پختہ عقد کا نام ہے جو نقیض کا احتمال نہیں رکھتا اور اس جیسا ایمان زیادتی اور کمی قبول نہیں کرتا۔(۵۰)

اس میں بھی آپؒ تحقیق پر مبنی جواب دیتے ہیں کہ بے شک وہ حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور یہ گھٹتا بڑھتا ہے تو وہ حدیث ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک ثابت نہیں ہے اور وہ حضرات جو دائیں بائیں کی پہچان نہیں رکھتے اور تساہل برتتے ہیں ان کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں۔آپؒ کے نزدیک عمل ایمان کا رکن اصلی نہیں اسی لیے آپؒ فرماتے ہیں کہ عمل کو ایمان کا رکن اصلی نہ ماننا سنت ہے۔(۵۱)

۴۔حیات انبیاء وصفات انبیاء کے بارے میں رائے:

نبی ﷺ کی زندگی کے دو ظاہری ادوار ہیں ایک قبل از بعث اور دوسرا بعد از بعث نبی ﷺ کی قبل از بعث کی روحانی زندگی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اعلان نبوت سے پہلے آپ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کرتے ہوئے عبادت کرتے تھے۔(۵۲)

جیسا کہ بہت سی روایات ہیں کہ صحابہ نے نبی ﷺ کی زندگی میں توسل طلب کیا اور اپنی حاجات کو پورا کیا۔اس طرح بعداز وصال اللہ تعالی کی طرف جواز توسل اور استغاثۃ الانبیاء وصالحین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ معجزہ اور کرامت موت کے بعد منقطع نہیں ہوتی اور یہی بات امام الحرمین نے بیان کی ہے۔اگر بعداز وفات کرامت کا انکار کیا ہے تو وہ صرف رافضیوں نے کیا ہے۔

توسل کے جواز میں آپؒ نے ایک رسالہ محقق التقول لکھا ہے اس میں جواز توسل کے دلائل دینے کے بعد فرماتے ہیں کہ جس حدیث میں ابن عباسؓ سے توسل لیا گیا ہے وہ دراصل ابن عباسؓ سے توسل نہیں تھا بلکہ وہ توسل آپؐ کے خونی رشتہ سے تھا جو ابن عباسؓ کے ساتھ تھا۔ آیت وسیلہ میں لفظ وسیلہ کی جن لوگوں نے اعمال سے تفسیر کی ہے اس کی تردید کرتے ہیں اور آپؒ وسیلہ بذات کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ بعداز وفات انبیاء کے قبور میں حیات کے بھی قائل ہیں۔(۵۳)

زیارت قبور جس پر امت میں دو موقف پائے جاتے ہیں ایک گروہ کے نزدیک فیض حاصل کرنے کے لیے زیارت قبور منع ہے اور دوسرے کے نزدیک فیض روحانی کے لیے زیارت قبور جائز ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرا گروہ حیات بعداز وفات کا قائل ہے۔اسی لیے آپؒ فرماتے ہیں کہ صالحین کی قبور کا اردگرد تاثیر سے بھرپور ہے اس لیے جس نے ان کی ارواح کی طرف توجہ دی تاثیر حاصل کی۔(۵۴)

۵۔روح،حیات عیسی علیہ السلام اور نفخۃ کے بیان میں رائے:

انسانی جسم اپنے مرکب کے لحاظ سے دو چیزوں کا مجموعہ ہے،انسان کا ظاہری جسم جو ایک کثیف جزو ہے اور لطیف جسم جو روح سے موسوم کیا جاتا ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

”وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا“(۵۵)

کوثریؒ وفات کے بعد اس کی کیفیت پر بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب انسانی روح جسم سے علیحدہ ہوجاتی ہے تو اس عالم ملکوت کے احوال منقش ہوجاتے ہیں ایسے ہی جس طرح انسان عالم خواب میں ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔اس لیے جب انسان اپنے سے اچھے انسان کی قبر کی طرف جاتا ہے تو کیونکہ صاحب قبر انسان قوی النفس اور کامل جوہر ہوتا ہے اس لیے زائر اس سے فیض حاصل کرتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ روح جب جسم میں ہوتی ہے تو ایک خاص دائرہ میں مقید ہونے کی وجہ سے وہ کام سرانجام نہیں دے سکتی جو وہ جسم سے آزاد ہونے کے بعد دے سکتی ہے۔(۵۶)

حیات عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

''اِذْقَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ''(۵۷)

علماء اسلام اس بات سے متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اُٹھالیا تھا اور اب وہ قیامت سے پہلے دوبارہ زمین پر اتریں گے۔ ابن جریرؒ ''مُتَوَفِّيْكَ'' کو زمین سے اٹھانے کے معنی میں لیتے ہیں اور فرماتے ہیں:

''ما کان اللہ عزوجل لمیت عیسی ابن مریم انما بعثہ اللہ داعیا و مبشر یدعو الیہ واحدہ فلما رای عیسی قلة من اتبعہ و کثیرہ من کذبہ شکا ذلک الی اللہ عزوجل اللہ فاوحی اللہ الیہ انی متوفیک و رافعلک الی ولیس من رفعتہ عندی میتا،وانی سابعثک علی الاعور الدجال فتقتلہ،ثم تعیش بعد ذلک اربعا و عشرین سنة ،ثم میتک میتة الحی''(۵۸)

علماء میں امام محمد زاہد کوثریؒ بھی وہ ہیں جنہوں نے لفظ ''مُتَوَفِّیک'' کے معنی کا تجزیہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اس کا مطلب موت نہیں تھا بلکہ قرآن نے لفظ موت استعمال کر کے اس طرف توجہ مبذول کروائی ہے۔ لفظ موت جو آیت میں استعمال ہوا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ موت پر لوگوں کی روح قبض کر لیتا ہے استعمال ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دعوی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس میں عام موت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہ بات اس وقت صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو قتل نہیں کیا لیکن آپ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھا لیا گیا۔ پھر ہمیں موت کے عام معنی کے علاوہ معنی لینے ہوں گے۔ (۵۹)

اسی طرح جنت اور دوزخ کے نفخہ کے بارے میں آپؒ کا موقف اس وقت سامنے آتا ہے جب آپؒ امام ابوحنیفہؒ پر اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں جس میں کہا گیا کہ امام اعظمؒ اس بات کے قائل ہیں کہ جنت اور دوزخ پیدا کی جا چکی ہیں تو وہ قیامت کے دن فنا ہو جائیں گی۔ جن روایات میں یہ بات بیان ہوئی ہے ان کے روایوں پر جرح کرنے کے بعد آپؒ سندوں پر عدم اعتماد کرتے ہوئے ان روایات کے صحیح نہ ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ اقوال کو پیش کرنے کے بعد تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فرض کر لیا جائے کہ یہ قول اس سے ثابت ہے تو ضروری ہے کہ اس کو محمول کریں کہ وہ دونوں ایک لمحہ کے لیے نفخہ کے وقت فناء ہوں گی اور یہ ماننا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

''وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِک'' اِلَّا وَجْھَہٗ لَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْن''(۶۰)

کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز فناء ہو جائے گی اور یہی نظریہ اہل سنت متکلمین کا ہے۔ اس میں آپؒ نے محققانہ انداز اختیار کرتے ہوئے **شرح النفسیہ، شرح المقاصد الاعتبار بیقاء الجنۃ والنار** کے حوالے بھی دیئے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ جو لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ جنت اور دوزخ نفخہ کے بعد پیدا کی جائیں گی تو وہ ان آیات کی تاویل کرتے ہیں جن میں آتا ہے کہ وہ پیدا کی جا چکی ہیں۔ وہ کہتے ہیں چونکہ مستقبل میں اس کا وقوع یقینی ہے اس لیے ان کو ماضی اور حال کے صیغوں سے ذکر کر دیا گیا ہے۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے واقعہ میں جس جنت کا ذکر ہے وہ جنت زمین پر تھی اور ابن قیم کا میلان اسی طرف ہے۔ آخر پر فرماتے ہیں کہ جو آدمی یہ نظریہ رکھتا ہے کی جب جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو اس کے بعد کسی وقت یہ فناء ہو ں گی تو ایسا آدمی کافر ہے۔(۶۱)

حوالہ جات

۱۔ الانعام:۱
۲۔ الاعراف:۵۴
۳۔ البقرۃ:۳۰
۴۔ الاحزاب:۷۱۔۷۰
۵۔ آل عمران:۱۰۲
۶۔ بخاری،محمد بن اسماعیل،الجامع المسند المختصر من امور رسول اللہﷺ وسننہ وایامہ، محقق،محمد زہیر بن ناصرہ،دمشق،دارطوق النجاۃ،۱۴۲۲ھ،ص۳۳،رقم۷:۵۴۴
۷۔ البقرۃ:۳۳
۸۔ سیوطی،جلال الدین،در المنثور،بیروت،دارالفکر،س۔ن،ص۱۲۲
۹۔ جرجانی،علی بن محمد،کتاب التعریفات،بیروت،دارلکتب العلمیۃ،۱۹۸۳ئ،ص۱۵۵
۱۰۔ ابن منظور،محمد بن مکرم،لسان العرب،بیروت،دارصادر،ج۱۲،ص۵۴۳
۱۱۔ غزالی،ابوحامد،المستضفی،بیروت،دارلکتب العلمیۃ،۱۹۹۳ئ،ج۱،ص۶
۱۲۔ ایضا،المنخول من تعلیقات الاصول،بیروت،دارلفکر،۱۹۹۸ئ،ج۱،ص۵۹
۱۳۔ التعریفات،ص۱۵۶
۱۴۔ لطیف،عبدالناصر،توضیح العقائد فی شرح عقائد،راولپنڈی،جامعہ رضویہ،۱۴۳۱ھ،ص۳۰
۱۵۔ ایضا،ص۳۶
۱۶۔ غزالی،ابوحامد،احیاء العلوم،بیروت،دارلمعرفۃ،س۔ن،ص۵۵
۱۷۔ سبکی،تاج الدین،طبقات الشافعیۃ الکبری،محقق،ڈاکٹر محمود محمد الطناحی،بیروت،ہجر للطباعۃ والنشر والتوزیع،ج۲،ص۲۴
۱۸۔ محمد:۲۴
۱۹۔ بجنوری،محمد رضا،مقدمہ انوار الباری،ملتان،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ج۲،ص۳۶۴
۲۰۔ قاری،محمد طیب،علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج،۱۹۸۸ئ،ص۱۵۱تا۱۷۴
۲۰۔ قاری،محمد طیب،علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج،۱۹۸۸ئ،ص۱۵۱تا۱۷۴
۲۱۔ سلطنت عثمانیہ،ص۳۰۰

۲۲۔ خیری، احمد، امام زاہد الکوثری، قاہرہ، المکتبۃ الازہریۃ للتراث، ص ۲۶ تا ۲۹، محمد علی بیضون، الفقہ و اصول الفقہ من اعمال محمد زاھد الکوثری، بیروت، دار العلمیۃ، ۲۰۰۴ئ، ص ۱۷

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۱

۲۴۔ کوثری، محمد زاہد، حسن التقاضی فی السیرۃ امام ابو یوسف القاضی، مترجم و محقق، منظر الاسلام الازہری، کراچی، دار النعمان للطباعۃ للنشر والتوزیع، ۲۰۱۲ء، ص ۸

۲۵۔ امام زاہد الکوثری، ص ۲۶۔۲۹

۲۶۔ کوثری، محمد زاہد، البحوث النیۃ، قاہرہ، مکتبۃ الازہریۃ للتراث، س۔ن، ص ۶

۲۷۔ امام زاہد الکوثری، ص ۴۷

۲۸۔ شمس افغانی، ابو منصور ماتریدی و آراء الکلامیہ، ص ۵۲۲

۲۹۔ لسان العرب، ج ۱۱، ص ۳۴

۳۰۔ کوثری، محمد زاہد، السیف الصقیل فی الرد ابن زفیل، قاہرہ، مکتبہ الازہر للتراث، س ن، ص ۱۹۰

۳۱۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، ذم التاویل، کویت، الدرر السلفیۃ، ۱۴۰۶ھ، ج ۱، ص ۱۸، رقم ۱۹

۳۲۔ جوزی، عبد الرحمن، دفع شبیۃ التشبیہ، تحقیق و تعلیق محمد زاہد کوثری، قاہرہ، مکتبۃ الازہریۃ للتراث، س ن، ص ۲۰

۳۳۔ ابن شیبہ، عبداللہ بن محمد، المصنف، ریاض، مکتبہ الرشید، ۱۴۰۹ھ، ج ۷، ص ۱۴۸، رقم ۳۴۸۷۲

۳۴۔ السیف الصقیل، ص ۳۶

۳۶۔ قرطبی، علی بن احمد، الفصل فی الملل و الاھواء و النحل، قاہرہ، مکتبۃ الخانجی، ج ۲، ص ۱۳۲

۳۷۔ النحل: ۳۳

۳۸۔ العقیدہ علم الکلام، س ۲۸۵

۳۹۔ السیف الصقیل، ص ۱۲۰

۴۰۔ ترمذی، محمد بن عیسی، سنن الترمذی، تحقیق و تعلیق، احمد محمد شاکر، مصر، شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، ۱۹۵۷ئ، ج ۵، ص ۲۵، رقم ۳۰۴۵

۴۱۔ ایضاً، ج ۵، ص ۲۵۰

۴۲۔ بیہقی، احمد بن حسین، شعب الایمان، محقق، عبدالعلی، ریاض، مکتبۃ الرشد للنشر و التوزیع، ۲۰۰۳ئ، ج ۱۳، ص ۵۳، رقم ۱۰۰۹۷

۴۳۔ دارمی، عثمان بن سعید، **الرد علی الجهمية**، محقق، بدر بن عبد اللہ، کویت، دارلاثیر، ۱۹۹۵ئ، ج۱، ص ۴۳، رقم ۴۰

۴۴۔ ارغام المرید، ص ۳

۴۵۔ الانصاف، ص ۳۱

۴۶۔ الانعام:۷۶

۴۷۔ دینوری، عبداللہ بن مسلم، تاویل مختلف الحدیث، المکتبۃ الاسلامی، ۱۹۹۹ئ، ج۱، ص ۲۵۱

۴۸۔ صحیح بخاری، ج۱، ص ۱۹، رقم ۵۰

۴۹۔ ایضاً، ج۱، ص ۱۹، رقم ۵۶

۵۰۔ کوثریؒ، محمد زاہد، **تانيب الخطيب على ما ساقه فی ترجمة من الاكاذيب**، تعلیق احمد خیری، نامعلوم، س ن، ص ۴۰

۵۱۔ ایضاً، ص ۸۱

۵۲۔ ایضاً، ۱۴۔۱۹

۵۳۔ کوثری، محمد زاہد، **محقق التقول فی مسالة التوسل**، قاہرہ، مکتبۃ الازہریۃ للتراث، ۲۰۰۶ئ، ص ۱۴

۵۴۔ ارغام المرید، ص ۴۵

۵۵۔ الاسرائ:۸۵

۵۶۔ ارغام المرید، ص ۳۵، حقیقت روح الانسان، ص ۱۵

۵۷۔ آل عمران:۵۵

۵۸۔ طبری، محمد بن جریر، **جامع البيان فی تاويل القرآن**، **موسسة الرسالة**، ۲۰۰۰ئ، ج۶، ص ۴۵۶

۵۹۔ کوثری، محمد زاہد، **نظرة عابرة فی مزاعم من ينكر نزول عيسى عليه السلام قبل الاخرة**، قاہرہ، مکتبۃ الازہریۃ للتراث، ۱۹۸۱ئ، ص ۳۴۔۳۷

۶۰۔ القصص:۸۸

۶۱۔ تانیب الخطیب، ص ۱۱۷

صوفیائے چشت کی خدمات کے سماجی اثرات

اور عصر حاضر میں ان سے استفادہ کی صورتیں

سعدیہ نورین

ABSTRACT:

The present study tries to explore and identify a possible pattern to the efforts of Chishti Sufia in India to serve the people socially, politically, morally and spiritually. Soon after the inception of Chishti Silsilah in India Khawaja Mu'in-al-Din Chishti along with his contemporary Chishti Shaykhs, laid down the principles of Silsilah. He also carved out a space for independent action and practices of Chishti principles, free from the interference of state for their Silsilah in sub-continent. In fact from the very beginning, Chishtis made it a definite policy to keep a distance from the rulers and to serve the people in all aspect. Chishtis expanded the space of their Silsilah by further application of Chishti principles. But rulers tried to negociate the space between Chishti Sufia and state which effected the cultural and social values of people. People always tried to seek guidance, justice and resolve their social and family matters to Chishti Sufias.

سلسلہ نبوت کے اختتام کے بعد نبوی فریضۂ تزکیہ نفس کی ذمہ داری ہر مسلمان پر بالعموم اور صوفیہ وعلماء امت پر بالخصوص عائد ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

العلماء ورثة الانبیاء [۱]

''علماء انبیاء کے وارث ہیں۔''

اسی ضمن میں آپ ﷺ نے فرمایا:

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ۲؎

''میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں۔''

عہدِ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اور تابعین میں تصوف اپنے ارتقائی عمل کے اعتبار سے پہلے مرحلے میں تھا۔ اس میں زہد و ورع کا رنگ غالب تھا۔ مردان حق اپنی زندگی کے جملہ مراتب و کمالات بطریق احسن حاصل کرتے تھے اور خدا تعالیٰ سے قرب و حضوری کی نسبت اسی طرح متحقق ہوتی تھی۔ ان سے بھی مستی و بے خودی کا اور خوارق کمالات کا ظہور ہوتا۔ یہ سلسلہ قرن در قرن چلتا رہا۔ مردانِ حق ہر دور میں اصلاح نفس اور پھر اصلاحِ معاشرت میں اپنا کردار ادا کرتے رہے۔

صوفیائے چشت بھی اصلاحِ معاشرت اور تزکیہ نفس میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس سلسلہ کے بانی میں تذکرہ نگاروں کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس کے بانی خواجہ احمد ابدال چشتیؒ ہیں اور بعض کے نزدیک خواجہ ابو اسحاق شامی ہیں۔ چونکہ اول الذکر آخر الذکر کے خلیفہ ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ کے سرخیل خواجہ ابو اسحاق شامی ہیں۔ لیکن تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ سلسلہ چشتیہ کو پاک و ہند میں جاری کرنے کا شرف خواجہ معین الدین اجمیریؒ کو حاصل ہے۔

ہر خطے کا ایک خاص تمدنی و ثقافتی مزاج ہوتا ہے۔ چنانچہ برصغیر کا بھی ایک خاص تمدنی و ثقافتی مزاج ہے جس کا لوگوں کے بود و باش، معاشرت اور عقائد پر بھی گہرا اثر ہے۔ اگر ہم چشتی صوفیہ کا سترھویں اور اٹھارھویں صدی کا سفر دیکھیں تو اس میں چشتی صوفیہ کو درج ذیل مسائل کا

سامنا ہوتا تھا اور ان مسائل کو نمٹتے ہوئے خاص طرزِ عمل کو اختیار کر کے معاشرے کی تشکیل نو میں اپنا اصلاحی کردار ادا کرتے ہیں۔

عقائد کا بگاڑ اور ان پر دوسرے مذاہب کی چھاپ:

اس ضمن میں خاص طور پر ہندوا ور سکھ مذاہب ایسے ہیں کہ جن کے عقائد کی چھاپ عام مسلمانوں کے عقائد میں بھی پڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ تو ہم پرستی کا رواج مسلمانوں میں بھی عقائد کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تفہیمات الٰہیہ میں ان عقائد میں بگاڑ کا نقشہ یوں پیش کیا ہے۔

''تم نے یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے۔ اے بنی آدم! تم نے ایسی فاسد رسمیں اختیار کر لی ہیں کہ جن سے دین متغیر ہو گیا ہے۔ مثلاً شب برأت میں جاہل قوموں کی طرح کھیل تماشے کرتے ہو۔ عاشورہ کے دن باطل حرکات کرتے ہو۔ پھر ایسی رسمیں بنا رکھی ہیں کہ جن سے اسلامی زندگی تنگ ہو گئی ہے اور جو اسلامی عقائد کے بالکل برعکس ہیں مثلاً طلاق کو ممنوع بنالینا۔ بیوہ کو بٹھائے رکھنا وغیرہ'' ۳۔

درج بالا اقتباس سے عقائد میں بگاڑ کی مختلف صورتیں اور مسلم عقائد پر دوسرے مذاہب کی چھاپ واضح ہو جاتی ہے۔ عقائد میں بگاڑ کے حوالے سے ایک چیلنج برصغیر کے صوفیہ چشت کو یہ رہا ہے کہ مختلف مذاہب کے اختلاط کی فضا قائم رہی ہے۔ صوفیہ چشت کا اس فضاء میں عقائد کی اصلاح کے لیے ایک خاص طرزِ عمل نظر آتا ہے۔ چنانچہ سترھویں صدی عیسوی میں شاہ کلیم اللہ دہلوی مختلف انداز میں عقائد کی اصلاح کی طرف راغب نظر آتے ہیں۔ ایک انداز تصنیفات کا

ہے جن میں ان کی ۳۲ تصانیف کی تعداد بتائی جاتی ہے۔ ۴؎ جن میں سے اہم ترین تصنیف قرآن مجید کی تفسیر قرآن القرآن ہے۔ جس کو مفسرین نے تفسیر جلالین کے ہم پایہ بتایا ہے۔ فرق صرف شافعی اور حنفی نکتہ نظر کا ہے۔ ۵؎

عقائدِ اسلامی کی اصلاح اور ترویج میں سترھویں صدی عیسویں میں شاہ کلیم اللہ دہلوی مکتوبات کی صورت میں بھی احیاء ملت کی جدوجہد میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اپنے خلفاء کو بہت دلسوز انداز میں اعلائے کلمۃ اللہ کی تلقین کرتے ہیں اور عقائد باطلہ کا رد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ذیل میں آپ کے مکتوب سے اس کی ایک مثال دی جاتی ہے۔

''شمارا اللہ تعالیٰ صاحبِ ولایت دکن ساختہ است۔ ایں کار را تمام نمائید قبل ازیں می نوشتم کہ برلشکر بروید، اکنوں ایں امر است ہر جا کہ باشید در اعلائے کلمۃ الحق بشاید وجان و مال خود صرف ایں کار کنید'' ۶؎

''تم کو اللہ تعالیٰ نے دکن کی ولایت عطا فرمائی ہے تم یہ کام پورے طور پر سرانجام دو میں نے اس سے پہلے تم کو لکھا تھا کہ لشکر میں جاؤ لیکن اب یہ حکم ہے کہ جہاں کہیں ہو اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف رہو اور اپنے جان و مال کو اسی میں صرف کردو۔''

یوں عقائد کی اصلاح کی ترغیب میں صوفیہ چشت، سلسلہ کے ایک نظام کو مستقل طور پر وضع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس تحقیقی مقالہ کی اصل روح یہ ہے کہ سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے صوفیائے چشت کی خدمات سے عصر حاضر میں استفادہ کی صورتوں کو واضح کیا جائے۔ تو عصر حاضر میں بھی سترھویں اور اٹھارھویں صدی سے منطبق عقائد میں بگاڑ دیکھنے کو ملتا ہے۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ کی طرح اولیاء کی قبروں کو لوگ سجدہ گاہ بناتے ہیں۔ منگل کے دن کو آج بھی نحوست والا دن قرار دیا جاتا ہے۔ بچوں کے بالوں کی لٹوں کو خوش بختی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

چنانچہ صوفیہ چشت کے نظام اصلاح وتربیت کے تحت ان عقائد میں بگاڑ کو ختم کرنے کی صورتیں لی جاسکتی ہیں۔

صوفیائے چشت کے نظام اصلاح کے اصول:

سترھویں اٹھارویں صدی میں صوفیائے چشت نظام اصلاح کے درج ذیل اصولوں پر عمل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

i۔ پہلا اصول یہ تھا کہ انسان کے ادراک اور احساسات کو اصلاحِ عقائد کے ذریعے درست کر کے اعمال کی اصلاح کی طرف لایا جائے۔ اس اصول کی وضاحت خواجہ نظام الدینؒ کے ملفوظات سے یوں ملتی ہے کہ اول خطرہ وہ چیز ہے جو دل میں گزرے اور اسی اندیشے پر دل لگے۔ یعنی ارادہ فعل کی طرف رغبت دلائے عوام سے جب تک فعل سرزد نہ ہو مواخذہ نہیں ہوتا لیکن خواص سے خطرہ کی صورت ہی میں مواخذہ کر لیتے ہیں۔ ۷؎

انسان کا ادراک اور احساسات کا بلاواسطہ تعلق اس کی نیت سے ہے۔ چنانچہ صوفیہ چشت کا یہ اصول درج ذیل حدیث کی بنیاد پر قائم ہے کہ

نیۃ المومن خیر من عملہ ۸؎

''مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔''

ii۔ پہلے اصول کو تسلیم کر لینے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سے ذرائع ایسے ہیں کہ جو ادراک اور احساسات کی اصلاح میں پیش پیش ہیں۔ تو صوفیہ چشت دوسرا اصول یوں بیان کرتے ہیں کہ نفس میں دشمنی غوغا اور فتنہ ہے اور قلب میں سکوت رضا اور نرمی ہے۔ لہٰذا اچھائی کی طرف رجحان کے لیے نفس کو کچلنے کی بجائے قلب کو بیدار کرنا ضروری ہے۔ ۹؎

صوفیائے چشت کے نظامِ اصلاح کا یہ اُصول درج ذیل حدیث کے ضمن میں نظر آتا ہے۔

الاوان فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت الجسد کلہ، الاوھی القلب ۱۰؎

''خبردار، انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے (جس پر انسان کی اچھائی برائی کا مدار ہوتا ہے) وہ جب ٹھیک ہوتا ہے تو انسان ٹھیک رہتا ہے اور جب بگڑ جاتا ہے تو انسان میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس کا دل ہے۔''

iii۔ انسان کے افکار، رجحانات، ادراک اور احساسات پر واضح اثر انسان کا ماحول ڈالتا ہے۔لہٰذا صوفیائے چشت نے اصلاحی نظام میں تیسرا اصول صحبت صالح کو رکھا ہے۔

چنانچہ کلیم اللہ دہلوی نے مکتوبات کے ذریعے صحبت صالح کو سلسلہ چشتیہ کے اصلاحی پروگرام کا حصہ بنایا۔ جب کہ شاہ سلیمان تونسویؒ نے بدانسان کی صحبت سے بیزاری کے لیے ایک جگہ عوارف المعارف کی عبارت نقل کی کہ ایک سانپ ایسا ہوتا ہے کہ جس پر اسکی نظر پڑ جائے وہ جل جاتا ہے۔ جب حیوانات کے یہ اثرات ہیں تو پھر برے انسانوں کی صحبت کے کیا اثراتِ بد ہوں گے۔ ۱۱؎

iv۔ صوفیائے چشت نے صحبتِ صالح کے بعد جس اصول کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے وہ توبہ ہے چنانچہ ترک معصیت میں جتنی معاون توبہ ہے کوئی اور چیز نہیں۔ یہ اصول درج ذیل آیت اور حدیث کی بنیاد پر ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا توبوا الی اللّٰہ توبہ نصوحاً ۱۲؎

''اے ایمان والو! اللہ کی طرف نصیحت آمیز توبہ کرو۔''

حدیث مبارکہ میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ توبہ کرنے والا ایسے چلے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ ۱۳؎

خواجہ نظام الدین اولیاء کا قول ہے کہ

''توبادانابت درحال جوانی نیکومی آید، در پیری چہ کند کہ تائب نہ شود۔'' ۱۴؎

چنانچہ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں صوفیائے چشت کو عقائد میں بگاڑ کے حوالے سے چیلنج سامنے آتا ہے۔ اس کا مفصل تطبیقی جائزہ لے کر (جس کا اجمالی جائزہ درج بالا سطور میں دیا گیا ہے) صوفیائے چشت کے نظام اصلاح کے اصولوں سے عصر حاضر میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

بین المذاہب تعلقات اور صوفیائے چشت:

اصلاحِ معاشرت میں عقائد کے بگاڑ کے بعد دوسرا بڑا چیلنج جو سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے صوفیہ کو پیش آیا وہ بین المذاہب تعصّبات اور تعلقات کی حدود قائم کرنا تھا۔ ہندوستان (برصغیر) کا معاشرہ بنیادی طور پر کثیر المذہبی'' (Multi faith) معاشرہ تھا۔ سترھویں صدی میں کسی حد تک حالات کچھ بہتر نظر آتے ہیں کہ معاشرے میں ہندو مسلم رواداری کا ایک اسلوب نظر آتا ہے۔ مگر برطانوی عہد میں ہندو مسلم فسادات بڑھ جاتے ہیں اور کشیدگی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جب کہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں سترھویں صدی کی نسبت کشیدگی زیادہ نظر آتی ہے۔ چنانچہ ہندو اور سکھ دو بڑے مذاہب ہیں کہ جن سے کشیدگی معاشرے میں مسلمانوں کے خلاف نظر آتی ہے۔

اصول نمبر 1:

بین المذاہب کشیدگی کو کم کرنے میں صوفیہ چشت کا اصول درج ذیل آیت پر بنیاد پذیر ہے کہ:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ ۱۵؎

''دعوت دو (اللہ کے) اپنے رب کے راستے کی طرف دانائی اور مواعظ حسنہ سے''

سلسلہ چشتیہ کا یہ اصول ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ شگفتہ تعلقات رکھے جائیں۔ چنانچہ حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ کا درج قول اس پر دلالت پیش کرتا ہے کہ:

''حضرت قبلہ من قدس سرہ، فرمودند کہ طریق ماھست کہ با مسلمان وھند و صلح باید داشت، و ایں بیت شاھد آوردند'' ۱۶؎

اصول نمبر 2:

ان کے نزدیک اصلاح معاشرت میں رواداری کے تعلقات ایک اخلاقی وانسانی مطالبہ تھا۔ صوفیائے چشت عملاً ''الخلق عیال اللہ'' کے قائل تھے اور یہی کوشش کرتے تھے کہ عقائد ونظریات کے اختلافات انسانی برادری کے رشتہ پر نظر انداز نہ ہوں۔ چنانچہ اس ضمن میں سلسلہ چشتیہ کے اس اصول کو وضع کرنے میں بابا فریدالدینؒ کا یہ قول اہم ہے کہ:

''ایک شخص بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قینچی پیش کی۔ تو آپؒ نے فرمایا مجھے تو سوئی دو۔ میں کاٹتا نہیں جوڑتا ہوں۔'' ۱۷؎

اصول نمبر 3:

مشائخ چشت کا یہ وطیرہ تھا کہ اگر کوئی ہندو صحبت میں آجاتا اور عقیدت کی بناء پر مستقلاً آنے لگتا اور ذکر وغیرہ کے متعلق پوچھتا تو فوراً بتا دیتے اور خلفاء کو بھی یہی نصیحت فرماتے۔ چنانچہ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ کسی ہندو کو ذکر وفکر سکھانے کے لیے اس بات کا انتظار مت کرو کہ وہ باقاعدہ مسلمان ہوجائے تب ہی اسے بتایا جائے۔ ۱۸؎

اصول نمبر 4:

مشائخ چشت یہ اصول اپنے خلفاء کو بتاتے تھے کہ اگر کوئی شخص ہندو سے مسلمان ہوجائے تو چاہیے کہ اگر اس نے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار نہیں کیا تو رفتہ رفتہ اظہار کردے۔ چنانچہ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ آہستہ آہستہ تبدیلی مذہب کا اظہار ہوجانا ضروری ہے۔ ۱۹؎

بین المذاہب ہم آہنگی ورواداری کے جو اصول صوفیائے چشت نے وضع کیے ان کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاچکا ہے۔ تحقیقی مقالہ میں ان اصولوں کو مفصل بیان کرکے ان سے اطلاق

جائزہ کے حوالے سے استفادہ کیا جائے گا۔عصر حاضر میں استفادہ کی صورت میں ہم ذیل میں عصر حاضر کا سترھویں اوراٹھارھویں صدی سے بین المذاہب تعصّبات پر مبنی مسائل کا تطبیقی جائزہ لیتے ہیں۔

سترھویں صدی عیسویں میں ہندو مسلم اور سکھوں کے درمیان کشیدگی قدرے کم ملتی ہے ۔جب کہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں سکھوں کے مظالم خاص طور پر مسلمانوں پر اپنے عروج تک پہنچ جاتے ہیں۔جب تک سکھوں کی تحریک خالصتاً مذہبی رہی مسلمان بادشاہوں اور صوفیہ نے ان کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے لیکن جیسے ہی اس تحریک نے سیاسی رنگ پکڑا تو سکھوں کے مظالم عروج کو پہنچے۔چنانچہ شاہ فخر الدین چراغ دہلویؒ جب دہلی سے غیاث گڑھ گئے تھے تو سکھوں سے حفاظت کے لیے راستہ میں بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔[۲۰]

عصر حاضر میں بھی برصغیر میں متعصّبانہ انداز واضح ہے ۔ چنانچہ پاکستان میں بین المذاہب تعصّبات اگرچہ نسبتاً کم ہیں لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کو ہندوؤں اور سکھوں سے تقریباً ویسے ہی حالات درپیش ہیں۔عصر حاضر میں ایک اور مذہب عیسائیت پاکستان اور ہندوستان میں بہت حد تک مؤثر ہے۔چنانچہ ہمیں عصر حاضر میں بھی یہ مسائل دیکھنے کو ملتے ہیں کہ عیسائیوں کی عبادت گاہوں پر حملے کیے جاتے ہیں اور زدوکوب کیا جاتا ہے۔صوفیائے چشت کے وضع کردہ اصول اگرچہ اس وقت کے تناظر میں ہندو مذہب کے ساتھ خاص تھے لیکن بالعموم تمام مذاہب کے ساتھ ان اصولوں کے تحت تعلقات استوار کیے جاسکتے ہیں۔مگر یہاں ایک امر واضح ہے کہ مشائخ چشت ہمیشہ شرعی حدود وقیود میں رہتے ہوئے بین المذاہب تعلقات کے حامی ہیں۔چنانچہ غیر مسلم کے ہاتھ کا ذبیحہ حرمت میں ہی آتا ہے اور نکاح کے معاملے میں شرعی اصولوں کو سامنے رکھا جائے۔

عصر حاضر میں بین المذاہب تعصّبات کے ساتھ بین المسالک تعصّبات بھی اپنے عروج پر ہیں۔ چنانچہ اس وقت اگر حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کو شہید کیا گیا تھا تو آج بھی امام بارگاہوں اور مساجد پر حملے ہو رہے ہیں۔ تو صوفیائے چشت کے وضع کردہ درج بالا اصولوں کے پیش نظر عصر حاضر میں اِن مسائل کا حل بھی تحقیقی مقالہ کا حصہ ہوگا۔

امراء کی اصلاح اور صوفیائے چشت:

صوفیائے چشت نے جو سلسلہ کے اصول وضع کیے ان میں سے جہاں ایک اصول یہ تھا کہ نذرانے اور جائیدادیں قبول نہ کی جائیں۔ وہاں یہ بھی اصول تھا کہ معاشرے کے کسی بھی پہلو کو نہ چھوڑا جائے اور جہاں اصلاح کی ضرورت ہو ضرور اصلاح کی جائے۔ چنانچہ شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کی صحبت میں جب امراء کا ہجوم بڑھا تو اس سے ان کو تکلیف ہوئی تو اس ماحول سے تنگی کا اظہار کیا۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے مکتوب لکھا کہ ان لوگوں کو نظر انداز مت کرو احیاء ملت اور ترویج سلسلہ کے لیے جو کوششیں بھی کی جائیں ان میں معاشرے کے کسی بھی پہلو کو نہ چھوڑا جائے۔

> ''مقصود از دخول اہل دول نہ آں است کہ ایشاں طے مراتب درویشی کنند۔۔۔مقصود آں است کہ بہ سبب دخول ایں مردم اکثر مردم دیگر داخل می شوند'' ۲۱۔

> ''اہل دول کے سلسلہ میں داخل ہونے سے مقصود یہ ہیں کہ وہ درویشی کے مراتب ودرجات حاصل کرلیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے شامل ہونے سے بہت سے اور لوگ سلسلہ میں داخل ہوجائیں گے چونکہ عوام کی نظر میں ان لوگوں کا سلسلہ میں داخل ہونا اہمیت رکھتا ہے۔''

اس کے بعد شیخ نظام الدین دہلویؒ نے امراء سے زیادہ پرہیز نہ کیا۔ بلکہ ان کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ جب کہ اٹھارھویں صدی عیسویں میں شاہ فخر الدین دہلویؒ کا طرق شیخ نظام الدین دہلوی سے تھوڑا مختلف نظر آتا ہے۔ وہ امراء کے معاملے میں بہت زیادہ رغبت نہیں رکھتے تھے۔

چنانچہ ان کے بارے میں ہے کہ:

سرداران مغلیہ و ہندوستان کہ ہمہ مریدان و مخلصاں اند ۲۲؎

لیکن آپ میں استغنا اس قدر تھا کہ کبھی اس طرح توجہ نہ دی یہاں تک کہ مجد دالدولہ بہادر نے تین دن تک کے لیے آپ تک کھانا بھیجا مگر آپؒ نے چوتھے دن حکم دیا کہ دعوت صرف تین دن ہو سکتی تھی اب چوتھے دین کھانا نہ بھیجنا۔

چنانچہ صوفیائے چشت کا سلسلہ کے بنیادی اصولوں میں تو یہ اصول ضرور ہے کہ امراء کی طرف رغبت نہ ہو لیکن دوسری طرف یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بشمول امراء صوفیائے چشت نے معاشرے کے کسی بھی پہلو کی اصلاح سے رخ نہیں موڑا۔ چنانچہ ہمیں ایک خاص تناسب نظر آتا ہے کہ جب اپنے نفس کو زیر کرنے کی بات ہو تو استغناء سے کام لیا جائے لیکن جب امراء کی اصلاح کا پہلو سامنے رکھا جائے تو پوری توانائیاں صرف کی جائیں۔

عصر حاضر کے ساتھ تطبیقی جائزہ:

عصرِ حاضر میں ہمیں صوفیاء کے امراء کے ساتھ تعلقات کے درج ذیل رجحانات ملتے ہیں۔

i۔ ایک رجحان تو ایسا ہے کہ دونوں اطراف سے خلیج موجود ہے نہ صوفیاء امراء کی اصلاح کی طرف توجہ دیتے ہیں نہ ہی امراء کو صوفیاء کی صحبت کی طرف رغبت ہے۔

ii۔ دوسرا رجحان یہ ہے کہ صوفیاء امراء کی اصلاح میں بھی پیش پیش نظر آتے ہیں اور معاشرے کے اس پہلو پر خاص توجہ بھی دیتے ہیں۔ جس کی ایک عمدہ مثال فیصل آباد میں مفتی محمد امین صاحب کی ہے۔

iii۔ تیسرا رجحان خود نام نہاد صوفیاء اور معاشرہ دونوں کے لیے خطرناک ہے کہ اس میں صوفیاء امراء کے ساتھ تعلقات صرف خاص دنیوی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے رکھتے ہیں۔

عصر حاضر میں بھی صوفیائے چشت کے اصول کے سامنے رکھتے ہوئے استفادہ کیا جا سکتا ہے کہ جس کے مطابق جب نفس دنیوی مقاصد کی طرف راغب ہو تو استغناء کی دولت اختیار کی جائے جیسا کہ شاہ فخر الدین دہلویؒ کا طرق تھا۔ جب کہ اصلاح معاشرے کے اس اہم پہلو کو نہ چھوڑتے ہوئے اس پہلو پر توجہ دی جائے تو یہ اصول اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ استغناء نفس اور اصلاحِ امراء میں ایک تناسب رکھا جائے تو صوفیائے چشت کے اس اصول سے ہم عصر حاضر میں استفادہ کر سکتے ہیں۔

سلاطین کے ساتھ تعلقات اور صوفیائے چشت:

صوفیائے چشت نے سلسلہ کی اشاعت میں اس اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھا مگر کچھ سلاطین نے اس خلیج کو کم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ چنانچہ شیخ نظام الدین اورنگ آبادی نے دکن میں اپنے سلسلہ کی اس روایت کا پورا خیال رکھا اور لوگوں نے بادشاہ سے ملاقات کرنے پر بار بار اصرار کیا مگر انھوں نے قبول نہ کیا۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کو جب اس بات کا علم ہوا تو مرید کی استقامت پر بہت خوش ہوئے۔ ۲۳؎

لیکن دوسری طرف یہ اصول بھی ملتا ہے کہ صوفیائے چشت نے سلاطین اور بادشاہوں کی ہدایت کے لیے بہت کوششیں بھی کیں اور یہ اصول اپنی جگہ کارآمد ہے کہ سوسائٹی کا ایک اہم

پہلو یہی ہے کہ سلاطین کی اگر اصلاح ہو جائے تو بہت سے معاملات میں عوام کی اصلاح کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بادشاہِ وقت کو موجود حالات کے پیشِ نظر مستقبل میں اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال کی طرف توجہ کرنے کی ترغیب دلاتے۔ چنانچہ شاہ فخر الدین دہلویؒ نے بادشاہِ وقت کو امراء کی لڑائیوں کی وجہ سے ملک ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر شاہ صاحب صاف لفظوں میں فرمایا کہ:

"سلطان عصر تا بذات خود بہ امور ملک ستانی و ملک واری متوجہ نشود، و اختیار محنت و مشقت نکند بندوبست بہ ہیچ وجہ صورت نمی گیرہ" ۲۴۔

سلطانِ وقت جب تک خود امور مملک کی طرف متوجہ نہ ہوگا اور محنت و مشقت اختیار نہ کرے گا حالات کبھی ٹھیک نہ ہوں گے۔

چنانچہ صوفیائے چشت کا یہ طریقہ رہا ہے کہ سلطنت کے معاملات میں بادشاہ وقت کو اپنی سیاسی بصیرت کی بناء پر پیش آمدہ حالات کی خبر دیتے رہے ہیں۔

سترھویں صدی عیسوی میں اگر سلطنت کے حالات کو دیکھا جائے تو موجودہ دور کی طرح دن بدن ابتر صورتحال تھی۔ جس کے نتیجہ میں مغلیہ سلطنت آخر دم توڑ گئی۔ لیکن اس وقت صوفیائے چشت نے جس سیاسی بصیرت کے ساتھ سلطنت کو بچانے کے لیے بادشاہوں کی ہدایت کی اسی کی کڑی آج بھی متقاضی ہے۔

بعدازاں تحریک پاکستان میں چشتیہ سلسلہ کی ہی ایک خانقاہ سیال شریف کا اہم کردار ملتا ہے لیکن موجودہ دور میں خصوصاً پاکستان میں اس عمل کی ضرورت ہے کہ صوفیاء کو ملک کے سیاسی حالات کا پوری بصیرت کے ساتھ جائزہ لیتے ہوئے بادشاہوں اور حکمرانوں کی ہدایت کے لیے قدم اٹھانا چاہیے کیونکہ ملک وملت کا قیام ہے تو مسلم معاشرہ بھی قائم ہے۔

معاشرے کے متفرق مسائل اور صوفیائے چشت:

خصوصاً اٹھارھویں صدی عیسوی میں اگر تاریخ کے تناظر میں عام مسلمانوں کی حالت کو دیکھا جائے تو نہایت ابتر حالت نظر آتی ہے۔ جب شاہ فخر الدین دہلویؒ نے ارشاد وتلقین کی مسند پر قدم رکھا تو مذھب کی روح ختم ہو چکی تھی۔ مذہب سے ناواقفیت عام تھی اور قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کا رجحان نہ تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے انھی حالات کے پیش نظر قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کرایا اور شاہ فخر الدین عوام کی ذھنیت کو دیکھ رہے تھے چنانچہ شاہ صاحب نے جمعہ کا خطبہ اردو میں بھی پڑھنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

''اگر ہندوستان میں جمعہ کا خطبہ ہندی زبان میں بھی دیا جائے تو اس کا مقصد حل ہوجائے، ورنہ عوام کے لیے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے کہ وہ عربی زبان سے واقفیت نہیں رکھتے۔'' ۲۵؎

اسی صدی میں جو دوسرا مسئلہ سب سے زیادہ جڑ پکڑ چکا تھا وہ دنیا دار صوفیہ کا تھا۔ جو اصل میں جھوٹے صوفیہ تھے اور لوگوں کو ضعیف الاعتقادی میں مبتلا کر رہے تھے۔ چنانچہ شاہ فخر الدین دہلویؒ نے پوری توانائیوں کے ساتھ اس فتنہ کو آڑے ہاتھوں لیا اور اس ضعیف الاعتقادی کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ چنانچہ یہ مشہور تھا کہ اگر کوئی شخص شاہ صاحب کا مرید ہوجائے تو دنیا کا ہر کام اس کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیے جب کہ شاہ صاحب نے اس نظریہ کی قطعی تردید کی اور فرمایا:

''در کارخانہ خدا مداخلت نہ کنیم۔حق تعالیٰ ہر چہ خواستہ باشد بکند۔'' ۲۶؎

اٹھارھویں صدی عیسوی میں باطل صوفیہ کا مسئلہ جس طرح سے نظر آتا ہے، آج بھی یہ مسئلہ دن بدن شدت پکڑ رہا ہے اور ضعیف الاعتقادی کی فضا عام ہو رہی ہے اور لوگ عوامل کے ذریعے نہ جانے کیا کچھ ہوجانے پر یقین رکھتے ہیں۔ ان میں جادو کے ذریعے مختلف عوامل کا وقوع

پذیر ہونا تک جیسے باطل عقائد شامل ہیں۔تطبیقی جائزہ میں جہاں تک اس امر کی بات ہے تو مسئلہ اپنی جگہ موجود ہے مگر حل کے لیے کوشاں ہونے کی اپنی جگہ ضرورت ہے۔اس کے دو طرح سے حل ہو سکتے ہیں۔

i۔ سٹیٹ کو چاہیے کہ اس طرح کے باطل صوفیہ کے خلاف منظم قانون سازی کر کے اسے بطریق احسن عمل میں لایا جائے۔

ii۔ شاہ فخر الدین دہلویؒ کی طرح تمام سلاسل کے صوفیاء کو میدان عمل میں آ کر اس ضعیف الاعتقادی کا خود قلع قمع کرنا چاہیے۔

اور اس کی بہترین صورت یہ ہوگی کہ قانون سازی کے بعد قانون کا نفاذ اپنی جگہ مؤثر سہی مگر مشائخ حق کی مشاورت کے ساتھ اگر سٹیٹ اپنا کردار ادا کرے تو اور زیادہ مؤثر ہوگا کیونکہ لوگ جس قدر مشائخ کی بات پر عقیدتاً عمل پیرا ہوں گے شاید قانون سازی بھی اس حد تک اثر انداز نہ ہو سکے۔چنانچہ اندیشہ کے پیش نظر شاہ فخر الدین دہلویؒ کا طرق یہ بھی نظر آتا ہے کہ آپ اعمال و وظائف بتانے سے پرہیز کرتے اور نماز کی پابندی کی تلقین فرماتے ہیں۔

''آں حضرت را از خواستن اعمال نفرت کلی است۔''۲۷

اور اگر کسی کو کوئی بھی عمل بتانا ہوتا تو حدیث شریف سے بتاتے۔

صوفیائے چشت کی رفاہی خدمات:

صوفیائے چشت کا رفاہی نظام کچھ ایسا تھا کہ خلقت کا خانقاہ میں ہر وقت ہجوم رہتا اور جو بھی اپنا مسئلہ بیان کرتا اسے حل کرنے کی پوری کوشش کی جاتی۔چنانچہ لوگ اپنے معاشی اور معاشرتی مسائل کے حل کے لیے بھی خانقاہوں کا رخ کرتے۔

چنانچہ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ حضرت اورنگ آبادیؒ کی خانقاہ کے دس دروازے تھے ہر دروازے پر کاتب بیٹھا ہوتا جو حاجت مند آتا اس کی حاجت

کو لکھ کر دے دیتا اور حاجت مند جس امیر کے پاس جاتا وہ اس کی حاجت پوری کرنے کو اپنی سعادت دارین سمجھتا۔ ۲۸ ؎

چنانچہ یہ سلسلہ چشتیہ کے نظام کی خوبصورتی تھی کہ لوگ اپنے مسائل کے حل کے لیے آتے اور امراء کی تربیت کا بھی یہ عالم تھا وہ ان کی حاجت کو پورا کرنے میں اپنی سعادت سمجھتے۔

اسی طرح صوفیائے چشت کا لنگر خانہ کا نظام بھی ہر خاص و عام کے لیے اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ قاضی محمد عاقلؒ کا لنگر ابتدائی زمانہ سے ہی جاری تھا اور یہ لنگر خانہ ہر خاص و عام خصوصاً طلباء کے لیے کھلا رہتا۔ چنانچہ خواجہ گل محمد لکھتے ہیں کہ خواجہ محمد عاقل کا لنگر خانہ ایسا تھا کہ ایک وقت میں قریباً ۵۰۰ افراد کھانا کھاتے اور اگر عسرت کا عالم نہ ہوتا تو یہ تعداد ۵۰۰ سے بھی کہیں زیادہ تک تجاوز کر جاتی تھی۔ ۲۹ ؎

صوفیائے چشت کے لنگر خانے کی یہ خدمت آج بھی خانقاہ چشتیہ کا ایک اہم حصہ ہے اور صوفیائے چشت کی خانقاہوں کے علاوہ جدید طرز میں یہ طریقہ سیلانی ویلفیئر فاؤنڈیشن (ٹرسٹ) نے شروع کیا ہے۔ جس کے مطابق پاکستان کے قریباً ہر بڑے شہر کے مختلف مقامات پر سیلانی ویلفیئر ٹرسٹ کا لنگر خاص و عام تک پہنچا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، بیروت : المکتبۃ العصریہ، کتاب العلم، رقم الحدیث ۳۶۴۱

۲۔ ابوالحسن علی بن (سلطان) محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، بیروت: دارالفکر، کتاب المناسک، رقم الحدیث ۲۷۳۱

۳۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، تفہیمات الہیہ، ص ۴۹

۴۔ مناقب المحبوبین نظام الملک، ص ۳۴

۵۔ ایضاً، ص ۴۶

۶۔ مکتوبات کلیمی، مرتبہ: محمد قاسم کلیمی، مطبع یوسفی دہلی: مکتوب نمبر ۲۱، ص ۲۶

۷۔ فوائدالفوادملفوظات شیخ نظام الدین، ازخواجہ حسن سنجریؒ، ص ۱۸

۸۔ الطبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۵۹۴۲

۹۔ فوائدالفوادملفوظاتِ شیخ نظام الدین، ازخواجہ حسن سنجری، ص ۱۱

۱۰۔ البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۵۲

۱۱۔ نافع السالکین ملفوظات خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ ازمولانا امام الدین، لاہور، ص ۵۲

۱۲۔ القرآن، سورۃ التحریم: ۸

۱۳۔ المروزی، ابوعبداللہ محمد بن نصر، تعظیم قدر الصلوٰۃ، المدینۃ منورۃ: مکتبۃ الدار، ص ۸۴۲

۱۴۔ فوائدالفواد، ملفوظاتِ شیخ نظام الدین، ازخواجہ حسن سنجری، ص ۲۱۹

۱۵۔ القرآن، سورۃ النحل: ۱۲۵

۱۶۔ نافع السالکین، ملفوظات خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ ازمولانا امام الدین لاہور، ص ۱۷۶

۱۷۔ فوائدالفوادملفوظات شیخ نظام الدین ازخواجہ حسن سنجری، ص ۸۵

۱۸۔ مکتوبات کلیمی مرتبہ مولوی محمد قاسم کلیمی، دہلی: مطبع یوسفی، مکتوب نمبر ۱۲، ص ۶۷

۱۹۔ ایضاً، ص ۸۵

۲۰۔ فخری، مولانا رحیم بخش، شجرۃ الانوار، ص ۱۴۴

۲۱۔ مکتوبات کلیمی، مرتبہ مولوی محمد قاسم کلیمی، دہلی: مطبع یوسفی، ص ۶

۲۲۔ نظام الملک، مناقب فخریہ، ص ۴۰

۲۳۔ مکتوبات کلیمی، مرتبہ: مولوی قاسم کلیمی، دہلی: مطبع یوسفی، ص ۲۸

۲۴۔ نظام الملک، مناقب فخریہ، ص ۳۶۔۳۵

۲۵۔ حسینی، سید نور الدین، فخر الطالبین (ملفوظات شاہ فخر الدین دہلوی)، ص ۴۶

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۱۵

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۲۶

۲۸۔ امام الدین، نافع السالکین (ملفوظات خواجہ محمد شاہ سلیمان تونسوی)، ص ۱۰۷

۲۹۔ نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخِ چشت، لاہور: زاویہ پبلشرز، ص ۴۴۴

ملفوظاتی ادب میں مباحثِ رسالت ﷺ
(مطالعہ و جائزہ)

عمارہ رحمن

ABSTRACT:

After the discontinuity of prophethood, Sufis are the heir of the knowledge of prophesy. Sufis talked in a general way to make the religion understandable for the common men. Therefore, Islam was spread in subcontinent by Sufis. Sufis left no stone unturned in their guidance and supervision. The topic of research is a debate on apostleship in Sufi discourse. The study of Sufi discourse creates aversion for worldliness and materialism and recalls the Day of Judgment. Sufi discourse can eradicate the social and societal evils. It has great importance in preaching of Islam and teaching religion to common men.

تمام انبیاء کرام علیہ السلام کی تعلیمات بنیادی طور پر ایک ہی تھیں البتہ سابقہ انبیاء علیہ السلام کی مساعی چونکہ وقتی تھیں اور اپنے اپنے علاقے اور قوم میں تھیں پھر ابتدا میں وسائل آمد و رفت بھی ناپید تھے مزید براں نبوت و وحی کا سلسلہ جاری تھا، ضلال و بے عملی پر اللہ تعالیٰ نیا نبی معبوث فرما دیتے تھا اور یوں اسلام کی تعلیمات کا تسلسل قائم رہتا تھا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو معبوث فرمایا اور ان کو رحمت للعالمین بنا دیا۔ آپ ﷺ کل روئے ارضی کیلئے نبی تھے اور تا قیام قیامت بنی نوع انسان کی طرف بھی نبی ہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کئی اعتبار سے منفرد ہیں اور آپ ﷺ کا دور مبارک نوع انسانی کیلئے

بلوغ کا زمانہ اور دورِ جدید کا افتتاحی دور ہے۔لہٰذا آپ کی تعلیمات کی وسعت بھی زیادہ اور زمانی تسلسل بھی لامتناہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت اور تزکیہ نفس کیلئے پے در پے اپنی پسندیدہ ہستیوں کو بھیجا پیغمبران عظام کا یہ سلسلہ نبی رحمت شفیع دو عالم ﷺ کی ذات گرامی پر ختم ہو گیا۔انبیاء کرام کے اس منشور کی ذمہ داری امتِ مصطفی ﷺ کے علماء اور اولیاء پر ہے، چناچہ بنی نوع انسان کی ہدا یت اور تزکیہ نفس کیلئے امت مصطفی ﷺ کے اولیاء ہر دور میں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

یہ حقیقت اہل بصیرت سے مخفی نہیں کہ مشائخ کرام کی باتیں گویا طائفہ الٰہی کی باتیں ہیں۔مشائخ صوفیہ کے احوال و اقوال، جو ان کی کرامتوں اور استقامتوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور جس کی بنیاد ان کے ظاہری و باطنی علوم پر ہوتی ہے اور نو آموزوں کیلئے اشتیاق و ترغیب کا باعث بنتے ہیں اور پختہ کارواں کیلئے نظام زندگی اور دستور کی حیثیت رکھتے ہیں خاص طور پر اپنے آباو اجداد کے تاریخی آثار سننے سے اولاد و اخلاف کیلئے زیادہ سے زیادہ فائدہ کی اُمید ہوتی ہے۔اہل تصوف کے ہاں صوفیہ کرام کی تحریریں جو کہ ان کی تالیفات و مکتوبات یا ملفوظات کی شکل میں موجود ہیں بہت اہمیت کی حامل رہے ہیں۔مرید اپنے مرشد یا استاد کے فقرے کو جس طرح سنتے اسی طرح اسے لکھ کر محفوظ کر لیتے ہیں ان کو ملفوظات کہتے ہیں۔ملفوظات صوفیہ کرام کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات قدسی ہوتے ہیں جو وہ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کے مجمع میں بیان کیا کر تے تھے اور کرتے ہیں، ملفوظات کو اشارات و ارشادات اور اقوال و قوائد بھی کہتے ہیں۔ملفوظات کا خاص الخاص موضوع "دعوت و تربیت" ہے۔ملفوظات کی زبان عوامی ہوتی ہے اور عمومی طور پر ملفوظات کا انداز بھی عوامی ہوتا ہے۔چناچہ ملفوظات عوامی سطح پر دین کی تفہیم کا ذریعہ ہیں۔عقائد اسلام کی بنیاد میں سے اگر ایک عقیدہ بھی خراب اور فاسد ہو گیا تو اسلام کی عمارت خراب ہو گئی۔

لا الہ الا اللہ ہمارا اقرار و اعلان اعتقاد و ایمان، عمل اور شان ہو، یہی عقیدہ دین کی اصل بنیاد ہے اس کلمے میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا عہد و اقرار ہے۔ "محمد رسول اللہ" کلمے کے اس حصے میں حضرت محمد ﷺ کے رسول خدا ہونے کا اقرار اور اعلان ہے جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دنیا کی ہدایت کیلئے بھیجا ہے آپ ﷺ نے جو کچھ بتلایا اور خبریں دیں وہ سب صحیح اور درست ہیں رسول ﷺ پر ایمان لانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ان کی ہر بات کو مانا جائے، ان کی تعلیم و ہدایت کو اللہ تعالیٰ کی تعلیم و ہدایت سمجھا جائے۔ ذیل میں ملفوظاتی ادب میں سیرت النبی ﷺ کا تذکرہ کیا جائے گا۔ آپ ﷺ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی صفات کا مجموعہ اور مخزن ہیں۔

ولادت رسول کریم ﷺ:

ولادتِ رسول کریم ﷺ کے متعلق حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے یوں فرمایا کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو سارے بت سرنگوں ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کے دونوں مبارک کندھوں پر نور کے قلم سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا اور ان دونوں کے بیچ مہر نبوت تھی۔ جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تو حجرہ منور ہو گیا کہ گویا لاکھوں مشعلیں وہاں روشن ہوئیں۔ پھر فرمایا کہ جس رات نبی ﷺ کی پیدائش ہونے والی تھی اسی رات جناب ﷺ کے چچا ابو طالب نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے آسمان سے روشن مشعل لے کر عبداللہ (والد بزرگوار رسو ل اللہ ﷺ) کے گھر آئے ہیں اور قبیلہ قریش کے آدمی اور پڑوسی اس مشعل سے اپنے اپنے چراغ روشن کر رہے ہیں اور اپنے اپنے گھروں میں لے جا رہے ہیں، میں نے اپنا چراغ اس مشعل سے روشن کرنے کی بہت کوشش کی مگر مشعل مجھ سے دور ہٹتی گئی اور میرا چراغ روشن نہ ہوا آخر جب میں بیدار ہوا تو سنا کہ عبداللہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے(۱)۔

فرمایا کہ چاند اور سورج کا نور بھی سرور کائنات ﷺ کے نور سے ہے، بہشت میں جو درخت وغیرہ ہیں، ان پر آنحضرت ﷺ کا اسم مبارک لکھا ہوا ہے اور انہیں حکم ہے کہ قیامت تک اسی نام کا ورد کرتے رہو۔ آسمان اور زمین میں ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں آنحضرت کا اسم مبارک نہ لکھا ہو۔ حجاب عظمت سے لیکر عرش عظیم تک بھی ایسا ہی ہے(۲)۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے تو حضرت عبداللہ کے گھر سے ایک نور نکل کر آسمان کی طرف چڑھ گیا، جب ابلیس نے وہ نور دیکھا تو بہت غمگین ہوا۔ اس سے پوچھا گیا کہ اتنے غمگین کیوں ہو، کہنے لگا آج رات عبداللہ کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اور اس کے گھر سے نور نکل کر آسمان کی طرف جا رہا ہے اور ہمارا آسمان کی طرف چڑھنا بند کر دیا گیا ہے کہ اس کے بعد ہم آسمان کی طرف نہیں چڑھ سکتے۔ حضرت عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا کہ میرے گھر میں ایک نور پیدا ہوا ہے۔ جب بیدار ہوئے تو خوابوں کی تعبیر بتانے والے کے پاس گئے اور اپنا خواب بیان کیا، اس نے تعبیر دی کہ تمہارے گھر میں نبی آخر الزمان پیدا ہونگے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھے:

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست کتب خانہ چند ملت بشست

از لات وعزیٰ برآورد گرد کہ توریت وانجیل منسوخ کرد(۳)

حضرت قدوۃ الکبراؒ فرماتے تھے کہ حضرت رسول ﷺ کی ولادت (باسعادت) مکہ معظّمہ میں اصحابِ فیل کے واقعے کے سال میں ہوئی تھی۔ بعض روایتوں میں کہا گیا ہے۔ کہ واقعہ فیل کے تیس یا چالیس سال بعد ولادت ہوئی تھی لیکن روایت اول صحیح ہے۔ سرور انبیا و پیشوائے اصفیاء بروز پیر بارہ ربیع الاول کو عالم ناسوت میں جلوہ افروز ہوئے (۴)۔

حضور ﷺ کا نسب گرامی:

حضرت محمد ﷺ کا خاندان کرہ ارض پر سب سے بہتر خاندان تھا۔ان کے خاندانی شرف کی گواہی دشمن تک دیتے رہے ہیں۔آپ ﷺ کی قوم تمام اقوام سے محترم، ان کا قبیلہ تمام قبائل سے زیادہ باوقار آباو اجداد تمام لوگوں سے زیادہ ذی شرف ہیں۔ابو القاسم محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ عرف قریش بن عدس بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرک بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن او بن اود بن ہمیع بن یخسب بن ثابت بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم بن آذر، بن تارخ بن شاروع بن ارغو بن فالخ بن شالخ بن عامر بن ارفحشد بن سام بن نوح بن تمک بن سوشلخ بن احزح یعنی ادریس بن برذ بن بارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔(۵)

حضرت قدوۃ الکبرا فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے حسب ونسب کا علم حاصل کرنا شریف ترین عمل ہے اور آپ ﷺ کے اجداد میں چار جدوں کے نام یاد ہونا مسلمان ہونے کی شرط ہے۔(۶)

آنحضور ﷺ پر نبوت ورسالت کی تکمیل:

آپ ﷺ نبی آخر الزمان ہیں۔باعتبار ظہور آپ ﷺ آخری نبی ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی طفیلی، ظلی یا بروزی نبی نہیں آئے گا۔حضرت قدوۃ الکبرا محمد مصطفی ﷺ کی نبوت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ جس طرح انواع انسانی (کے کمالات) کی انتہا نبوت ہے اسی طرح محمد ﷺ کی نبوت کا ذوق تمام انبیا و رسل کے اذواق کا منتہا ہے۔آپ ﷺ مخلوق میں سب سے اکمل اور افضل ہیں۔قیامت کے روز جب تمام کاملین میدان حشر میں حاضر ہوں گے

آپ ﷺ ہی رسولوں کے سردار اور اولین و آخرین کا انتخاب ہوں گے بلند درجات میں فردوس اعلیٰ ایسی زینت ہے کہ اس سے عظیم تر کوئی زینت نہیں ہے اسے ''مقام محمود'' کہتے ہیں۔

وَمِنَ الَّیلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ عَسٰی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا(۷)

''کس قدر رات کے حصے میں سو اس میں تہجد پڑھا کیجئے جو آپ کے لیے زائد چیز ہے۔ امید ہے کہ آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔ وہ مقام سوائے ایک ہستی کے کسی کے لائق نہیں ہے صرف آپ ﷺ کی ذات گرامی کیلئے مخصوص ہے۔ آپ ﷺ کی شریعت تمام شریعتوں کی ناسخ ہے اور آپ ﷺ کا دین تمام ادیان سے اکمل ہے۔ آپ ﷺ خاتم الانبیاء اور بلند مرتبہ کے بزرگ ہیں، آپ ﷺ پر سلامتی ہو۔

مَا کَانَ مُحَمَّد'' اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا(۸)

''محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے''

نظم:

تا شبے نیست صبح ہستی زاد آفتابے چنیں ندارد باد

ہر کہ چوں خاک نیست بر در او گر فرشتہ است خاک بر سر او

(جس رات کی صبح آپ ﷺ کی ولادت با سعادت ہوئی) آج تک ایسی صبح زندگی پیدا کرنے والی رات وجود میں نہیں آئی نہ آفتاب کو کوئی ایسی رات یاد ہے۔ جو شخص آپ ﷺ کے در مبارک کی خاک نہ ہوا گر وہ فرشتہ ہے تو اس کے سر پر خاک۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے جس نے آنحضرت ﷺ کو بھیجا۔حق کے ساتھ مخلوق کی طرف خوشخبری دینے والا ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا روشن چراغ ۔ آپ ﷺ پر نبوت ختم کر دی اور آپ ﷺ کی رسالت کو کامل کیا۔آپ ﷺ کے بعد نبوت کا اظہار نادانی اور سرکشی ہے کیونکہ کمال پر زیادتی نقصان ہے(۹)۔

بہر کیف آپ ﷺ کی نبوت کسی ایک علاقے یا خطے کے لئے نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ جن وانس کے نبی ہیں ۔پہلے انبیاء و رسل ایک خاص علاقے یا خاص قوم کے لئے ہادی بن کر تشریف لاتے رہے مگر حضور ﷺ تمام انسانوں کے لئے بلا حد و قید تشریف لائے ۔آپ ﷺ کی دعوت و نبوت کسی بھی کسی بھی جغرافیائی حد تک محدود ہونے کی بجائے عالمگیر ہے۔

رسول کریم ﷺ کی پیشن گوئیوں کی عملی شکل:

محمد انور شاہ کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ جب تک رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئیاں دنیا میں عملی شکل اختیار نہ کرلیں گی اس وقت تک قیامت نہ آئیگی ۔انبیاء کے معجزات کا عملی مشاہدہ کرادیا جائے گا۔اس بات کو پچاس سال کے قریب ہو گئے چنانچہ آہستہ آہستہ سب حقائق کا تجربہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور آج کل کے خلائی سفر کرنے والے سترہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سیر کرتے ہیں ابھی یہ بھی ابتدائی حیثیت ہے۔مستقبل قریب میں خلائی مسافروں کا سفر نہایت تیز رفتار ہوگا۔وہ بہت حیرت انگیز ہوگا ۔کیونکہ ستاروں کی درمیانی مسافت کو بہت تیزی سے طے کر لیں گے جس کا تصور بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔

گارڈن کوپر کا زمین کے اردگرد ۹۰ منٹ میں ۲۲ چکر لگانا ایسے نئے دور کا پیغام ہے جسے آئن سٹائن نے اپنے نظریہ اضافت کی بناء پر پہلے ہی صحیح مان لیا تھا یہ خلائی سفر گارڈن کوپر نے ۹۰ منٹ میں طے کرلیا اور گارڈن کوپر کی عمر اس خلائی سفر میں کم ہو گئی (۱۰)۔

معجزات نبی ﷺ:

قرآن مجید آپ ﷺ کا عظیم ترین معجزہ ہے دنیا جہاں کے فصیح و بلیغ انسان قرآن مجید کی مثل (کتاب) پیش کرنے سے عاجز اور حیران رہے وہ ہی نہیں بلکہ ان جیسے اور لوگ بھی ان کے مددگار ہو جائیں تب بھی قرآن کی مثل پیش نہیں کر سکتے۔قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد ساحرانِ زمانہ اسکی سچائی اور ہدایت پر ایمان لائے۔ان سے سوال کیا گیا کہ اسکی مثل دس کامل سورتیں بنا کر لائیں لیکن ناکام رہے۔(۱۱)

حضرت نظام الدین اولیا معجزات رسول ﷺ کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ حیوانات اور جمادات آنجناب ﷺ کے فرمانبردار تھے اس کے بارے میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب رسول خدا ﷺ مبعوث ہوئے تو معاذ جبل کو یمن کی طرف بھیجا اور اسے فرمایا کہ اس میں ولائت عین الرعاف نام کا چشمہ ہے جسے عین الوعات بھی کہتے ہیں اس چشمے کی یہ خاصیت ہے کہ اگر اس میں سے تھوڑا سا بھی پانی پی لیا جائے تو انسان فوراً ہلاک ہو جاتا ہے۔جب اس چشمے پر پہنچو تو کہنا کہ ''میں مبعوث ہوا ہوں'' جب وہاں پہنچے تو پیغمبر خدا ﷺ کا پیغام پہنچایا اور نبوت کی حکایت ظاہر کی وہ چشمہ رسول خدا ﷺ کی رسالت پر ایمان لایا اور اپنی خاصیت کھو دی۔(۱۲)

درود شریف کے فضائل و برکات:

اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر خصوصی رحمت فرماتا ہے اور فرشتے اللہ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کی ذات بابرکات پر رحمت کے نزول کی دعا مانگنے میں مصروف ہیں اور یہی حال ایمان والوں کا ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں آنحضور ﷺ کی ذات پر رحمتوں کے نزول کی دعا مانگتے ہیں اور اہل ایمان کو درود و سلام بھیجنے کا باقاعدہ حکم دیا گیا ہے۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے درود شریف کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ (طوفان نوح کے وقت) حضرت نوحؑ کشتی کے کسی جگہ نہ ٹھہرنے کی وجہ سے حیران تھے، حضرت حق سبحانہ نے حضرت نوحؑ کو فرمایا کہ ہمارے حبیب حضرت محمد ﷺ پر درود بھیجو، جب حضرت نوحؑ نے درود پڑھا کشتی کوہِ جودی پر ٹھہر گئی۔ نیز آپ نے یہ شعر پڑھا:

سیدالکونین ختم المرسلین آخر آمد بود فخر الاولین (۱۳)

سید مہر علی شاہؒ نے ملفوظات مہریہ میں درود شریف کی برکت کے بارے میں بیان فرمایا ایک دن آپ بعد نماز عصر دولت خانہ کی طرف لے گئے۔ بندہ اور چند اشخاص ہمراہ تھے۔ جب نالہ کے درمیان میں پہنچے فرمایا ''جن دنوں میں ہندوستان میں تھا میں نے عالم رویا میں دیکھا کہ یہاں اس جگہ بیٹھا ہوں (نالہ کے دائیں طرف اشارہ فرمایا) اور اس طرف سے ایک زبردست سیلاب آتا دکھائی دیا۔ جب وہ میرے قریب پہنچا میں نے درود شریف پڑھنا شروع کر دیا درود شریف کی برکت سے سیلاب واپس ہو گیا۔ فرمایا کہ ان ایام میں میں درود شریف بہت پڑھا کرتا تھا۔ پھر وہاں سے چند قدم آگے جا کر فرمایا کہ بچپن میں میں ایک دن یہاں ڈوب گیا تھا (اور اشارہ نالہ کے بائیں طرف فرمایا) یہاں ایک چھوٹا سا گڑھا تھا جس میں میں غسل کر لیا کرتا تھا۔ ایک دن جب میں غسل کیلئے اس میں داخل ہوا تو نیچے ہی چلا گیا۔ لیکن سر کے کچھ بال پانی سے باہر رہے اتفاقاً ایک عورت کوزہ میں پانی بھرنے آئی۔ اس نے دیکھا کہ انسانی سر کے بال ہیں فوراً اپنا کوزہ چھوڑ کر مجھے باہر نکالا جب مجھے پہچانا تو بہت مہربانی سے پیش آئی۔ (۱۴)

خواجہ شمس العارفینؒ درود شریف کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میں آپ پر بہت درود بھیجتا ہوں ' پس عبادت کے اوقات میں سے کتنا وقت آپ ﷺ کے درود پر صرف کروں؟ آنحضرت ﷺ

نے فرمایا جتنا وقت تم خود کو دینا چاہو میں نے عرض کیا چوتھا حصہ؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس قدر تم خود چاہو لیکن اگر اس سے زیادہ کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا 'نصف مقرر کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس قدر تم خود چاہو لیکن اگر تم اس سے زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے میں نے عرض کیا دو تہائی ؟ فرمایا جس قدر تم چاہو لیکن اگر تم اس سے زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ پھر میں نے عرض کیا، آپ ﷺ کے درود کے لئے تمام کا تمام وقت مقرر کرتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب تمہیں دین و دنیا کے مقاصد حاصل ہونے لگیں گے اور تمہارے تمام گناہ دور ہو جائیں گے۔(۱۵)

اللہ اور اسکے فرشتے رسول ﷺ پر درود بھیجتے ہیں ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر کثرت سے درود و سلام بھیجا کرو کیونکہ درود پاک کی فضلیت اور برکت سے ہماری بہت سی پریشانیاں اور مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کا حکم:

سید مہر علی شاہؒ نے فرمایا کہ مدینہ میں کلمہ الصلوۃ والسلام علیک یا محمد ﷺ اس قدر کثرت سے پڑھا جاتا ہے کہ ہر طرف سے یہی آواز سنائی دیتی ہے۔ ہمارے ملک کے بعض لوگ اس قسم کی نداو استغاثہ واستشفاع کو شرک کہتے ہیں۔ وہ اگرچہ نماز بظاہر اچھی طرح سے ادا کرتے ہیں لیکن حدِ ادب بہت کم نگاہ رکھنے کے باعث بے برکت رہتے ہیں کمالات محمدیہ ﷺ ایسے نہیں کہ نطق و بیان کی حد میں آسکیں رسول خدا ﷺ کی تعظیم شعائرِ اہل ایمان اور نشانِ اہل اسلام سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔(۱۶)

''جولوگ آنحضرتؐ کے ساتھ ایمان لائے۔آپؐ کی تعظیم وتوقیر کی اور آپؐ پر نازل شدہ نور کی تابعداری کی وہی لوگ کامیاب ہیں''

یہاں مفسرین نے عزروکا معنی عظموہ وفخموہ لکھا ہے جسکا معنی تعظیم ہوتکریم ہے۔ایک اور مقام پر تعزروہ وتوقیروہ فرمایا۔اسی طرح تعلیم ادب کیلئے حکم فرمایا کہ آنجناب ﷺ کوایسے نہ بلاؤ جیسے ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔اور نیز فرمایا کہ اپنی آواز کو نبی ﷺ کی آواز پر بلند نہ کرو۔اوران ﷺ کے گھروں میں بلا اجازت نہ جاؤ۔حدِادب نگاہ رکھو۔ان کے سامنے کسی چیز کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھو۔یہ سب احکام تعلیم ادب کیلئے فرماتے ہیں۔(۱۷)

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی تعظیم اور توقیر کا حکم دیا ہے اور حضور ﷺ کے سامنے آواز تک بلند نہ کروورنہ تمھارے اعمال ضائع ہوجائیں گے اور تمھیں معلوم تک نہ ہوگا کہ تم نے اس بے ادبی اور بے احتیاطی سے کیا کچھ کھودیا اور تم کیسے عظیم نقصان اور خسارے سے دوچار ہوجاؤ۔کیونکہ ایمان بالرسالت کا پہلا لازمی نتیجہ نبی اکرم ﷺ کا ادب واحترام اور آپ ﷺ کی توقیر وتعظیم ہے۔

اتباع واطاعت:

نبی اکرم ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی توقیر وتعظیم کا پہلا لازمی نتیجہ آپ ﷺ کی مکمل اطاعت ہے۔خواجہ شمس العارفینؒ نے فرمایا کہ درویش کو خدا اور رسول ﷺ کے حکم سے غافل نہیں ہونا چاہیے اور سعادت دارین حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کرنی چاہیے۔اس زمانے میں اکثر لوگ زہدوریاضت کے بغیر اپنے آپ کو پارسا مشہور کردیتے ہیں اور لوگوں کے سامنے خدا اور رسول ﷺ کی محبت کی دعویٰ کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ سعادت دارین صرف اتباع رسول میں ہے۔جب کہ قرآن میں مذکورہ ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (۱۹)

''یارسول ﷺ آپ فرمادیجئے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میرے نقش قدم پر چلو خدا تمھیں اپنا دوست بنائے گا۔''

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں جب کہ مسلمانوں نے نبی اکرم ﷺ کی متابعت کو چھوڑ دیا ہے۔حق تعالیٰ نے کافروں کو ان پر مسلط کر دیا ہے۔اس کے مطابق ایک حکایت بیان فرمائی کہ جب سکھوں نے ملتان کا محاصرہ کیا۔ایک بزرگ نے رسول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول ﷺ اپنی امت کی امداد فرمائیں ۔رسول خدا ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول ﷺ اپنی امت کی امداد فرمائیں ۔رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میری امت نے میری پیروی چھوڑ دی ہے اس لئے حق تعالیٰ نے کفار کو اس پر مسلط کر دیا ہے(۲۰)۔

پس معلوم ہوا کہ رسول ﷺ کی کامل اطاعت اور قرآن وسنت کے احکام پر سر تسلیم ختم کرنا ایمان بالرسالت کی شرطِ لازم ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں اللہ کی اطاعت کا حکم ملے گا وہاں اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم بھی ساتھ ہی موجود ہوگا۔

شفاعت مصطفیٰ ﷺ:

بے واسطہ اللہ (عزوجل) تک پہنچنے والے صرف ''محمد رسول اللہ'' ہیں۔یہ ہی سبب ہے کہ روزِ قیامت تمام انبیاء اولیاء و علماء کی شفاعت فرمائیں گے، ان کی شفاعت حضورِ اقدس ﷺ کی بارگاہ میں ہوگی۔ بارگاہِ عزت (عزوجل) میں شفاعت فرمانے والے صرف حضور ﷺ ہیں۔اسی طرف آیت کریمہ اشارہ فرماتی ہے:

وَیَهْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا(۲۱)

ہمیں بھی حکم ہوا کہ عرض کرو:

اِهْدِنَا الْصِرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ(۲۲)

''ہمیں سیدھی راہ چلا''

اور حضور ﷺ کو بھی فرمایا:

وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا (۲۳)

''اے محبوب ہم نے تمھارے لئے فتح مبین اس لئے کی ہے کہ تمھیں سیدھی راہ بتائیں''

''صراط مستقیم'' دو طرح کی ہوتی ہے: ایک تو یہ کہ سیدھی چلی گئی ہے جس میں پیچ وخم نہیں مگر واسطے کی ضرورت ہے کہ بغیر واسطہ نہیں پہنچ سکتا اور دوسری یہ کہ اُٹھا اور سیدھا مقصود تک پہنچا۔ پہلی (یعنی دیگر) انبیاء اور دوسری صرف محمد ﷺ کے لئے ہے۔ (۲۴)

فضائل مصطفیٰ ﷺ:

بلاشبہ جتنے فضائل و کمالات خزانہ قدرت میں ہیں سب حضور اقدس ﷺ کو عطا فرمائے گئے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکَ (۲۵)

''اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے گا''

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنی تمام نعمتیں حضور اقدس ﷺ پر تمام کردیں۔

اہل اللہ کے ملفوظات میں آج بھی دلوں کو عشق الٰہی کی گرمی پہنچانے اور معرفتِ حق کی چاشنی کا مزا دینے کی تاثیر موجود ہے۔ ان کے مطالعہ سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا عشق، مادیت و دنیا پرستی سے نفرت اور آخرت کی طلب و یاد دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے آپ ﷺ کی مبارک زندگی قرآن کریم کا عملی نمونہ ہے گویا آپ ﷺ چلتا پھرتا قرآن تھے آپ ﷺ کی اطاعت ہی سے ہدایت میسر آسکتی ہے لہٰذا

جوشخص اپنی دنیا اور آخرت کے جملہ معاملات میں ربانی شاہراہ پر چل کر اس دنیا سے نجات چاہتا ہو اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ وہ رسول ﷺ کے اسوہ کی پیروی کرے۔ بلاشبہ ملفوظات میں وہ سب کچھ موجود ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے آج بھی ہماری تمام سماجی اور معاشرتی برائیوں کا قلع قمع ہوسکتا ہے، اسلامی معاشرے کی تطہیر کے لئے اس میں مجرب نسخے درج ہیں۔ اس دور کے مشائخ ''صوفیاء علمائ'' امراء اور عوام میں جس قدر خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ سب کی اصلاح کے لئے اس میں ہدایت موجود ہیں۔ عوام وخواص علماء وفضلاء، شعراء وامرا ہر طبقہ کے لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس میں ایک پورا لائحہ عمل موجود ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر آج بھی دنیا کو سلف صالحین کا نمونہ دکھایا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ نظام الدین اولیاؒ، افضل الفوائد، (مرتبہ: حضرات امیر خسروؒ)، لاہور، شبیر برادرز، ۲۰۰۹ء، ص ۲۷
۲۔ نظام الدین اولیاؒ، راحت المحبین (ہشت بہشت)، لاہور، اللہ والے کی قومی دکان، س ن، ص ۶۱۵
۳۔ تونسوی، خواجہ محمد سلیمان، نافع السالکین، (مرتبہ: محمد حسین للٰہی)، جہلم، خانقاہ چشتیہ سلمانیہ، ۱۹۶۱ئ، ص ۳۵۹
۴۔ سمنانی، جہانگیر اشرف، لطائف اشرفی، (مرتبہ: حضرت نظام یمنیؒ)، مترجم ایس ایم لطیف، س ن، ج ۳، ص ۴۳۴
۵۔ ایضاً، ص ۴۳۶
۶۔ ایضاً، ص ۴۳۵
۷۔ بنی اسرائیل: ۷۹
۸۔ الاحزاب: ۴۰
۹۔ جہانگیر سمنانی، اشرف سید، لطائف اشرفی، ج ۳، ص ۲۰۰۲۱
۱۰۔ کشمیری، محمد انور شاہ، ملفوظات محدث کشمیری، (مرتبہ: احمد رضا بجنوری)، ملتان، تالیفات اشرفیہ، ۱۴۳۱ھ، ص ۲۸۵
۱۱۔ جہانگیر سمنانی، اشرف سید، لطائف اشرفی، ج ۳، ص ۴۸۸
۱۲۔ نظام الدین اولیاء، محبوب الٰہی، فوائد الفوائد، (مرتبہ:۔ امیر حسن علی سجزی)، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۱۴ئ، ص ۲۶۰
۱۳۔ سلیمان تونسوی، خواجہ محمد، نافع السالکین، ص ۳۵۱
۱۴۔ مہر علی شاہ، سید، ملفوظات مہریہ، (مرتبہ: سید غلام محی الدین)، اسلام آباد، گولڑہ شریف، ۱۹۹۷ئ، ص ۴۸
۱۵۔ شمس الدین سیالوی، خواجہ، مرآت العاشقین، (مرتبہ: سید محمد سعید)، مترجم غلام نظام الدین، لاہور، تصوف فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ئ، ص ۱۰۲

۱۶۔ الاعراف:۱۵۷

۱۷۔ مہرعلی شاہ،سید،ملفوظات مہریہ،ص۷۹

۱۸۔ شمس الدین سیالوی،مرآت العاشقین ،ص۲۵۲

۱۹۔ آل عمران:۳۱

۲۰۔ سلیمان تونسوی،خواجہ محمد،نافع السالکین،ص۳۶

۲۱۔ الفتح:۲

۲۲۔ الفاتحہ:۵

۲۳۔ الفتح:۲

۲۴۔ احمد رضا خان،مولانا،ملفوظات اعلیٰ حضرت،کراچی،مکتبہ مدنیہ،۲۰۰۹ئ،ص۲۵۱

۲۵۔ یوسف:۶

۲۶۔ احمد رضا خان،مولانا،ملفوظات اعلی حضرت،ص۲۲۶۔

ملفوظاتی ادب میں مباحث آخرت (مطالعہ و جائزہ)

غلام عباس

ABSTRACT:

SAINTS lightening personalities had a pressing urge to eradicate wrong beliefs, social evils, cruelty and injustice. They arranged in good manner to save their "MALFOOZAAT". They described the beliefs that are the foundations of religion. It is needed to research if the belief explained by the SAINTS are resembling to Quran and Hadith, and at what level they are successful in conveying them. In this article, I will evaluate BARZAKH, QIAMAT, PUL SIRAAT, JANNAT and DOZAKH. Then there will be a comparative study of Malfoozaat and Quran-o-Sunnah. In this way it will be transparently cleared that Tasawwuf is Islam, Iman and Ihsan, and Quran-O-Sunnah is its soul. Malfoozaat are a source of reforms and preach to common people.

تصحیح عقائد کے سلسلے میں کتاب وسنت میں جو ہدایات دی گی ہیں ان کی حفاظت و خدمت کیلیے علم کلام مدوّن ہوا۔کمال ظاہر کے متعلق جو راہنمائی کتاب وسنت میں ہے اس کی تفسیر کے لیے علم فقہ مدوّن ہوا۔اور اصلاح باطن کیلے جو باتیں قرآن وحدیث میں موجود ہیں ان کی تشریح کیلیے علم الاحسان، علم الاخلاق، اور علم تصوف مدوّن ہوا۔ان تمام علوم میں کامل دسترس رکھنے والوں کو عامل عالم دین سمجھا جانے لگا۔یہ علوم چونکہ حضور ﷺ کی امت کی آسانی کے لیے ترتیب دیے گئے اور قرآن وسنت کے خلاف بھی نہ تھے لہذا ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ پہچانا جانے لگا۔(۱)

علم الکلام والے متکلمین،علم فقہ والے فقیہ اور علم تصوف جاننے والے زاہد وصوفی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ اصفیاء ہر زمانے میں اعلائے کلمۃ الحق کے لیے کمربستہ رہے۔اس سلسلہ میں کبھی کسی کی پرواہ نہ کی۔حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کشف المحجوب کے صفحہ ۹۳ پر سیدنا جنید بغدادی کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ تصوف کی آٹھ بنیادیں ہیں:

۱۔ سخاوت ۲۔ رضا ۳۔ صبر

۴۔ اشارہ ۵۔ غربت ۶۔ گدڑی

۷۔ سیاحت ۸۔ فقر یہ آٹھ خصلتیں انبیاء کرام کی سنتیں ہیں۔

بغداد اور مشرق وسطیٰ سے داتا علی ہجویری صاحب کشف المحجوب تشریف لائے جو کہ تصوف کی فنی،تاریخی اور تحقیقی کتب میں بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔اس کے بعد شرف الدین یحییٰ منیری کثیر تصنیف صوفی ہیں جن کی ملفوظات کی تعداد ۹ ہے۔ملفوظات سہلجی نے النور من الکلمات طیفور اور شیخ محمد بن منور نے اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید کے نام سے سب سے پہلے لکھی۔ڈاکٹر اختر الواسع کے مطابق ہندوستان میں سب سے پہلے خواجہ معین الدین نے اپنے مرشد عثمان ہارونی کی ملفوظات انیس الارواح کے نام سے مرتب کی جب کہ حلیۃ الاولیاء کے مقدمہ میں پروفیسر اقبال مجددی فوائد الفواد کو ہندوستان کی ملفوظات کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔سید گل حسن شاہ نے اپنے مرشد سید غوث علی شاہ پانی پتی کے ملفوظات بنام ''تذکرہ غوثیہ'' اردو زبان میں سب سے پہلے مرتب کی۔فکر وتصوف صرف وجد وحال اور ذوق وکیف کا نام نہیں بلکہ ظاہر وباطن دونوں کی آراستگی کا نام ہے۔(۲)

اہل طریقت عموماً احکام شریعت کے پورے پابند ہوتے ہیں، یہاں تک کہ استغراق و تفہیر کی حالت میں بھی فرائض کو ترک نہیں ہونے دیتے۔خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا وصال اس انداز سے ہوا محفل سماع بر پا تھی قطب عالم اس شعر پر مدہوش و مطہیر ہو گئے:

تشنگان خنجر تسلیم را ہر زماں غیب جانے دیگر است

اس حالت کو فوائد الفواد میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

''ہمیں بیت پیش اومی گفتند، او ہمچناں متحیر می بود، چوں وقت نماز درآمد نماز می گزارد وباز ہمیں بیت بگویاند، حالتے حیرتے پیدا می آمد، چہار شبانہ روز ہم بریں حال بود، شب پنجم رحلت نمود'' (۳)

اس شعر کی تکرار برابر ان کے سامنے ہورہی تھی، اور اسی طرح مدہوش تھے۔ جب نماز کا وقت آتا نماز پڑھ لیتے اور پھر اسی شعر کی تکرار کرانے لگتے۔ حال وحیرت کا عالم ان پر طاری ہوجاتا، چار شب وروز برابر یہ حالت رہی، پانچویں شب انتقال فرمایا۔

عالم برزخ:

برزخ کا ایک کنارہ پہلے آسمان پر ہے۔ اور دوسرے کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ سیدی عبدالعزیز دباغ برزخ کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیت المعمور ساتویں آسمان پر موجود ہے۔ برزخ کا گنبد وہیں سے شروع ہوجاتا ہے اور برزخ کا سب سے بزرگ مقام ہے۔ اس مقام پر انبیاء کرام، اہل بیت عظام، صحابہ کرام کی ارواح رہتی ہیں۔ اس گنبد میں نبی پاک ﷺ کے کامل روحانی ورثاء وہ اولیاء کرام جو مرتبہ غوثیت وقطبیت پر فائز ہیں، ان کی ارواح بھی یہاں قیام کرتی ہیں۔ (۴)

صاحب ''فتوح الباری'' اور دیگر محدثین کا قول ہے کہ آسمان پر بیت المعمور موجود ہے۔ طول وعرض کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سورج اس کے گرد چکر لگائے تو اس کا ایک چکر ایک سال میں پورا ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ کا خاص مقام وہی گنبد ہے لیکن آپ کی روح مبارک ہمہ وقت اس گنبد میں تشریف فرما نہیں ہوتی۔ کیونکہ آپ کی شان وراء الوریٰ ہے۔ یہ گنبد یا کوئی بھی مخلوق آپ ﷺ کی روح مبارکہ کے اسرار کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

آپ ﷺ کی روح مبارکہ کے اسرار کو صرف آپ ﷺ کا جسم مبارک ہی برداشت کر سکتا ہے۔اس لیے عالم برزخ میں آپ ﷺ کی روح مبارکہ مستقل طور پر قیام نہیں کرتی ۔جب حضرت آدم کی روح ان کے جسم میں داخل ہوئی ۔تو برزخ میں ان کی جگہ خالی ہوگئی ۔اس طرح جو روح جسم میں داخل ہوتی ہے۔ برزخ سے اس کی جگہ خالی ہوجاتی ہے۔اورارواح جب دوبارہ برزخ میں داخل ہوتی ہیں ۔تو ان کا قیام ان کھڑکیوں میں نہیں ہوتا بلکہ ان کو کسی اور جگہ رکھا جا تا ہے۔

مقصد یہ ہے کہا گر کسی مومن کی روح ہوگی ۔تو جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد اسے اچھی جگہ رکھا جائے گا۔ جہاں سے اسے جنت کی خوشبوئیں آئیں گی ۔اور کافر کی روح کو اس کے حسب حال جگہ پر رکھا جائے گا۔اگر کوئی شخص آج برزخ پر نظر ڈالے ۔تو اسے بعض ارواح کے انوار کی صورت یا کثرت ظلمت کی کثرت کے باعث پتا چل جائے گا۔کہ دنیا سے واپس ہو کر آ چکی ہیں ۔اوراسی طرح بعض ارواح میں انوار کے ضعف یا ظلمت کی قلت کے باعث یہ پتا چل جائے گا کہ ابھی دنیا میں نہیں جاسکی ہیں۔ جب تک تمام ارواح ایک مرتبہ دنیا میں نہیں آ جائیں گی، قیامت قائم نہیں ہوگی۔

عالم برزخ کا ایک مقام قبر بھی ہے۔۔مومن کے لیے قبر تا حد نگاہ کشادہ ہوجائے گی۔ منافق کے لیے اتنی سکڑ جائے گی کہ اس کی پسلیاں آپس میں گھس جائیں گی۔مومن کے لیے قبر جنت کے باغ کا منظر پیش کرے گی اور منافق کے لیے قبر بچھو اور سانپوں کا گھر ہوتی ہے۔ایک روایت کا مفہوم ہے کہ تم سے جہاں تک ہوسکتا ہے دنیا کے غموں سے فراغ ہو جاؤ۔مرنے اور مرنے کے بعد کے واقعات اور پل صراط پر چلنے اوراس کے بعد کے واقعات کو یاد کرو اور آخرت کو اس کی نعمتوں اور عذاب کے ساتھ یاد کرلیا کرو۔تم دل کی پاکی اور باطن کی پاکی اور نفس کے مجاہدہ کے ساتھ اللہ تعالی کی عبادت میں مشغول ہوکر دنیا سے فراغت حاصل کرلو۔

اس طرح صوفیاء کرام نے احادیث نبوی ﷺ اور قرآنی آیات کی تفسیر وتشریح کا کام کیا اور عوام تک ان کے ماحول کے مطابق ان کے زبان میں تبلیغ دین کی جس سے ان کے دونوں جہاں منور ہو گئے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ انبیاء، شہدائ، کی حیات برزخی پر اکابرین اور محققین کا اتفاق ظاہر کرتے ہیں۔جن لوگوں کو برزخ کا کچھ علم نہ ہے وہ جمہور سے مختلف نظریہ رکھتے ہیں۔(۵)

خواجہ شمس الدین سیالوی اس باب میں قرآن وسنت کے حوالے سے مدلل بحث کرتے ہیں۔انسان کی روح کو موت نہیں آتی کیونکہ وہ عالم امر سے ہے۔ **کل الروح من امر ربی** اور جب روح **کل نفس ذائقة الموت** کے حکم کے تحت انسان کے فانی وجود سے رخصت ہو جاتی ہے تو اسے مردہ کہتے ہیں۔حالانکہ وہ ایک مکان سے دوسرے مکان کو نقل کرتی ہے۔مذکور ہے کہ بے شک اولیاء اللہ مرتے نہیں، بلکہ ایک منزل سے دوسری منزل کو منتقل ہو جاتے ہیں۔بعد ازاں فرمایا بعض اہل اللہ نے خدا سے دعائیں مانگیں ہیں کہ نزع کے وقت ہمیں بے ہوش کر دینا تا کہ ہم شیطان کے شر سے محفوظ رہیں۔کیونکہ اقوال وافعال کے مواخذے کے لیے سلیم العقل ہونا شرط ہے جو کچھ بے ہوشی کے عالم میں ہو اس پر مواخذہ نہیں۔

قیامت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ان اللہ عندہ علم الساعة" (۶)

بے شک اللہ تعالیٰ ہی کو قیامت کے معین وقت کا علم ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"فی خمس لا یعلمھن الا اللہ" (۷)

'پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا''

حضرت عقبہ بن عامرؓ راوی ہیں۔کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔کہ قیامت کے دن آفتاب زمین کے قریب آجائے گا۔لوگوں کو پسینہ آجائے گا۔اور بعض کے ٹخنوں تک، بعض کی پنڈلیوں تک، بعض کی رانوں تک، بعض کے گلے تک اور بعض ایسے ہونگے۔کہ پسینہ ان کو ڈھانپ لیں گے۔اور بعض کے سر سے پسینہ گزر جائے گا۔مومنوں کے لیے یہ دن انتہائی مختصر ہوگا۔اور جب کہ گناہ گاروں کے لیے یہ دن ۵۰ ہزار سال کا دن ہوگا۔ملفوظات مہریہ میں ۱۲۷ نمبر پہ حدیث مبارکہ درج ہے کہ قیامت اسی وقت قائم ہوگی۔جب دنیا پر ایک بھی اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا۔(۸)

حضرت اسرافیلؑ اللہ تعالی کے حکم سے صور پھونکیں گے۔اس کی آواز اس قدر دہشت ناک اور خوفناک ہوگی کہ تمام جاندار، چرند پرند، سب اس کی دہشت سے کانپنے لگیں گے۔تو تمام مرحومین زندہ ہوجائیں گے۔اور بہت سے لوگ یہ آیت کریمہ پڑھتے ہوئے اٹھیں گے۔

"یویلنا من بعثنا من مرقدنا"(۹)

جب تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا۔تو سب کے الگ الگ جتھے بنائے جائیں گے۔یہودی الگ، انصاری الگ، مشرکین الگ اور مسلمانوں کو الگ کھڑا کیا جائے گا۔اور اسی ترتیب کے ساتھ اللہ تعالی کے سپاہی انسانوں کو عدالت میں پیش کریں گے۔اس وقت ان لوگوں کو داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔وہ خوش ہونگے۔اور جن لوگوں کے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا۔وہ ناکام لوگ ہونگے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرے کئی غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بھی بولتے ہیں۔خیانت بھی کرتے ہیں۔میرا کہا بھی نہیں مانتے۔میں ان کو مارتا بھی ہوں۔روز قیامت میرا معاملہ کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام برائیوں کا وزن کیا جائے گا۔جو تم نے سزا دی ہوگی وہ بھی تولی جائے گی۔پس اگر تیری سزا اور ان کا جرم برابر رہا۔تو ٹھیک ورنہ تیری سزا ان کے جرم سے کم ہوگی۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی علامات قیامت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آخری زمانے میں گناہوں کی شامت کے سبب شہر تباہ ہو جائیں گے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

و ان من قریۃ ان نحن مھلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذبوھا عذابا شدیدا کان ذالک فی الکتب مسطورا (۱۰)

کوئی شہر ایسا نہیں جس پر قیامت سے پہلے ہم مصیبت اور عذاب اور ہلاکت نازل نہ کریں اور وہ شہر ویران نہ ہوں۔(۱۱)

مفہوم حدیث ہے:

''بروز قیامت سات نفوس عرش کے سائے میں ہوں گے۔ اول عادل بادشاہ دوسرا وہ جوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشونما پائی اور جس کو مسجد سے محبت ہو اور وہ آدمی جو ایک دوسرے سے اللہ کے لیے محبت رکھیں اور اسی کے لیے جدائی اختیار کریں ۔وہ آدمی جس کو حسین اور حسب دار عورت نے دعوت گناہ دی مگر وہ اللہ سے ڈر گیا۔ ساتواں وہ شخص جو چھپا کر صدقہ کرے یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتا نہ چلے''۔(۱۲)

شفاعت:

جب کچھ جماعتوں پر ایمان داروں کے عذاب کا ثبوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کے باب میں شفاعت انبیاء اور صدیقین ،شہداء ،صالحین اور ایسے لوگوں کی جن کا خدا تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ حسن معاملہ ہے قبول فرمائے گا۔ یہ لوگ اپنے رشتہ داروں ،قرابت داروں اور دوستوں کی شفاعت کریں گے۔حضرت جابر سے روایت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو پانچ عنایتیں ایسی ہوئی ہیں کہ جو کسی اور کو نہیں ملیں:

۱ رعب ایک مہینے کے فاصلے سے۔

۲ مال غنیمت مجھ پر حلال کیا گیا۔

۳ تمام زمین میرے لیے مسجد کر دی گئی۔

۴ مجھ کو شفاعت ملی۔

۵ ہر نبی کو خاص وقت اور امت کے لیے بھیجا گیا، اور میں سب کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

روز محشر گناہ گار گھبرائے ہوئے مختلف انبیا کرام کے پاس جائیں گے تو ان کو نفی میں جواب ملے گا۔ جب کہ رحمت العالمین ﷺ فرما رہے ہونگے کہ میری طرف آؤ، میری طرف آؤ۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ روز محشر اپنی ٹانگوں پر بقدر ۵۰ ہزار سال کھڑے ہوں گے۔ نہ کوئی لقمہ کھائیں گے، نہ کوئی گھونٹ پانی پئیں گے۔ ان کو دوزخ کے چشمے سے حمیم پلایا جائے گا۔ جسکی حرارت اور لپٹ انتہا کی ہوگی۔ اس وقت ایک دوسرے سے کہیں گے۔ کہ کس شخص کے پاس چلیں۔ تا کہ وہ ہماری شفاعت کرے۔ لوگ تمام انبیاء سے ہوتے ہوئے سید انبیاء ﷺ کے پاس آئیں گے۔ تو آپ ﷺ ان کی شفاعت کا ذمہ لیں گے۔ قرآن کی آیت میں بھی شفاعت کی اجازت کا ذکر ہے۔ (۱۳)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ روز قیامت آپ میری سفارش کریں گے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ضرور۔

عام گناہگاروں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جنت عطا فرمائیں گے اور جن لوگوں کے لیے جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہوگا، ایسے امتیوں کے لیے حضور ﷺ شفاعت کبریٰ فرمائیں گے۔

جنت:

جنت کے لغوی معنی پردہ یا سایہ دار درختوں کے باغ۔ اصطلاحی معنی وہ مقام جہاں پر اچھے اعمال کرنے والے خدا کے فرماں بردار بندے قیامت کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹھہریں

گے۔اہل ایمان کا اس تعریف کے مطابق یقین رکھنا بنیادی عقائد میں سے ہے۔جنت کے متعلق قرآن کا فیصلہ ہے کہ اس کی چوڑائی زمین وآسمان کے برابر ہے۔

''لا عین رات و لا ازن سمعت''(۱۴)

ہر مومن کیلیے جنت میں موتی کا ایک خیمہ ہوگا۔اس کے خیمے کے ایک ایک کونہ میں اس کی بیویاں قیام کریں گی کہ ایک دوسری کو دیکھ نہ سکیں۔

بیشک ڈرنے والوں کو مراد ملتی ہے اور ان کا درجہ بلند و ممتاز ہوتا ہے۔ان کیلیے پھلوں سے لدے ہوئے باغ ہیں اور ان باغات میں انگور کے سائبان ہیں اور نوجوان حسین کنواری لڑکیاں ہیں اور شراب کے چھلکتے ہوئے پیالے ہیں اور اس کی محفل میں کوئی بے ہودہ اور جھوٹی بات نہ ہوگی۔اور یہ بدلہ ہے تیرے رب کی طرف سے جو اس نے اپنے فضل سے تیرے حساب کے موافق عطا فرمایا۔حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایک پکارنے والا پکارے گا اے اہل جنت تم کو تندرستی ہے کبھی بیمار نہ ہوگے تم کو وہ زندگی ہے کہ کبھی نہ مروگے تم کو وہ جوانی ہے کہ کبھی بوڑھے نہ ہوگے تم کو وہ تونگری کہ محتاج نہ ہوگے۔(۱۵)

حضرت انس سے روایت ہے کہ قیامت کے روز حضور ﷺ جنت کے دروازے پر آ کر داروغہ جنت سے دروازہ کھولنے کو فرمائیں گے۔رضوان جنت عرض کرے گا آپ کون ہیں تو آپ ﷺ اپنا تعارف کرائیں گے تو وہ کہے گا کہ مجھ کو یہی حکم ہے کہ آپ ﷺ سے بیشتر کسی کیلیے دروازہ نہ کھولوں''(۱۶)

کسی نے آپ ﷺ سے اس آیت کے معنی پوچھے:

''و مساکن طیبة فی جنات عدن''(۱۷)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ مساکن سے مراد موتی کے محل ہیں، ہر محل میں ۷۰ گھر لال سرخ رنگ کے ہیں اور ہر گھر میں ۷۰ کوٹھڑیاں ہیں، ۷۰ تخت ہیں ہر تخت پر ۷۰ رنگ کے فرش ہیں، ہر فرش پر ایک حور ہے۔ہر کوٹھڑی میں ۷۰ دستر خوان ہیں ہر دستر خوان پر ۷۰ رنگ کے کھانے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا حوض کوثر اتنا بڑا ہوگا جتنا کہ یمن اور شام کا درمیانی فاصلہ۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ اس کے آب خوروں کی تعداد آسمان کے ستاروں جتنی ہوگی جو اس کا پانی ایک مرتبہ پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا اور سب سے پہلے اس نہر پر فقیر مہاجرین (مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ) پانی پییں گے۔ جن کی غربت کی وجہ سے ان کے سر کے بال بکھرے ہوئے کپڑے میلے کچیلے تھے۔ جن سے مال دار عورتیں نکاح نہ کرتی تھیں، اور جب کسی کے دروازے پر پہنچ جائیں تو ان کے لیے دروازے نہ کھولے نہ جائیں یعنی ان کی طرف لوگ توجہ نہ کرتے تھے۔ جس طرح غریب اور مفلس لوگوں سے اس زمانے کے امراء سلوک کرتے ہیں۔ (۱۸)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جب میں شب معراج بہشت کی سیر کرتے کرتے ایک نہر پر پہنچا، جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتی کے گنبد بنے ہوئے تھے۔ جبرائیل سے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ اس نہر کی مٹی کو جو میں نے دیکھا تو وہ نہایت تیز کستوری کی طرح خوشبودار تھی۔ (۱۹)

حدیث رسول ﷺ ہے کہ میرے حوض کی لمبائی چوڑائی ایک مہینہ کی مسافت کے برابر ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کے پانی پینے کے برتن ستاروں کی مانند چمکدار ہیں جو بھی شخص اس حوض سے ایک مرتبہ پانی پی لے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ (۲۰)

یہاں ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنت میں حوض کوثر سے پانی پینے کے بعد جب پیاس ہی نہیں لگتی تو جنت میں دودھ، شہد اور شراب کی نہریں فضول ٹھہریں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی تمام چیزیں پر حکمت ہیں جب اس دنیا فانی کی کوئی چیز بے کار نہیں تو جنت کی نعمتیں کیسے بے کار ہو سکتی ہیں۔ بھوک پیاس نہ لگنے والی باتیں ٹھیک ہیں لیکن چیزیں اتنی پر کشش

ہوں گی کہ ان کو چکھنے کی طلب ہوگی۔ حضور ﷺ اپنی امت کو پہچانیں گے اور امتی حوض کوثر سے پانی پییں گے مگر اسلام میں نئی نئی بدعتیں اور نئی نئی رسمیں پیدا کرنے والے حوض کوثر سے محروم رہیں گے۔ اس سے ہمیں درس عبرت حاصل کرنا چاہیے اور حضور ﷺ کی مبارک سنتوں پر عمل کرنا چاہیے۔ صوفیاء کرام کی زندگی اسوہ رسول کے لیے وقف تھی وہ ایک ایک سنت کے لیے کوشش کرتے تھے۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ جب سورۃ کوثر نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے کنارے سونے کے ہیں، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔(۲۱)

حضرت عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں کہ جنت عالیہ جنت الفردوس سے بلند لیکن اس کے رہنے والوں کی تعداد دیگر تمام جنتوں سے کم ہے۔ اس کی نعمتیں زیادہ لطیف ہوں گی، جنت عالیہ میں دیدار الٰہی کی عظیم ترین نعمت ہوگی۔ مزید فرماتے ہیں اہل جنت دنیا میں اپنی کوتاہیوں اور کردہ گناہوں پر کف حسرت ملیں گے کہ دنیا میں انہوں نے اپنے پروردگار کی معرفت کے حصول اور بندگی کا حق ادا نہ کیا۔ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:۔

"ما من سعة تمر ما بن بابن آدم لم يذكر الله فيه الا تحشر عليه يوم القيامة"(۲۲)

جنت کے لباس کے بارے میں حضرت دباغ حضرت ابوسعید خضریؓ کی روایت کردہ حدیث نقل فرماتے ہیں:۔

"من لبس الحرير فی دنيا لم يلبس فی الآخر و من دخل جنة لبسه اهل الجنه و لم يلبسه هوی"(۲۳)

جو شخص دنیا میں ریشم کے کپڑے پہنے گا وہ آخرت میں نہیں پہن سکے گا اگر چہ وہ جنت میں داخل ہو بھی گیا تو اسے ریشمی لباس نہیں ہوگا اگر چہ دیگر اہل جنت نے ریشمی کپڑے پہن رکھے ہوں گے۔ مزید حدیث شریف نقل فرماتے ہیں:

''من شرب الخمر فی الدنیا ثم لم یتب منہا ھرمہا فی الآخرۃ'' (۲۴)

جو شخص شراب نوشی کرے پھر توبہ نہ کرے تو وہ آخرت میں جنتی مشروبات سے محروم رکھا جائے گا۔ (۲۵)

جہنم:

دوزخ میں جانے والے عذاب میں ہوں گے۔ سرسبز و شاداب درخت انہیں بہت دور دکھائی دیں گے وہ ان درختوں کا پھل کھانے اور اپنے عذاب سے بچنے کیلیے ان درختوں کی طرف لپکیں گے طویل فاصلہ صرف ۳ قدموں میں پورا کرلیں گے۔ ان درختوں کے پھل اور پتے توڑ کر منہ میں ڈالیں گے جب جہنمی ان درختوں کا پھل کھائیں گے تو ان کا ذائقہ سابقہ عذاب سے زیادہ محسوس ہوگا۔ الٹے قدم اس تیزی سے دوڑیں گے کہ ان پھلوں کی جلن کے باعث واپسی کا سفر وہ صرف ڈیڑھ قدم میں طے کرلیں گے۔ سیدی دباغ ؒ فرماتے ہیں کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ۷۰ گنا زیادہ ہے۔ اگر اس آگ کے چھوٹے سے ٹکڑے کو دھویں کی شکل میں خلا میں بکھیر دیا جائے تو سورج، چاند اور ستاروں کی روشنی چھپ جائے گی۔ اور اگر ساری زمین کو آگ بنا کر پھر بھینچ کر ایک صندوق کی شکل دی جائے تو اس وقت وہ دوزخ کی آگ بنے گی۔ (۲۶)

دوزخ کے فرشتوں میں سے ایک پکارنے والا یوں پکارے گا، فلاں بن فلاں جس کا نفس دنیا میں طویل امل کے باعث لہولعب کیا کرتا تھا اور برے کام میں اپنی عمر تلف کیا کرتا تھا، جس کو لوہے کے گرز کا سخت عذاب دیں گے۔ اور ان کے منہ دوزخ کے گھڑے میں ڈال دیں گے۔ دوزخی آگ میں ڈوبے رہیں گے۔ کھانا، پینا، بچھونا، لباس سب آگ کا ہوگا۔ پاؤں میں

بھاری بیڑیاں ڈالی جائیں گی۔ پینے کے لیے پیپ اور کھانے کیلیے زقوم دستیاب ہوگا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر دوزخی سانس لے تو دور دور تک بدبو پھیل جائے۔

حضرت عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے غافل ہونا نارِ جہنم کا سبب بنے گا۔ قاتلوں کو عام اہل جہنم سے مختلف عذاب دیا جائے گا۔ جہنم میں جنات کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس سے ان کو تکلیف نہیں ہوگی۔ جنات کو سردی کا عذاب دیا جائے گا۔(۲۷)

انسان کے کسی برے عمل کے نتیجے میں اس کے لیے جہنم میں آگ کا محل تعمیر کیا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے تو جہنم کا محل ختم کر کے اس کے عوض جنت میں محل تعمیر کر دیا جاتا ہے۔

جہنم کے پاس سے گزرنے والا ہر مسلمان یا کافر جہنم کے داروغہ کو دیکھ سکتا ہے۔ جب بندہ مومن اسے دیکھے گا تو اس سے خوفزدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس دروغے کو نور سے پیدا کیا گیا ہے، لیکن کافر اسے دیکھتے ہی مارے رعب کے مر جائے گا۔

پل صراط:

صراط ایک پل ہے جو دوزخ کے اوپر بنا ہوا ہے۔ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ پتلا ہے۔ جو شخص دنیا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جتنی زیادہ اطاعت کرے گا، اتنا جلدی اور آسانی کے ساتھ پل صراط سے گزر جائے گا اور جو دنیا میں صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ہوگا وہ اول قدم میں ہی ڈگمگاتا ہوا دوزخ میں جا گرے گا۔ اگرچہ پل صراط اور میزان کے متعلق علماء کا اختلاف ہے مگر میزان بہت سی ہوں گی دلیل کے طور پر فرمان باری تعالیٰ ہے:

"ونضع الموازین القسط لیوم القیامة" (۲۸)

اسی طرح یہ بھی ذہن میں آتا ہے کہ پل صراط بھی بہت سے ہوں گے خواہ ہر امت کے لیے یا ہر قوم کے لیے۔ جب میدان محشر میں پل صراط سے گزرنے کا حکم ہوگا تو اندھیرا چھا جائے گا۔ ہر امت کو اپنے اپنے پیغمبر کے ساتھ چلنے کا حکم ہوگا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

"یوم ندعوا کل اناس بامامھم" (۲۹)

اہل ایمان کو نور کی دو دو مشعلیں عنایت ہوں گی ایک آگے چلے گی دوسری دائیں طرف۔ جو ان سے کم ایمان والے ہوں گے ان کو ایک مشعل دی جائے گی، اور جو ان سے کم ہوں گے ان کے صرف پاؤں کے انگوٹھے کے آس پاس ہلکی سی روشنی ہوگی، جو ان سے بھی گئے گزرے ہوں گے ان کے چراغ کی روشنی کبھی بجھے گی اور کبھی روشن ہوگی۔ منافقین ذاتی نور سے بالکل خالی ہوں گے اور دوسروں کے نور کی مدد سے چلتے ہوئے دوزخ کے اوپر موجود پل صراط پر پہنچ جائیں گے جس پر سے گزر کر جنتی جنت میں جائیں گے۔

جب تمام مخلوق میدان محشر سے پل صراط پر پہنچیں گے تو حکم ہوگا اے لوگو! آنکھیں بند کر لو تا کہ فاطمہؓ بنت محمد پل صراط سے گزر جائیں۔ اس کے بعد بعض لوگ بجلی کی چمک کی رفتار سے بعض ہوا، بعض گھوڑے، بعض اونٹ، اور بعض معمولی رفتار کے ساتھ پل صراط سے گزر جائیں گے۔ بعض لوگ کٹ کٹ کر دوزخ میں گر رہے ہوں گے۔ اس وقت اعمال صالحہ کام آئیں گے۔ قربانی سواری کا کام دے گی۔ اس مقام پر کسی کی آواز تک نہ نکلے گی مگر پیغمبران امتوں کے حق میں ربِ سلِّم، ربِ سلِّم کہہ رہے ہوں گے۔

ان کے علاوہ بہت سی ایسی روایات ہیں کہ اللہ تعالیٰ اگلوں پچھلوں سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا ۴۰ برس تک آسمان کی طرف منہ اٹھائے کھڑے رہیں گے اور حکم کے منتظر ہوں گے اور مومنین سجدے میں پڑے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سر اٹھانے کا حکم دیں گے، اور ان کو ان کے اعمال کے مطابق نور عطا ہوگا، بعضوں کو کم، بعضوں کو زیادہ۔ پل صراط کے ان احوال و مصائب سے وہی نجات پائے گا جو آخرت کی تیاری کرے گا۔

حوالہ جات

۱۔ مکی، محمد بن عطیہ ابو طالب، قوت القلوب، مجلس مدینۃ العلمیہ، مکتبہ المدینہ، ۲۰۱۳ء، ص ۵۸

۲۔ دریابادی، عبدالماجد، تصوف اسلام، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، س ن، ص ۱۱۱

۳۔ نظام الدین، محمد خواجہ، فوائد الفواد، مرتبہ امیر حسن علی، شبیر برادرز، لاہور، ص ۱۴۴

۴۔ دباغ عبدالعزیز، الابریز، مترجم، جہانگیر محی الدین نوریہ رضویہ پبلیکیشنز، لاہور، ص ۶۱۱

۵۔ مہر علی، ملفوظات مہریہ، منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور، ص ۸۰

۶۔ لقمان: ۳۱

۷۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، بیروت، دارالکتب، س۔ن، ج ۱ ص ۲۷، رقم: ۵۰

۸۔ ملفوظات مہریہ ملفوظ نمبر ۱۲۷، ص ۹۳

۹۔ یٰسٓ: ۵۲

۱۰۔ الاسرائ: ۵۸

۱۱۔ انیس الارواح، ص ۱۲۳

۱۲۔ لطائف قدوسی، لطیفہ ۸۴، ص ۳۰۰

۱۳۔ صحیح بخاری، ج ۱ ص ۲۷، رقم ۱۵۲

۱۴۔ طبرانی، سلیمان بن احمد، معجم الاوسط، بیروت، دارالعلمیۃ۔ س ن، ج ۲ ص ۶۵، رقم ۱۰۱

۱۵۔ مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، قاہرہ، دارالاشاعت، ج ۲، ص ۸۷، رقم ۱۳۵

۱۶۔ ایضاً، ج ۲، ص ۸۷، رقم ۱۳۶

۱۷۔ التوبہ: ۷۲

۱۸۔ حنبل، احمد بن محمد، مسند احمد، بیروت، مکتبہ الرشد، س۔ن، ج ۴، ص ۱۱۸، رقم ۳۰۰

۱۹۔ صحیح بخاری، ج ۳، ص ۲۳۳، رقم ۲۵۴۲

۲۰۔ ایضاً، ج ۳، ص ۱۳۲، رقم ۲۶۱

۲۱۔ غزالی، محمد بن محمد، احیاء العلوم، بیروت، دارالمعرفۃ، ج ۴، ص ۸۷

۲۲۔ عمر بن عبدالرحمن، شعب الایمان، بیروت، دارلکتب، ج ۱ ص ۲۹۳، رقم: ۱۱۵

۲۳۔ محمد بن حبان، صحیح ابن حبان، بیروت، دارلمعرفتہ، ج ۲۱ ص ۸۵۲، رقم ۳۴۵۷

۲۴۔ ایضاً، ج ۲، ص ۴۳، رقم ۶۷

۲۵۔ صحیح بخاری، ج ۵: ص ۹۱۱۲، رقم: ۳۵۲۴

۲۶۔ الابریز، ص ۴۶۰

۲۷۔ ایضاً، ص ۴۶۵

۲۸۔ الانبیائ: ۴۷

۲۹۔ الاسرائ: ۱۷

مطالعہ استشراق میں ڈاکٹر مصطفی اعظمی کا اسلوب۔۔۔تحلیل وتجزیہ

اسماءگل

ABSTRACT:

The main purpose of this Article is to highlit the characteristics, performance and role of orientalism. This Article shows the activities of orientalists towards Islam, Specially in the fields of Quran and Hadits. It will be also told in this article that how mulims reacted aginst orientalists. The role of Dr. Mustafa Azami in the field of orientalism is also clearly discussed in this Article. Dr. Mustafa Azami is definitely a legend Scholar in the relegious history of sub continent. Thus his performonce, life and other tecularities are disussed here.

لفظ استشراق کا مادہ ''ش۔ر۔ق،، ہے اور یہ باب استفعال سے مصدر ہے۔ باب استفعال کے خاصہ طلب کی وجہ سے اس میں لفظ 'س' طلب کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ ''شرق شناسی'' کیا جاتا ہے۔(۱) ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان استشراق کی تعریف میں رقم طراز ہیں:

''فالاستشراق اذن هی دراسة الغربيين عن الشرق من ناحيته عقائده او تاريخه او آدابه۔۔۔الیٰ غیر ذالک''(۲)

''استشراق اہل مغرب کا مشرق کے عقائد، تاریخ اور فنون وغیرہ کا مطالعہ ہے۔"

استاذ فاروق عمر فوزی استشراق کے معنی ومفہوم کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

,,علم يدرس لغات شعوب الشرق و تراثهم و حضاراتهم و مجتمعاتهم و ماضيهم و حاضرهم"(۳)

''استشراق سے مراد ایسا علم ہے جو مشرق کی زبانوں علمی ورثہ، تہذیبوں، معاشروں، ماضی اور حال کے بارے میں بتلاتا ہے''

انگریزی میں استشراق کا ترجمہ ,,Orientalism،،کیا جاتا ہے اور لفظ ,Orient،،لاطینی زبان میں تحقیق کرنے یا سیکھنے جرمنی زبان میں کسی شے کے بارے میں معلومات جمع کرنے کیلئے جبکہ فرانسیسی زبان میں رہنمائی کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی ہی میں ,,Orientate،،کا لفظ اپنے حواس کو کسی خاص سمت میں لگا دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ استشراق کے مترادفات میں سے ایک اہم اصطلاح، استعراب، یعنی ,,Arabism،،ہے۔جسکا لغوی مطلب عرب بننا ہے۔(۴)

جبکہ استشراق کے متضادات میں سے ایک اہم اصطلاح ,,استغراب،،کی ہے لغت میں جس کے معنی ,,حیرت،،کے ہیں(۵)۔تحریک استشراق کے نکتہ ءآغاز بارے مسلم اہل علم میں اختلاف ہے۔بعض اہل علم استشراق کا آغاز 8ہجری غزوہ موتہ سے قرار دیتے ہیں جب مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان پہلی با قاعدہ جنگ لڑی گئی(٦)۔جبکہ بعض علماء استشراق کا باقاعدہ آغاز آٹھویں صدی عیسوی میں اندلس کی فتح سے سمجھتے ہیں۔جب اندلس کی اسلامی سلطنت کی معروف جامعات میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے یورپی نوجوانوں کا رجحان بڑھا(۷)۔

ڈاکٹر مصطفی السباعی بھی تحریک استشراق کا آغاز ان یورپین راہبوں سے قرار دیتے ہیں۔جو مشرقی علوم وفنون کے حصول کی خاطر اندلس کے مسافر بنے(۸)۔

بعض اہل علم کے بقول تحریک استشراق کا آغاز بارھویں صدی عیسوی میں اس وقت ہوا جب 1143ء میں پہلی بار قرآن مجید کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا(۹)۔

اس طرح بعض اہل علم صلیبی جنگوں کو تحریک ''استشراق" کا نکتہ آغاز قرار دیتے ہیں(۱۰)۔تحریک استشراق کے بارے میں انہی اختلافات کے تناظر میں بعض اہل علم کہتے ہیں کہ یہ اختلاف اختلافِ تنوع ہے۔ جو مختلف اہل علم کا متفرق ممالک کے اعتبار سے اپنی اپنی رائے کا اظہار ہے۔اور یہی بات قرین از قیاس معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ انگلینڈ، فرانس اٹلی، برطانیہ جرمنی ہسپانیہ، روس اور امریکہ وغیرہ میں استشراق کا آغاز مختلف سنن اور تواریخ میں ہوا۔ جو ان ممالک کے میلان کی وجوہات میں فرق کو واضح کرتا ہے۔(۱۱)

تحریک استشراق کے محرکات مختلف ہیں جن میں طبعی محرکات، تاریخی، دینی محرکات استعماری محرکات، علمی محرکات وغیرہ۔ بہت نمایاں ہیں اسی طرح تحریک استشراق کے اہداف ومقاصد بھی مختلف ہیں۔جن میں دین اسلام کے غلبے کا خوف، مسلمانوں میں عیسائیت کی ترویج، اصلاح مذہب اور سیاسی مقاصد وغیرہ شامل ہیں(۱۲)۔مستشرقین کے معانہ امقاصد کی بیخ کنی اور اہل علم کو اسلام کی اصل روح سے باخبر رکھنے کے تناظر میں مسلمان اہل علم بھی ہر دور میں متحرک رہے۔اسلام کے بارے میں مستشرقین کے پھیلائے گئے منفی اثرات زائل کرنے اور دین اسلام کی حقیقی تصویر پیش کرنے کے حوالے سے برصغیر پاک وہند کے مسلم اہل علم خاص مقام رکھتے ہیں۔جن میں شاہ ولی اللہؒ، مجدد الف ثانیؒ سے لے کر عصر حاضر کے ڈاکٹر حمید اللہؒ، سید سلمان ندویؒ، ابوالحسن ندویؒ، مناظر احسن گیلانیؒ وغیرہ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ مغربی دانش ور مذہب اسلام کا جب مطالعہ کرتے ہیں۔تو اس کے پیچھے ان کا اپنا مزاج، ان کے عقائد بالخصوص ان کے مقاصد کا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنی تحقیقات کے نتائج دنیا کے سامنے پیش کرتے میں تو اس میں انکے در پردہ مقاصد کی جھلک واضح نظر آتی ہے(13)۔جبکہ اسلام کے عالمگیر اور کامل دین ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اسکے نصوص یعنی قرآن وسنت محفوظ ہیں۔خود اللہ تعالیٰ نے اسکی بنیادی نص یعنی قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ لیا۔

"انا نحن نزلنا الذکر لنا و انا لہ لحفظون"

بے شک ہم نے قرآن پاک نازل کیا اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں"(۱۴)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور میں اہل علم کا ایک طبقہ ایسا ضرور موجود رہا ہے جسے قرآن پاک حرف،حرف پوری زبر زیر کے ساتھ یاد رہا یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود اس میں آج تک کوئی تبدیلی نہیں آئی ۔اسی طرح حفاظت حدیث کے سلسلہ میں بھی مسلمانوں کے اصول وضوابط انتہائی کڑے اور سخت رہے ہیں سچی اور جھوٹی حدیث میں فرق اور امتیاز پیدا کرنے ،کھرا اور کھوٹا الگ کرنے کی غرض سے علماء حدیث اور کاتبین حدیث نے انتہائی ثقہ اور مسلمہ اصول وضع کئے(۱۵)۔یہی وجہ ہے کہ روایات حدیث میں حزم و احتیاط برتی جاتی رہی۔اصول روایات جن کے تحت بعض شرائط کی عدم تکمیل سے روایات مجروح ہو جاتیں اور قابل اعتبار نہ رہتیں ۔اصول روایات میں راوی حدیث کے کردار کو پرکھا اور جانچا جاتا تھا جیسے اصول حدیث کی کتابت کے وقت پیش نظر رکھے جاتے (۱۶) ۔تاہم مستشرقین جب اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو اسلام کے بالخصوص انہی دو نصوص کو کو متنازعہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔بظاہر ان کی تحقیق کا مقصد حق تک رسائی حاصل کرنا ہوتا ہے تاہم وہ اپنے مخصوص نظریات سے اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں اور اسی کو اسلام کی حقیقت سمجھتے ہیں (۱۷)۔بیسویں صدی میں مستشرقین نے اسلام پر بہت کام کیا اور اپنے مخصوص مقاصد کے تحت اسلام کی حقانیت پر حملے کئے۔بہت سے لوگوں نے ان کا محاکمہ کیا اور ان کے نظریات کا ابطال کیا۔مصر کی حدود میں ڈاکٹر مصطفی السباعی نے استشراق کے حوالے سے گراں مایہ خدمات سرانجام دیں(۱۸)۔برصغیر پاک و ہند کی حدود میں ڈاکٹر مصطفی اعظمی کا شمار بیسویں صدی کے نصف آخر کی کی انقلابی علمی شخصیات میں کیا جاتا ہے ان میں تحریر وتقریر کی پیدائشی صلاحیتیں موجود ہیں ۔انھوں نے اوائل شباب ہی میں تصنیف وتالیف کے میدان قدم رکھا اور لکھتے چلے گئے ۔قلم آج تک ان کے ہاتھ

سے نہیں چھوٹا۔ان کے دماغ میں خیالات کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہتا ہے ۔تاہم ان کی دلچسپیاں زیادہ ترعلم وتحقیق اور جستجوئے حق کے گرد گھومتی ہیں۔حدیث اوراستشر اق انکی تصانیف کا ایک بہت بڑا موضوع ہے۔اپنی مختلف تصانیف میں انہوں نے حدیث کے حوالے سے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔(۱۹)

پیدائش،خاندانی زندگی اور تصانیف:

شیخ محمد مصطفی انڈیا کے شہر ماؤ اتر پردیش میں 1930ء میں پیدا ہوئے 1952ء میں انھوں نے ہندوستان کی معروف علمی درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے گریجویشن تک کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مصر تشریف لے گئے اور 1955ء میں مصر کی قدیم یونیورسٹی جامعۃ الاظہر سے تدریس کے حوالے سے سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔اسی سال وہ قطر بھی تشریف لے گئے انہوں نے غیر عرب طلبا کو عربی پڑھانے سے اپنی تدریسی سرگرمیوں کا باقاعدہ آغاز کیا۔بعدازاں وہ وہاں کی قومی عوامی لائبریری کے انچارج بن گئے انھیں مطالعہ حدیث سے گہری دلچسپی تھی(20)۔اس لائبریری میں حدیث کے مختلف مسودوں پر کام کرنے کا انھیں کافی موقع ملا۔شیخ مصطفی اعظم نے 1964ء میں کیمبرج یونیورسٹی یوکے سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی جس کیلئے ان کے سپروائزر اے ۔جے آربری اور پروفیسر آر۔بی۔سارجنٹ تھے۔Ph.D کے تحقیقی مقالے کیلئے ان کا عنوان تھا حدیث کے ابتدائی ادب کا مطالعہ۔ Studies in the early Hadith (Literature)۲۱

پھر وہ دوبارہ قطر تشریف لے گئے اور دوسال وہاں نیشنل پبلک لائبریری کے ڈائریکٹر کے طور پر کام کرتے رہے۔ 1968ء میں شیخ کو مکہ کی ام القری یونیورسٹی کا ایسوسی ایٹ پروفیسر مقرر کرلیا گیا۔1973ء میں انھوں نے حدیث کے پروفیسر کے طور پر کنگ سعود یونیورسٹی کو جوائن کرلیا۔1991ء میں اسی یونیورسٹی سے ریٹائرڈ ہوگئے۔1968ء سے اپنی ریٹائرمنٹ

تک شیخ نے حدیث کے موضوع پر ام القریٰ اور کنگ سعود یونیورسٹی کے طلباء کے مختلف تحقیقی کاموں کا مطالعہ کیا۔(۲۲)

انھوں نے ریاست سعودی عرب کے مختلف تحقیقی اور تعلیمی اداروں میں بہت کام کیا۔(۲۳) ام القریٰ میں حدیث کے ایسوسی ایٹ پروفیسر اور کنگ سعود یونیورسٹی میں حدیث کے پروفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ مصطفی اعظمی سعودی عرب اور بیرون ملک میں درج ذیل اعزازی مناصب پر بھی فائز رہے۔

1۔ آپ کنگ سعود یونیورسٹی کے کالج آف ایجوکیشن میں شعبہ علوم اسلامیہ کے چیئر مین بھی رہے۔

2۔ 1981ء سے 1982ء تک مشی خان یونیورسٹی میں Visiting School Fellow کے طور پر کام کرتے رہے۔

3۔ 1987ء میں آکسفورڈ انگلینڈ میں سینٹ کراس کالج میں Visiting Fellow کے طور پر کام کرتے رہے۔

4۔ 1984ء سے 1991 تک USA میں Visiting Scholar کے طور پر کام کرتے رہے۔

5۔ یونیورسٹی آف ملائشیا میں پروموشن کمیٹی کے رکن کے طور پر کام کرتے رہے۔

6۔ یونیورسٹی آف ویلز انگلینڈ میں شعبہ علوم اسلامیات کے اعزازی پروفیسر رہے۔(۲۴)

شیخ محمد مصطفی اعظمی کو 1980ء میں حدیث کی گراں قدر خدمات سر انجام دینے کے صلے میں کنگ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا کتب تحریر کرنے اور مستشرقین کے قرآن اور حدیث کی کتابت سے متعلق اعتراضات کا جواب دے کر شیخ مصطفی اعظمی نے اسلام کی اتنی بلند خدمات

انجام دی ہیں کہ مسلم دانشور بھی آپ کی حدیث کے مطالعہ پر پختہ گرفت پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔اگر چہ شیخ کئی عشروں تک اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سعودیہ میں مقیم رہے تاہم وہ اپنی مادر وطن کبھی نہ بھولے۔وہ آج بھی جتنا ان کی صحت اجازت دیتی ہے۔انڈیا آتے جاتے رہتے اور اپنے علاقے کے لوگوں کی فلاح وبہبود میں حصہ ڈالتے رہتے ہیں۔شیخ صاحب کی ایک بیٹی فاطمہ شیخ زید یونیورسٹی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہے ان کی اولاد میں دو اور بیٹے ہیں ان کے بڑے بیٹے عقیل مصطفی اعظمی نے انجینئرنگ میں ماسٹر اور Ph.D کی ڈگریاں امریکہ سے حاصل کیں اب وہ کنگ سعود یونیورسٹی میں پروفیسر کے طور پر کام کررہے ہیں۔جبکہ ان کے چھوٹے بیٹے انس نے Ph.D کی ڈگری UK سے حاصل کی اور اب کنگ فیصل سپیشلسٹ ہاسپٹل میں کام کررہے ہیں۔(۲۵)

شیخ مصطفی اعظمی کی تصانیف:

1. Studies in The early Hadith Literature:

یہ شیخ کی Ph.D ڈگری کا مقالہ ہے جسے انہوں نے 1966 میں کیمبرج یونیورسٹی میں ڈگری کے حصول کیلئے جمع کرایا تھا تاہم اس کے بعد احادیث کی اسناد کے حوالے سے انہیں بہت سا مواد ملا لہذا کتاب میں وہ سب کچھ شامل ہے۔جو بعد میں اس حوالے سے ان کی نظروں سے گزرا۔(۲۶) یہ انگلش زبان میں لکھا گیا ہے اور مشرق ومغرب کی مختلف جامعات میں شامل نصاب ہے۔1968ء میں اسکا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا دوسرا 1978ء میں تیسرا 1988ء میں شائع ہوا تھا آج بھی اسکی اشاعت جاری ہے۔1993ء میں اس کا ترجمہ ترکی زبان میں جبکہ اب انڈونیشی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔(۲۷)

۲۔ دراسات فی الحدیث النبوی و تاریخ تدوینه:

یہ ان کے مقالے کا عربی ترجمہ ہے جو 712 صفحات پر مشتمل ہے ان دونوں کتب میں کتابت حدیث کی تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کتابت حدیث کا عمل دوسری تیسری

صدی ہجری میں شروع نہیں ہوا تھا۔جیسا کہ عام طور پر لوگ یقین رکھتے ہیں بلکہ کتابت حدیث کا عمل حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ سے ہی شروع کر دیا گیا تھا۔(۲۸)

۳۔ منهج النقد عند المحدثين نشأته و تاريخه:

جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے اس کتاب میں شیخ صاحب حدیث کی تصدیق اور تردید کے حوالے سے فقہا اور دانشوروں کے منہج پر بحث کرتے ہیں اس میں وہ ثابت کرتے ہیں کہ دانشور حدیث کی تصدیق کے لیے جو معیار قائم کرتے ہیں وہ اس قدر بلند سطح کا حامل ہے کہ جو موجودہ دور میں کسی چیز کی تصدیق کے لیے اس کی مثال پیش کرنا محال ہے۔اسلامیہ یونیورسٹی مدینہ منورہ کے نصاب میں شامل یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ریاض سے اس کا پہلا ایڈیشن 1975ء دوسرا 1982ء اور تیسرا ایڈشن بھی ریاض ہی سے شائع ہوا آج بھی مختلف پبلشنگ اداروں سے اس کی اشاعت کا عمل جاری ہیں۔(۲۹)

4. **Studies in The Hadith Methodloy and Literature:**

اس کتاب میں حدیث کو صحیح طریقے سے سمجھنے کے لیے حدیث کے منہج اور ادب پر بحث کی گئی ہے۔مستشرقین حدیث کی صحت کے حوالے سے جو سوال اٹھاتے تھے اس کتاب میں ان سب کا جواب دیا گیا ہے اس کے دو حصے ہیں۔ایک حصے میں منہج جبکہ دوسرے میں احادیث کے ادبی مناظر و مظاہر کو یکجا کیا گیا ہے۔(۳۰) یہ کتاب بھی مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب کا حصہ ہے اس کے اب تک کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔(۳۱)

5. **The history of the Quranic text from revelation to compilation:**

یہ کتاب مصطفی اعظمی کے اہم ترین کاموں میں سے ایک ہے۔اس میں انہوں نے قرآن پاک کی تدوین کی تاریخ اور دیگر الہامی کتابوں کے مقابلے میں اس کی محفوظیت کے قطعی دلائل دیے ہیں۔

حضرت زید بن حارثؓ نے قرآن پاک کو حتمی شکل دینے سے پہلے جن اصول وضوابط کی پیروی کی اس کتاب میں ان کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔(۳۲) شیخ صاحب کی گرتی ہوئی صحت کے سبب اس کتاب کا اردو یا عربی میں سے کسی زبان میں ترجمہ نہیں ہو پایا ہے وہ آج بھی اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ کوئی سامنے آئے اور اس کتاب کو عربی متن میں ڈھال لے۔(۳۳)

6.On Schachat's origin of Muhammadan Jurisprudence:

اسلامی فقہ کے بارے میں مشہور مستشرق "Jaseph Schacht" نے جو سخت سوالات اٹھائے ہیں اور اسلامی فقہ کو جس طرح تنقید کا نشانہ بنایا ہے ڈاکٹر مصطفی اعظمی نے اس کتاب میں ان سب کا تفصیلی تجزیہ کیا ہے۔(۳۴) یہ کتاب بھی مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب کا حصہ ہے اردو، عربی اور ترکی زبان میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں۔(۳۵)

۷۔ کتاب النبیؐ:

مورخین عام طور پر 40 سے 50 ایسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر کرتے ہیں جنہیں نبیؐ کی طرف سے کتابت حدیث پر مامور کیا گیا تھا۔ تاہم ڈاکٹر مصطفی اعظمی نے اس کتاب میں تاریخی شواہد سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کتابت حدیث پر 60 سے زیادہ اصحاب النبیؐ مقرر تھے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1974 میں دمشق سے شائع ہوا تھا۔ اب اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

۸۔ المحدثون من الیمامه الی 250هجری تقریباً:

دنیا بھر میں موجود احادیث کے علماء کے متعلق بہت سی کتب موجود ہیں تاہم یہ واحد کتاب ہے جس میں یمن کے علماء کی خدمات احادیث کا ذکر کیا گیا ہے۔(۳۶)

9۔ صحیح ابن خزیمه:

حدیث کی یہ اہم ترین کتاب ابن خزیمہ نے تحریر کی تھی جس میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بعد سب سے زیادہ صحیح احادیث تھیں۔ تاہم کافی عرصہ یہ کتاب منظر عام سے غائب رہی۔

یہاں تک کہ بعض لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب یہ کتاب موجود ہی نہیں۔ ڈاکٹر مصطفی اعظمی نے سب سے پہلے یہ کتاب دریافت کی۔ اس پر کام کیا۔ اب یہ کتاب چار جلدوں میں موجود ہے اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ (۳۷)

۱۰۔ موطا امام مالکؒ:

یہ امام مالکؒ کی لکھی ہوئی حدیث کی معتبر ترین کتب میں سے ایک ہے۔

ڈاکٹر مصطفی اعظمی نے اس کو درست کر کے 8 جلدوں میں شائع کیا۔ انہوں نے اس میں رواۃ" پر بھی کام کیا ہے۔

ان کتب کے علاوہ بھی ڈاکٹر مصطفی اعظمی کی تصانیف موجود ہیں جو ان کے علمی مقام و مرتبہ کو ظاہر کرتی ہیں۔

المختصر ڈاکٹر مصطفی اعظمی کی احادیث کے حوالے سے خدمات انتہائی اہمیت کی حامل ہیں جن میں احادیث کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان کی اکثر کتب انٹرنیٹ پر اپ لوڈ کی گئی ہیں، جو آسانی سے ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے کاموں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر مصطفی اعظمی صاحب کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

حوالہ جات

۱۔ اکرم چوہدری، محمد، پروفیسر ڈاکٹر، استشراق، تکملہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب، لاہور، طبع اول، مارچ 2002ء 565/1

۲۔ عمر بن ابراہیم رضوان الدکتور، آراء المستشرقین حول القرآن الکریم وتفسیرہ: دراسہ ونقد، دار طیبہ، الریاض، ص23

۳۔ فاروق عمر فوزی، لاستاذ الدکتور، الاستشراق والتاریخ الاسلامی، الاھلیہ للنشر والتوزیع، المملکۃ الاردنیہ الھاشمیہ، عمان، الطبعہ الاولی، 1998ء، ص30

۴۔ محمد الشاہد السید، الاستشراق ومنھجیہ النقد عند المسلمین المعاصرین، الاجتھاد، العدد 22، شتاء عام 1313ھ / 1993ء ص197۔

۵۔ الدکتور منیر روحی البعلبکی، دار العلم للملا یین، بیروت، 1990ء، ص90

۶۔ محمد جلاء ادریس الدکتور، الاستشراق الاسرائیلی فی المصادر العبریہ، العربی للنشر والتوزیع، القاہرہ، 1990ئ، ص19

۷۔ ایضاً۔

۸۔ العقیقی نجیب، المستشرقون، دار المعارف، مصر، طبعہ ثالثہ، 1973ئ، 110/1 ۔123

۹۔ ایضاً۔ ۱۰۔ ایضاً: ص17

۱۱۔ زبیر، حافظ محمد، اسلام اور مستشرقین، مکتبہ رحمۃ للعالمین، طبع اول 2014۔ ص9۔

۱۲۔ ایضاً۔

۱۳۔ محمد الشاھد السید، الاستشراق ومنھجیہ النقد عند المسلمین المعاصرین، الاجتھاد، العدد 22 شتاء عام 1414ء۔ ص197

۱۴۔ الحجر :9

۱۵۔ مصطفیٰ، محمد طاہر، ڈاکٹر، تاریخ حدیث واصول حدیث، الفیصل ناشران وتاجران کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، 2013ئ، ص56,57

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ عمر بن ابراہیم رضوان الدکتور، آراء المستشرقین حول القرآن الکریم وتفسیرہ: دراستہ ونقد، دار طبیہ، الریاض۔ ص23

۱۸۔ العقیقی نجیب، المستشرقون، دارالمعارف،مصر،طبعہ ثالثہ،1973ئ، 1/110۔123

19_ //www.deoband.net/blogs/dr-muhammad- :http//
mustafa-azmi-his-contributions-tohadeeth (6/16/2014)

20_ Ibid 21_ Ibid 22_ Ibid

23_ Ibid 24_ Ibid 25_ Ibid

26_ Azami, Mustafa, Dr. Studies in Early Hadid Literaturem, Sohail Academy Lahore, Pakistan, 2011, P:XXI

27_ //www.deoband.net/blogs/dr-muhammad-:http
mustafa-azmi-his-contributions-tohadeeth (6/16/2014)

28_ Ibid 29_ Ibid

30_ Azami, Mustafa, Dr. Studes in The Hadith Methodology and Literature, Sohail Academy, Lahore, Pakistan, 2002, P:VII

31_ //www.deoband.net/blogs/dr-muhammad-:http
mustafa-azmi-his-contributions-tohadeeth (6/16/2014)

32_ Azami, Mustafa, Dr. The History of The Quranic Text from revelation to compilation ,Sohail Academy, Lahore, 2002, P:XVIII

33_ //www.deoband.net/blogs/dr-muhammad-:http
mustafa-azmi-his-contributions-tohadeeth(6/16/2014)

34_ Azami, Mustafa, Dr. On Schachat's Origin of Muhammadan Jurisprudence, Sohail Academy, Lahore, Pakistan, 2004, P:3

35_//www.deoband.net/blogs/dr-muhammad-:http
mustafa-azmi-his-contributions-tohadeeth (6/16/2014)

36_ Ibid 37_ Ibid

الشيخ عبد الحكيم السيالكوتي حياته و خدماته

آصف علی رضا☆

ABSTRACT:

This article seeks to throw light on the life and scholarly writings and noble contribution of Mulla Abdul Hakeem Sialkoti (1647 A.D) in Arabic literature of subcontinent. He was a great scholar and unique philosopher of seventeenth century. Mulla Abdul Hakeem wrote his prestigious footnotes or hawashi on many mother books of Theology, Rhetoric, Grammar and Exegetics of Quran. His Arabic writings considered by the scholars as a fabulous and master piece in the relevant fields. He has a special and unique style of footnote writing which was admired by the great scholars of Islamic world. In this article we will present a study of his life and scholarly work which helps to determine his rank among the scholars of his era.

الحكمة ضالة المومن و العلم ميراث الأنبياء و لذلک اهتم المسلمون بالعلم و الحكمة اهتماما بالغا فی جميع أنحاء العالم و شبه القارة غنی بو جود العلماء الربانيين و ملیء من الجهابذة و الأفذاذ الذين ساهموا فی نشر العلم و ابلاغ الحكمة و أغنوا المكتبة العربية و الاسلامية بمؤلفاتهم العلمية و آثارهم المجيدة النافعة و قد اعترف العلماء و المحققون بفضلهم و مساهمتهم العلمية فی كل علم و فن۔

و من أهم هؤلآء العلماء و الفضلاء العالم العبقری الشیخ عبد الحکیم بن شمس الدین السیالکوتی رحمه اللّٰه الذی ولد سنة ۹۶۸الهجری الموافق ۱۵۴۸ المیلادی تقریبا (۱) و کان من أهم علماء القرن العاشر و الحادی عشر و یعدمن مشاهیر الهند و من نجومه الثاقبة التی أنارت أفاق العلوم بأنوار علمه و شموس فضله۔قد أخذ العلم و اکتسب من الشیخ الملا کمال الدین الکشمیری (ت ۱۰۱۷ الهجری فی عهد الملک المغولی جهانکیر) الملقب بمعلم الثقلین و علامة المشرقین.

کان أصله من کشمیر ثم هاجر الی سیالکوت و أقام هناک فی جامع میاں وارث الذی بناه رئیس معروف فی تلک القریة و سمی الجامع باسم بانیه و فی ذلک الجامع استفاد عبدالحکیم السیالکوتی من الشیخ کمال الدین الکشمیری مع صاحبیه الجلیلین الذین نالا درجة کبیرة و مکانا مرموقا فی المستقبل الاسلامی فی الشبه القارة الهندیة.

وهؤلاء الثلثة کلهم أدوا دورا مبارزا فی نشر العلم و تبلیغ الدین القویم و تزکیة النفوس و حل المشکلات العلمیة و المعضلات الفنیة ،یعرف أحد صاحبی الشیخ بملا سعداللّٰه الملقب بالعلامة و الفهامة ووصل الی مرتبة الوزیر و دستور المعظم عند شاهجهاں الملک المغولی المعروف و صار من مصاحبی شاهجهاں بعلمه و فطنه و ذکائه۔و الأخر هو الذی اختار لنفسه السلّم الروحانی و ارتقی الی ذروة العلم و التزکیة الی مرتبة لایمکن أن یصلها أحد من بعده حتی یشار الیه بالبنان و یسعی الناس الیه فی حیاته و الی مرقده المنور بعد وفاته من کل مکان و شتی البلدان أعنی الشیخ العارف بالله المجدد للألف الثانی أحمد الفاروقی السرهندی رحمه اللّٰه

و الثالث من تلامذة المشهورين للشيخ كمال الدين الكشميرى هو صاحبنا أعنى الشيخ عبد الحكيم السيالكوتى الذى فاز بأقرانه فى علم و تصنيف و درس و تدريس و ذا ع صيته فى العالم و لقبه الشيخ المجدد للألف الثانى بأفتاب بنجاب أى شمس بنجاب (۲) و كان للشيخ با ع طويل و مهارة عميقة فى العلوم العقلية خاصة و قد قال عنه حكيم الأمة العلأمة محمد اقبال:

"قد حارت علماء ايران و أسيا الوسطى أمام أرائه و نكاته العلمية و لا ريب أن تصانيفه العلمية مقبولة لدى العلماء فى البلاد الاسلامية و لا يمكن لمؤرخ الفلسفة الاهمال عنه۔" (۳)

كما ذكر عنه الشيخ أمين بن فضل اللّٰہ المحبى (ت ۱۱۱۱ الهجرى):

"علّامة الهند و امام العلوم و ترجمان المظنون فيها و المعلوم كان من كبار العلماء و خيارهم مستقيم العقيدة صحيح الطريقة صادعا بالحق مجاهرا به الأمراء الأعيان و كان رئيس العلماء عند سلطان الهند خرم شاهجهان لا يصدر الا عن رأيه و لم يبلغ أحد من علماء الهند فى وقته ما بلغ من الشأن و الرفعة و لا انتهى واحد منهم الى ما انتهى اليه، جمع الفضائل عن يد و حاز العلوم و انفرد و أفنى كهولته و شيخوخته فى الانهماك على العلوم و حل دقائقها و مضى من جليها و غامضها على حقائقها و ألف مؤلفات عديدة" (۴)

و اعترف العلماء بعلو ساقه فى المنطق و الفلسفة و الحكمة حتى ذكر المؤرخ محمد صالح فى كتابه "عمل صالح":

"أن الحكيم اليونانى أرسطو هو تلميذ أمام الشيخ السيالكوتى" (۵)

ولا ريب فيه نوع من المبالغة ،نعم ا ستحسنه العلماء و مدحه كثيرا لرسوخه التام فى الحكمة و الفلسفة و تشهد عليه شهادة عدل، الحواشى التى كتب الشيخ على كثير من أمهات الكتب فى المنطق و الفلسفة و الكلام و غيرها من العلوم العقلية و اكتسبت تلك الحواشى شهرة غير عادية فى البلاد الاسلامية من العرب الى العجم كما يذكر صاحب نزهة الخواطر:

"الشيخ الامام العلامة الكبير الفاضل صاحب التصانيف الفائقة و التآليف الرائقة الشيخ عبد الحكيم بن شمس الدين السيالكوتى أحد مشاهير الهند اتفق على فضله علماء الأفاق و سارت بمصنفاته الرفاق ولد ونشأ بسيالكوت من بلاد بنجاب و اشتغل على الشيخ كمال الدين الكشميرى و لازمه مدة و تخرج عليه و صار عجبا فى استحضار المسائل و قوة العارضة و كثرة الدرس و الافادة و زنه شاهجهان بن جهانكير التيمورى صاحب الهند مرتين بالفضة فى الميزان و منحه ما جاء فى الوزن و هو كل مرة ستة ألاف من النقود وأنعم عليه بقرى متعددة يعيش بها فى النعم و يدرس و يصنف و تصانيفه كلها مقبولة عند العلماء محبوبة اليهم و لا سيما عند علماء بلاد الروم يتنافسون فيها و هى جديرة بذلك۔"(٦)

فالملاحظ من هذه العبارة أن الشيخ كان ذا ثروة و غنيا بحصول الجوائز و الهدايا من الملك و ذكر فى موضع أخر فى نزهة الخواطر أن الملك شاهجهان يعطى الشيخ عبدالحكيم مائة ألف كل سنة (٧) و استعمل الشيخ السيالكوتى هذه الثروة و الغنى لنشر العلم و افادة الطلاب و حل المشكلات العلمية و المعضلات الفنية فى المتون القديمة و أمهات الكتب فى شتى العلوم و خص نفسه للتصنيف

و التأليف و أكبّ على مصادر العلوم العقلية من الفلسفة و الحكمة و المنطق و ما ترک مصدرا اساسيا من تلک المصادر الا و كتب عليه حاشية نفيسة التى تفسر مجملها و تبين غوامضها و تسهل غرائبها و تشرح معانيها الخفية و سهل الطريق للوصول الى مقصود الماتن لكل طالب، و لذلک السبب نجد أن لحواشى الشيخ و تعليقاته قيمة علمية كبيرة لدى العلماء و مهرة الفنون ليست فى الهند و الباكستان فقط بل فى جميع البلاد الاسلامية، و لا يخلو عن الفائدة لو نذكر هنا تأليفات الشيخ و نتائج أفكاره كما ذكرها كثير من العلماء فى كتبهم و أسفارهم، و هذا هو فهرس اجمالى لكتب الشيخ و تآليفه حسب الموضوع:

(ا) التفسير

۱۔ حاشية الشيخ على التفسير البيضاوى (مطبوعة)

۲۔ حاشية الشيخ على الكشاف (لم تطبع)

(ب) أصول الفقه

۳۔ حاشية الشيخ على التلويح (غير مطبوعة)

۴۔ حاشية الشيخ على الحسامى (مطبوعة)

(ج) علم الكلام

۵۔ حاشية الشيخ على الخيالى (مطبوعة)

۶۔ حاشية الشيخ على شرح العقائد (مطبوعة)

۷۔ حاشية الشيخ على شرح المواقف (مطبوعة)

۸۔ الرسالة الخاقانية الموسومة بالدر الثمين (غير مطبوعة)

۹۔ زبدة الأفكار (غير مطبوعة)

(د) المنطق و الفلسفة

۱۰۔ حاشية الشيخ على مير قطبى (غير مطبوعة)

۱۱۔ حاشية الشيخ على حاشية مطالع الأنوار (مطبوعة)

۱۲۔ حاشية الشيخ على ميبذى (غير مطبوعة)

(ه) علم النحو

۱۳۔ تكملة الشيخ لشرح الملا عبد الغفور على الكافية (مطبوعة)

(و) علم المعانى

۱۴۔ حاشية الشيخ على المطول (مطبوعة) (۸)

ولقد ذكر العلماء بعض التصانيف الأخرى للشيخ ولكن لم نجد الا الأسماء فقط لأنها لم تطبع و لم يوجد أية نسخط خطية لها مثل حاشية الشيخ على شرح حكمة العين و الحاشية على مراح الأرواح والقول المحيط و حاشية على شرح التهذيب و اثبات الامامة و زاد اللبيب فى سفر الحبيب و دلائل التجديد و سيالكوتى على التصورات و قد ترجم الشيخ السيالكوتى كتابا شهيرا "غنية الطالبين" للامام الشيخ عبدالقادر الجيلانى من اللغة العربية الى الفارسية و طبع هذا السفر الجليل سنة ۱۳۰۰ الهجرى من دهلى۔ (۹)

لقد درس الشيخ فى مدرسة حكومية كبيرة بلاهور التى أقامها الملك المغولى أكبر كما أقام اشيخ بنفسه مدرسة كبيرة فى مسقط رأسه سيالكوت و استقى هناک جم غفير من الطلاّب و المولعين بعلوم الفلسفة والحكمة من هذا البحر الصافى و استفاد من الشيخ السيالكوتى كثير من العلماء و الفضلاء و لم يذكر أسماء

أكثرهم فى كتب التاريخ و التذكرة نعم ذكر بعض من المؤرخين نبذة قليلة من التلامذة المشهورين له، و من أهم تلامذته ابنه الملاّ عبدالله اللّبيب قرأ و استفاد من أبيه و صنف الشييخ السيالكوتى كثيرا من الحواشى و التعليقات لابنه الحبيب و أخذ الحديث عن الشيخ المفتى نور الحق بن الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوى، قد ذكر عنه الشيخ اللكنوى:

"ثم درس و أفاد و ألف، و تميز و اشتهر بالفضل و الكمال، أخذ عنه خلق كثير، و كان عالمكير بن شاهجهان التيمورى سلطان الهند و أبناؤه يكرمونه غاية الاكرام"(۱۰)

و كان الملك المغولى اورنک زيب عالمكير يحترمه احتراما بالغا و يحبه كثيرا و لما وصل الى لاهور سنة ١٠٨٦ الهجرى أظهر شوقه للقاء الشيخ و تمنّى زيارته فطلب الشيخ من سيالكوت الى لاهور و لقبه الملک و بالغ فى اكرامه و أظهر اعجابه له و زاد على الجوائز التى منحت لأبيه و ألبسه خلعة فاخرة و وهبه الفيل و ودعه باكرام۔(۱۱)

و من تلامذته المبرزين الملاّ عبدالرحيم المراد أبادى لازمه تسع سنين و بضعة أشهر و عين قاضيا فى مراد أباد بعد فراغه من العلم، و منهم الملاّ عزيز عزت أكبر أبادى و كان عالما كبيرا فى وقته و تشرف بحضوره فى الحضرة السلطانية عند الملک المغولى اورنک زيب عالمكير و احترمه الملک و لقبه ب"مورد أنواع عاطفت" و اختصة بعنايته الخاصة و كان شاعرا مجيدا۔

ومنهم المولوى محمد معظم قد حفظ القرآن الكريم مع التفسير البيضاوى وعينه بهادر شاه بن عالمكير قاضيا فى مسقط رأسه "بنّه" وأعطاه الأقطاع الزراعية والقرى المتعددة جائزة و قد كتب التفسير للقرآن العظيم ولكن ما وصل الى الأجيال اللاحقة بل ضاع بيد السيخ واحترق و صنف أيضا شرح المثنوى الرومى۔

ومنهم الملّا محمد أفضل الجونبورى، كان من كبار العلماء فى وقته وله يد طولى فى العلوم العقلية والنقلية واحترمه المعاصرون وأكرمه جهانكير ولقبه ب "أستاذ الملک" وأقام مدرسة دينية فى وطنه جونبور واختصت له الأراضى الزراعية من قبل الملک وكان عدرس فى مدرسة الحكومية الملكية أيضا۔ (۱۲)

ومنهم الملّا عصمت اللّٰه السهارنبورى والمولوى محمد أحمد القنوجى والملّا عبد الوهاب البسرورى وغيرهم خلق كثير لم يحفظ التاريخ أسمائهم۔

ولقب الشيخ بألقاب عديدة تدل على علو ساقه وبراعته فى العلوم والفنون لقبه الشيخ أحمد الفاروقى السرهندى المجدد للألف الثانى ب "آفتاب بنجاب" ولقبه الملک المغولى شاهجهان ب"ملک العلمائ" و يذكره العلماء والمؤرخون ب "الفاضل السيالكوتى" و "الفاضل اللّاهورى" ولا شک أنه كان أهلا لهذه الألقاب حقا۔

الحواشی

۱۔ فوق، محمدالدین، شمس، همایون عباس، دکتور، آفتاب بنجاب حضرت علامه عبد الحکیم، سیالکوت: انتظامیه جامع مسجد علامه عبدالحکیم، تحصیل بازار، الطبعة الثالثة، ۲۰۰۹، ص ۲۴

۲۔ آفتاب بنجاب حضرت علامه عبدالحکیم، ص ۳۸

۳۔ آفتاب بنجاب حضرت علامه عبدالحکیم، ص ۱۵

۴۔ المحبی الحموی، محمدأمین بن فضل اللّٰہ (ت ۱۱۱۱ الهجری)، خلاصة الأثر فی أعیان القرن الحادی عشر، بیروت، دار صادر ج ۲ ص ۳۱۸،

۵۔ آفتاب بنجاب حضرت علامه عبدالحکیم، ص ۱۰۳،

۶۔ اللّکنوی، عبدالحی، العلّامة، نزهة الخواطر، ملتان: طیب اکادمی، ۱۹۹۲م، ج۵، ص ۲۲۹

۷۔ نزهة الخواطر، ج۵، ص ۵۳۶

۸۔ آفتاب بنجاب حضرت علامه عبدالحکیم، ص ۱۱۲،

۹۔ آفتاب بنجاب حضرت علامه عبدالحکیم، ص ۱۱۴،

۱۰۔ نزهة الخواطر، ج۵، ص ۵۷۷،

۱۱۔ أیضا،

۱۲۔ آفتاب بنجاب حضرت علامه عبدالحکیم، ص ۱۰۸،

SUFI INTERPRETATION OF AL-QUR'AN

Bisma Ilyas Cheema

Sufism is the representation of the inner aspect of Islam, so esoteric commentary on the Quran is substantially doctrine of Sufism. Some of the sayings of the Prophet (S.A.W.W) are fundamental for Sufism. The Prophet (S.A.W.W) enunciated those sayings as a contemplative saint, addressed to those of his Companions (R.A) who later became the first Sufi masters in history. There are also "Holy utterances" (*ahadith qudsiyah*) uttered in the first person by the mouth of the Holy Prophet from God. Although these are not revealed in the same "objective" mode, yet they have the same degree of inspiration. These "holy utterances" are not meant for the whole religious community but are reserved only for contemplatives. This provides the basis of the Sufi interpretation of the Quran. [1]

Esoteric interpretation of Al-Quran is commonly known as Sufi interpretation and *ta'wil*. It is in fact the allegorical interpretation of Al-Quran and the inner hidden meanings and messages are drawn and then applied in life. Because of a firm belief of Sufis, Al-Quran is sent for all ages bearing messages for every situation. So, in spite of reading it without translation and proper comprehension, Sufis draw the messages for them. They put the example of gardener. They are of the view that Al-Quran is like a prescription or a manual of instructions, given to a gardener (man by his owner Allah). If man doesn`t act upon the

instruction daily instead if he reads it out without understanding, he will definitely be in gross loss.

Esoteric or Sufi interpretation of the Quran i-e *ta'wil*, is the quest for the hidden; inner meanings of the Quran. It was a synonym of conventional interpretation in its earliest uses.[2] Esoteric interpretations by Sufis are not opposite to the conventional translations. These are actually much deeper and based on practical facts. Esoteric interpretations do not usually contradict the conventional, (in this context called exoteric) interpretations, instead, they discuss the inner levels of meaning of Quran.

The words 'Ta'wil' and 'Tafsir' have been translated to explanation, elucidation, interpretation and commentary but from the 3rd century onward 'Ta'wil' was commonly regarded as the "esoteric or mystical interpretation of the Quran while conventional exegesis of the Quran was called "Tafsir". The term "Batin" refers to the inner or esoteric meaning of a sacred text, and "Zahir" to the apparent or exoteric meaning.[3]

Esoteric interpretations are found in Sufi, Shia & Sunni interpretations of Al-Quran. A hadith which states that Al-Quran has an inner meaning & that inner meaning conceals a yet deeper inner meaning and so on …, has something been used in support of this view.[4]

"There is no doubt in this book. It's guidance for believers. Guidance for those who believe in abstract (not apparent) and take care of their prayers and spend what we have blessed them".[5]

So, According to Al-Quran, Almighty Allah Himself declares that man has been blessed with true guidance in the form of Al-Quran, and that is ever applicable in every situation. Man can get pure guidance from it by contemplating in it. The verses of Al-Quran demand faith and firm trust because Faith is the light that leads man to his true destination:

"Those who believe, know well that everything is true,
and said by their Lord, the Almighty ….."[6]

So, Sufis have firm belief in their heart, so to say. In belief they win, and who follows Almighty Allah's command with trust and solid belief, is in true sense successful. Sufis firstly try to find out the true way told by their Lord and become the near and dear ones of Him. Then they are allowed to guide the creature of Almighty Allah. It is obligatory for human being that whenever they are informed of or invited by any man of God for seeking the straight path, he (if he wants to be one of blessed and luckiest people) must say "Labbaik" which is a word stands for acceptance by heart.[7]

"Whenever you get the news of My path from Me, So, Whoever adopt this way and follow my direction, Never have any fear nor grief on him".[8]

As far as the history of esoteric interpretation of Al-Quran is concerned, Sulami (d. 1021 C) is considered the most important author of esoteric interpretation prior to 12th Century, without whose work the majority of every early Sufi Commentaries would not have been preserved. Sulami's major commentary is a book named Haqaiq-al-Tafsir (Truths of

Exegesis') which is a compilation of commentaries of earlier Sufis.[9]

Another most important mystic of the early formative period was Sahl Tustari (d: 896).His commentary (Tafsir-al-Quran al-Azim) has been compiled later by his disciples and preserved as a commentary on the Quran. Tustari's commentary doesn't comprise interpretations of every single verse rather there are comments on a selection of verses.[10]

A spiritual commentary of the Quran is attributed to Jafar-al-Sadiq (Tafsir Imam Ja'far-al-Sadiq). However, its authenticity remains suspect. This commentary conveys a spurious textual tradition and does not contain much reliable material, however the items cited on Jafer Sadiq's authority is Sulami's book seems to be based on identifiable chains of transmitters. [11]From the 11th century onwards several other works appear, including commentaries by Qushayri (d: 1074), Daylami (d: 1193), Shirazi (d: 1209), and Suhrawardi (d: 1234). These works include material form Sulami's books plus the author's own contributions. Many works are written in Persian such as the works of Maybodi (d: 1135).Kashf-al-Asrar, The Unveiling of the Secrets. (Godlas, 2008, pp: 350-400).See also[12] Rumi (1273) wrote a vast amount of mystical poetry in his book Mathawi. Rumi makes heavy use of the Quran in his poetry, a feature that is sometimes omitted in the translations of Rumi's work.[13][14]

Rumi's style of interpreting the Quranic verses into outstanding poetic form with a lot of depth and bearing events

and situations, presence of symbolism an major tool, is really notable.

Sanai (d:1336) wrote two influential works of esoteric exegesis on the Quran. He reconciled notions of God's manifestation through and in the physical world with the sentiments of Sunni Islam. Sinai was a prolific author, 154 titles are ascribed to him, of which at least 79 exist today.[15]

Comprehensive Sufi commentaries appear in 18th Century such as the work of Ismail Hakki Bursevi (d:1725). His work Ruh-al-Bayan (The Spirit of Elucidation) is a voluminous exegesis. Written in Arabic, it combines the author's own ideas with those of his predecessors (notably Ibn-Arabi and Ghazali), all woven together in Hafez, a Persian poetry form. [16]

Shia Islam is a branch of Islam in which one finds some of the most esoteric interpretations on the nature of the Qur'an. Shia interpretations of the Qur'an concern mainly issues of authority where the concept of Imamat is paramount. In Twelver Shia Islam, there are mainly two theological Schools: the Akhbari and the Usuli. The first school interprets the Quran mainly through reliance upon traditions (hadith) ascribed to the Imams. The second school gives more power to independent reasoning and judgment (Ijtihad). Ismaili interpretation shares common ground with Sufism. The method is called Kashf, an "unveiling" to the heart of the interpreter, and is dependent upon the master, the grace of God, and the spiritual capacity of the interpreter.[17]

> "This is an honorable Quran, in a book hidden, which none can touch except the purified". [18]

In exoteric sense, the Quran requires Muslims to perform ritual cleansing of their hand before touching it. Esoteric interpreters were of the opinion that it implies that individuals with spiritual purity are able to grasp the meaning of Al-Quran. [19]A hadith attributed to Muhammad (S.A.W.W) is essential in understanding the inward aspects of the Quran, and is fundamental to Quranic exegesis.

Attar of Nishapure, the 12th century mystical poet, gives a mystical interpretation of the Quranic story of the descent of Adam and Eve from paradise to Earth.

> "The men whose mind and vision are ensnared by heaven's grace must forfeit that same grace, for only then can he direct his face to his true Lord".[20]

Occasionally a verse may be interpreted in a sense very different from its conventional meaning. For example Hamadani in his book Tamheedat (Preludes) interpret 04:6-7 (It is a fierce fire created by God, to penetrate into the hearts) which conventionally refers to the punishment in hell, as passion of divine love. Hamadani interprets 14:48 (On the Day when the earth is changed into another earth, and the heaven, and they will emerge before God) which conventionally describes the Day of Judgment as a description of the moment of spiritual awakening or enlightenment. Sufis believe the Quran's initial letters (Muqatta'at) conceal mysteries that cannot be fully expressed in

words and should be understood by means of mystic experiences.[21]

In Sufi commentaries of the Quran, Sufi concepts are commonly related such as the hierarchical levels of realities in human experience (human, supra sensible, and Divine levels), and the ideas concerning the six subtitles (Lataif-e-Sitta).[22]

The Quran possesses an external appearance and a hidden depth, an exoteric meaning and an esoteric meaning. This esoteric meaning in turn conceals an esoteric meaning so it goes on for various esoteric meanings (depths to hidden depths). There is a statement made by Imam Jafar Sadaq (d: 765 CE):

> "The book of God comprises four things: the statement set down, the allusions, the hidden meanings relating to the supra-sensible world, and the exalted spiritual doctrines. The literal statement is for the ordinary believers. The allusions are the concern of the elite. The hidden meanings pertain to the friends of God. The exalted spiritual doctrines are the province of the Prophets". [23]

Thus, it can be claimed with authenticity that Almighty Allah has not sent the Quran only to read but also helps us in understanding its real messages and instructions and his friends or Sufis, play a vital role in helping to understand it.

Several books have been written dealing with how to differentiate real and fake mysticism, went on to say that some 700 verses of the Holy Quran are generally believed to contain mystical remarks that can be served in mysticism. This does not

mean that Quranic verses are specifically for a particular subject; as a matter of fact, a single passage of the Holy Qur'an and sometimes be used in numerous fields of knowledge without one contradicting the other. Sufi writings make frequent references to the Qur'an and present esoteric interpretations either explicitly or implicitly. There are 3 major trends in Sufi interpretations can be recognized, mystic, philosophic and esoteric. A famous Sufi commentary on the Qur'an, the Persian book Kashf Al-Asrar (The Unveiling of the Mysteries) by Meybodi, mentions conventional interpretations as the first level of meaning and esoteric interpretations as a deeper level. It is common in Sufi writings to explain three or four levels of meanings of a Quranic concept. [24]

It is an open secret and there is almost no dispute among Muslims that the Quran has concealed meanings however this does not mean that very esoteric interpretation of the Quran is necessarily valid. Some interpreters are known to have overplayed the allegorical aspects of the Quran, claiming privileged understanding of its contents and distorting its meaning. Acceptance of these meanings is also a matter of debate. Mainstream theologians, were willing to accept these interpretations if certain conditions were met.

Here arise two questions. How can one begin to say what God "meant" by His revelation? How does one balance the desire to understand the meaning of the Qur'an with the realistic fear of reducing it to discover its richness and transforming possibilities? According to one interpretation, the Quran is a

document which is different for each individual and the language and type of discourse chosen to interpret varies with different commentators. [25]

In short, it is a fact that Sufi's interpretations help the people to understand the commands of the Holy Quran more effectively. For example as in the Holy Quran, it is mentioned that "perform good deeds in such a way that even your left hand could no know." People couldn't get the exact and real sense of this command that they should do the good with right hand without informing the left hand. Sufis interpret it as:

We should do the good and positive things and try not to be effected by our Nafs or inner selfishness. Man is in fact amalgamation of positive and negative. So, if he gets an idea of doing good and at the same time he suddenly does not want to do it because of some reasons based on greed, sluggishness etc. He must not left his negative approach effect on his positivity and favors all without any partiality and prejudice. Moreover, it is commanded us to use right hand for eating. But according to Sufis' interpretations, right hand stands for fair means of earning, and what actually commanded us, is that man must not eat or live upon unfair means, man must follow the fair and God directed ways to live. In this way man can live a happy contented life. [26]

References

1. Shirazi, Mullā adrā, (2004) *On the Hermeneutics of the Light Verse of the Quran*, (trans), Latimah-Parvin Peerwani, London: Islamic College for Advanced Studies Press. P:31
2. Ayoub, Mahmoud M. (1984). *The Qur'an and its interpreters* Albany: State Univ. of New York Press., P:24
3. Kynsh, Alexander D. "*Sufism and the Quran in Brill Encyclopedia of Quran*. Studies 12:41-55, P: 94-104
4. Ayoub,1984, opcit;p:34
5. Al-Quran 1: 1-3
6. Al-Quran 1:25
7. Kharraz, Abu Bakr, (1937) *Kitab as-Sidq, The Book of Thruthfulness*, (ed. And trans.) A.J Arberry. Oxfrod. p:123
8. Al-Quran,1:38
9. Kynsh,opcit; p: 41-55
10. Tustari, Sahi lbn Abd Allah, (2008) *Tafsir al-Tustari,* Annable Keeler, (trans) p:15.
11. Elias, Jamal (2010). "*Sufi Tafsir Reconsidered: Exploring the Development of a Genre*". (Journal of Quranic Studies 12:41-55), p:65).
12. Godlas, Alan, 2008. *The Blackwell Companion to the Quran*, p:350-400).
13. Netton, Ian Richard, 2011*, Islam, Christianity and the Mystic Journey: A Comparative Exploration,* Edinburgh University press.,p:27).
14. Mojaddedi, Javaid, (2012*), Beyond Dogma: Rumi's Teachimg On Friendship with God and Early Sufi Theories,* Oxford University Press.pp:363-373

15. Elias, 2010, opcit;p:41-55
16. Ibid,p:14-55
17. Godlas, 2008, opcit; pp:350-400
18. Al-Quran 55:79
19. Taji-Farouke, Soha (2006). *Modern Muslim Intellectuals and the Quran*,2006,pp: 75-85
20. Attar, Farid ud-din; (1984). *The Conference of the Birds.* Afkham Darbandiz Davis Dick (trans),p:294
21. Tustari,2008, opcit;p:123
22. Godlas,2008,opcit; pp: 330-340
23. Elias,2010, opcit; p:109
24. Kynsh, opcit; P: 213.
25. Sands, Krishin Zahra (2006). *Sufi commentaries on the Qur'an in classical Islam,*p: 203
26. Schuon, Frithjof (2004), *Light on the Ancient Worlds*, Lord Northbourne, (trans), Sang-e-Meel publication, Lahore, p:127

A Journal of Students:
Department of Islamic Studies & Arabic

Quarterly

Justjoo

ISSN:2410-535X

Issue :4 July-September 2015

Government College University
Faisalabad Pakistan

۶۔ متن میں آنے والی آیاتِ قرآنی کے لیے Trad Arabic Bold اور احادیث یا دیگر عربی عبارات کے لیے Trad Arabic فونٹ استعمال کریں۔

۷۔ آیاتِ قرآنی پر مکمل اعراب لگائیں، احادیث پر بھی ضروری اعراب لگا ہوا ہو۔

۸۔ مضمون کے ساتھ لکھنے والے کا مکمل نام، کلاس بمعہ سیشن، رابطہ نمبر اور ای میل ایڈریس بھی لکھا جائے۔

حوالہ جات:

متن میں حوالے کے نمبر چھوٹی بریکٹ میں اردو اعداد (۱، ۲، ۳) کی صورت میں مسلسل لگائے جائیں اور حوالہ جات مضمون کے اختتام پر درج ذیل اسلوب کے مطابق لگائیں۔

۱۔ قرآنی آیت کا حوالہ: نام سورۃ: آیت نمبر مثلاً العلق:۵

۲۔ حدیث کا حوالہ: نام مؤلف، نام کتاب، مقام اشاعت: ادارۂ اشاعت، سن اشاعت، باب کا نام، رقم الحدیث
مثلاً ابن ماجہ، محمد بن یزید قزوینی، السنن، ریاض: دار السلام، ۱۴۲۲ھ، کتاب الفتن، رقم الحدیث ۳۹۳۲

۳۔ بائبل کا حوالہ: کتاب کا نام، باب نمبر: جملہ نمبر مثلاً یوحنا۵:۲۶

۴۔ کتاب کا حوالہ: مصنف کا معروف نام، پورا نام، کتاب کا نام، ترجمہ کی صورت میں مترجم کا نام، مقام اشاعت، ادارۂ اشاعت، سن اشاعت، جلد نمبر (اگر ہو تو) صفحہ نمبر (سن اشاعت درج نہ ہونے کی صورت میں 'س ن' لکھیں۔)
مثلاً طحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد، العقیدۃ الطحاویۃ، کراچی: مکتبۃ البشریٰ، ۲۰۰۷ء، ص ۱۵، ۱۶

۵۔ مجلّے کا حوالہ: نام مقالہ نگار، مقالہ کا عنوان، مجلہ کا نام، جائے اشاعت، جلد نمبر، شمارہ نمبر، صفحہ نمبر
مثلاً محمد ہمایوں عباس، ڈاکٹر، مولانا محمد حنیف ندویؒ اور ان کی تفسیر سراج البیان، مشمولہ: تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ، مارچ ۲۰۱۴ئ، جلد: ۳۳، شمارہ ۱، ص: ۸۸

۶۔ کسی کتاب کا دوبارہ حوالہ: i۔ فوراً بعد آئے تو ایضاً لکھ کر صفحہ نمبر درج کر دیں۔ ii۔ اگر کچھ حوالوں کے بعد دوبارہ آئے تو اختصار ملحوظ رکھتے ہوئے مصنف اور کتاب کا نام لکھ کر صفحہ نمبر دے دیں۔
مثلاً i۔ ایضاً، ص ۲۰ ii۔ طحاوی، العقیدۃ الطحاویۃ، ص ۲۴

۷۔ کتاب کے نام یا مقالے کے عنوان کے نیچے خط کھینچا جائے، جیسا کہ درج بالا مثالوں میں ہے۔

۸۔ انگریزی میں ایضاً کے لیے Ibid اور ص کے لیے P لکھا جائے۔

ISSN:2410-535X

A Journal of Students:
Department of Islamic Studies & Arabic

Quarterly

Justjoo

ISSUE 4

Government College University Faisalabad